







وَفَوْضَلِ الْمَلِكِ الْبَصِيرِ

أَكْمَلُ الْمَنَاقِبِ وَالْمَنَاقِبِ لَهُ ذَرْعٌ تَحْصِيلُ سَعَادَتِ مَجْهُولِ طَلَبَاتِ

أَعْنَى حَصْرٍ أَوَّلِ

كَلِمَاتِ

أَرْدُو شَرْحِ دِيَوَانِ حَافِظَةِ

بِحَسَنِ اِهْتِمَامِ بَعْضِ اَلْاَكْلَامِ مَجْدِ سَمْعِي خَانِ مُؤَلَّفِ كِتَابِ هَذَا

مَطْبَعِ الْإِبْرَاهِيمِ الطَّائِعِ دَرِيشَدِ  
دَرْجِ فَضَائِلِ الْإِبْرَاهِيمِ



# بسم اللہ الرحمن الرحیم

الایا ایتھا السانی اذیکاساؤنا ولھا کہ عشق آسان بنود اول و افتاد مشکلا

الحکامی ہوشیار ہو جام دار کر پی اور پلا کیونکہ عشق اول آسان معلوم ہوا اگر ب مشکلیں پتی ہن  
الاکلمہ تنبیہ و توجیہ سانی سے مراد مرشد کامل۔ اذیکاساؤنا یعنی دور ساغر چلا۔ یا جام شراب  
دائم کرنا اول صیغہ امر از مصدر نزول و الناولۃ یعنی کوئی شے اور و نکو بھی دینا۔ جسکے یہ معنی  
لئے لگتے ہن کہ پی اور پلا۔ عشق سے مراد عشق حقیقی۔ اور اول سے مقصود روز میناق۔  
مشکون سے عبارت منازل مقامات ہن یعنی ہم عدم سے وجود میں اسلئے آئے تھر کہ حصول  
معرفت الہی اور شاہد حق آسان ہو جائے۔ مگر معلوم ہوا کہ عشق الہی جیسا کہ بمقابلہ عدم کہ وجود میں  
آسان معلوم ہونا تھا اوس سہلین مشکل نکلا۔ کیونکہ وجود فانی چیز ہی۔ اور عشق حقیقی باقی پس فانی شے  
باقی پر کس طرح حاوی ہو سکتی ہے۔ یہی بڑی شکل تھی جو ہکو عدم سے وجود میں اگر پیش آئی۔

محققین کے نزدیک اہل معرفت کو حصول معرفت سے پہلے دس منزلیں طے کرنی پڑتی ہن  
اور عشق کی منزل گیارہویں ہے۔ لہذا کوئی طالب حقیقت بلا ان دسوں منزلوں کو طے نہ کرے  
منزل عشق تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور عارف کامل بن سکتا ہے چنانچہ پہلی منزل طالب حقیقت  
کے واسطے منزل موافقت ہے۔ یعنی دوست کے دشمنوں کو جس سے شیطان و نفس آثار  
و کمروہات دنیا و دین دشمن جانے۔ دوم منزل میل یعنی ماسوائے اللہ کو دل سے بھلا دی  
سوم منزل موافقت یعنی ہر حال میں اللہ کو ڈھونڈ ہے۔ اور سب سے بھاگے ہمارم مودیت  
یعنی بخشوع و خضوع قلب متوجہ الی اللہ ہو۔ پنجم ہوا کہ دل کو ریاضت اور مجاہدہ میں سحر کر دی۔  
ششم غلت کہ تمام اعضائے بدن کو ماسوائے اللہ سے خالی کر کے یاد الہی سے پُر کرے۔  
ہفتم انقیاد کہ تمام خصائل و سیرے پاک و صاف ہو کر تصفیف بصفات حمیدہ ہو۔ ہشتم منزل شغف  
یعنی غلبہ حرارت کے شوق سے دل دو نیم کر کے رموز عشق کو افشا کو برا سمجھے۔ مگر بصورت حال



## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمین الصلوٰۃ والسلام محمد بن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ واصحابہ اجمعین۔ ابا عبد ربہ خا کسار محمدان محمد ذرا سمیل خان صاحبان اہل طریقت نیز شائقینان ذمیر تبت کی خدمت سراپا رکت بن ملتس ہو کہ گود دیوان خواجہ حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ سراسر اسرار معرفت اور رموز حقیقت سر پر ہے۔ مگر چونکہ عبارت اسکی ادق اور مشکل الفہم فارسی ہی سنے اکثر اصحاب اردو دان اس پر لطف دیوان کے مطالعہ سے خطا نہیں چل کر سکتے۔ چونکہ اسوقت تک اسکی کوئی شرح اردو میں نہیں ہوئی ہے۔ لہذا میں نے اسکی شرح لکھنے کا قصد کیا اور اول کے دو چار شعر کے معنی مع شرح لکھ کر اصحاب نکتہ دان کو سنائے۔ منجملہ اول کو میرے نہایت ہی مکرم جناب مولوی معز الدین خان صاحب نیو سپر ٹنٹ و کیسی نیشن علی ٹنٹ نے بہت ہی پسند کیا اور مجھے اسکے تمام و کمال لکھنے کی ترغیب دلائی۔ اور اسکے اہتمام طبع میں مالی مدد بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ میں نے خدا کے توکل اور مولوی صاحب موصوف کی تحریک پر شرح کا لکھنا شروع کر دیا اور نام اسکا گلبرگ معارف رکھا۔ اب عمل کریم ہو رہا ہے کہ وہ مجھے اسکے پورا کر دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور پسندیدگی شائقین سے میری محنت کو ٹھکانے لگائے۔ وَمَنْ يَتُوكَلِّمُ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ

عام ساقی نہیں ہے۔ بلکہ خاص وہ ہی ساقی ہے جو ظرب معرفت پلانے کا استاد ہے اور  
گو ساقی خم و محدث یا مرشد کامل شراب معرفت پلانے میں تساہل نہیں کرتا تاہم شوق کا یہی مقتضی  
کہ اوس کو ہر وقت اپنی طرف متوجہ ہی رکھا جاوے جس طرح کہ بچہ اپنی ماں سے دودھ مانگتا ہے تقاضہ  
کیا کرتا ہے درحالیکہ وہ کسی وقت اوس سے دریغ نہیں کرتی۔

بوی نافہ کا خربسبازان طرہ یکشاید زتاب جعد مشکینش جو خون قناد و دلہا  
ببطن نافکی بوکا آخر شب میں صبا اوس طرہ کو کھولتی ہو اوسکی مشکین چوٹی کرچ سولون میں خون ہوتا ہو  
بوتے نافہ مشک کئی بوکا خربے بعد لفظ شب مذکور ہو جس سے مراد پیغام ترک وجو و ظاہری یعنی موت  
کا پیغام ہے جو عارفان کامل اور عاشقان صادق کو پاس آخر وقت میں منجانب اللہ پہنچا کرتا ہے  
مصرع ثانی میں شبن کی ضمیر اوس شب کی طرف راجع ہے چونکہ نافہ سیاہ ہوتا ہے اور تاناری ہرن  
کے ناف کے خون سے بنتا ہے اسلئے رعایت سیاہی بالونکی چوٹی اور شب کی تشبیہ اور تعلیل میں کمال شاعری  
دکھلائی گئی ہے علاوہ اسکر دل جو تمام انسانی خواہشوں کا مرکز ہے۔ اوس میں ہی صرف ایک قطرہ خون کا  
ہونا مشہور ہے۔ اور کتنی ہی کھمبہ خون سیاہ ہوتا ہے۔ اس رعایت سے قطرہ خون کا دل میں ہونا۔ اور  
ہرن کی ناف میں نافہ بننا جو دونوں سیاہی مائل ہوتے ہیں فارس کی شاعری کی قابل تعریف تشبیہیں ہیں۔  
چونکہ خواجہ علیہ الرحمۃ موصول الی اللہ شاعر تھے۔ لہذا اس لطیف شاعری کے پیرایہ میں انہوں نے وہی اسرار  
معرفت بیان فرمائے ہیں۔ اور خلاصہ مطلب یہ ہے کہ پیغام وصال جو حصول معرفت کی صبا آخر شب میں  
یعنی آخر وقت میں بوی پیغام حضرت صدیق مشتاقان حق کے پاس پہنچاتی یعنی مرثوہ و صل سنانی  
ہے تو اس کے سننے سے دل جو ظاہری وجود کا عسبر راہ کار ہے غم و غصہ سے خون ہو جاتا ہے۔ اور نہیں چاہتا  
کہ بہت سی ستار برباد ہو اور اسکی سلطنت ویران ہو جائے۔ چونکہ عارف کامل کا وصال موت سے ہوتا ہے اور  
دل وجود انسانی کا بادشاہ ہے۔ پس اوسکو اس بربادی سے کمال رنج ہوتا ہے۔ اس شعر کا یہی معنی ہے جو  
اس سے اچھی طرح برہنہ نہیں ہو سکتا تھا۔

بوی سجادہ رنگین کن گرت پیرمغان گوید کہ سالک بخیر نوبذراہ و رسم منظر لہا۔  
جانا زو شراب و رنگ اگر پیرمغان بجو حکم دے کیونکہ ہادی منظر لنگی راہ و رسم سے بے خبر نہیں ہوتا  
مے سے عشق آئی اور سجادہ سے دل عارف مراد ہے پیرمغان سے مرشد کامل اور منظر لنگی



نہم یتیم یعنی اپنے آپ کو محبت کا بندہ سمجھو۔ دہم فلہ یعنی آئینہ دلو جو حال حق کی برابر لکھ کر شہ  
محبت کو سرشار ہو جائے۔ گیارہویں منزل عشق کی ہے کہ اس میں زبان پر ذکر خدا اور طبیعت میں  
فکر حق سبحانہ تعالیٰ۔ اور روح کو مشاہدہ حال لم یزل میں ایسا مستغرق و محو بادے کہ خودی سے  
بیخود ہو کر از خود زندگی کی حالت میں ذات احدیت میں شامل ہو جائے۔ اسی کو عشق حقیقی کہتے ہیں اور یہی  
مقام معرفت ہے۔ لہذا اس شعر میں مشکوٰۃ نسبی دس منزلیں مراد ہیں۔ جو عشق حقیقی تک پہنچنے  
میں پیش آتی ہیں۔

مطلب شعر کا یہ ہے کہ اسے ساقی خم معرفت۔ یا ایزد مرشد کامل اٹھا اور شراب عشق حقیقی کا جام دایرہ  
کر یعنی تو ہی پی اور سہو ہی پلا۔ اس لیے کہ عشق حقیقی جو ایک دشوار کام ہے سرور میں آسان ہو جائے  
اور جو جو شکلیں اس میں حاصل ہیں وہ کیفیت نشہ عرفان میں محسوس نہوسکیں جس طرح کہ شراب کرشمہ میں شکل و  
محنت طلب کام آسانی سے انجام ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح عشق اتنی کام جیسو کم اول میں آسان سمجھو  
تھے شکل ہے پس اس کا آسان کرنے کی یہی ایک تدبیر ہے کہ ہم اوسے شراب معرفت کرشمہ میں مخمور  
ہو کر اوس کو اپنے واسطے آسان کر لیں۔ یہاں لیک ایک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حافظ علیہ السلام  
ابھی عشق حقیقی کی منزل تک نہیں پہنچے تھے جو وہ پہلے کی دس منزلوں کو مشکل سمجھ کر ساقی سرور  
ساغر کی التجا کرتے ہیں۔ تو اس کا یہ جواب ہے کہ وہ عارف کامل تھے۔ اور ان کو منازل عشق کی تبدیلی  
منزلتیں طے کر نیکی ضرورت اب باقی نہ تھی۔ لیکن قاعدہ عام یہ ہے کہ کامل اپنا آپ کو کبھی کامل نہیں کہا کرتا  
بلکہ ناقص ہی بیان کرتا رہتا ہے۔ اسی اعتبار سے خواجہ صاحب بھی باوجود پورے عارف ہونے کو اپنے  
آپ کو مبتدی ہی ظاہر کرتے ہیں۔

فائدہ اہل معرفت یا اصحاب طریقت کو نقلی معنی سے بحث نہیں ہوتی بلکہ معنوی سے ہوتی ہے۔ اور  
ہر ایک جملہ کا ماہو المقصود خواہ وہ کبھی طرح کہا جاوے صوفی لوگ وہی مراد لیتے ہیں جو انکو دلائل ہوتا ہے چونکہ  
حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ ربان طریقت ہیں۔ لہذا انہوں نے لفظ ساقی سے مرشد کامل اور مالک  
او سکواہی طرف مائل کر ناما دلیا ہے۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ان الفاظ سے مرشد کی سورتا ہی مقصود  
اور اوس سے ساغر کا تقاضا کرنا عقل سے بعید ہے۔ کیونکہ جب وہ خود شراب معرفت پلائے کو ہر وقت موجود  
رہتا ہو تو اس پر ایسے سقیم الفاظ سے تقاضہ کرنا کیا معنی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خواجہ صاحب کا مقصود کوئی

شب تار یک ویم موج گردا چنین جایل کجا داند حال ماسکساران ساحل ہا

اندھیری رات موج کا خوف گرداب کا زور بزرگ گناہ و سر ہنر والی ہمارا حال کیا جانیں  
شب تاریک سے دنیا۔ اور یم موج و گرداب سے تفکرات زندگی اور مکروہات دنیا مراد ہیں۔  
سکسار یا سکسار وہ لوگ جو دریائے موت سے پارا وتر گئے ہوں۔ اور آرام سے عدم کی خشکی پر  
سوئے ہوں۔ مطلب یہ کہ جس طرح منہ ہار میں پھنسی ہوئی اور جلد ڈوب جانے والی کشتی کے  
بیٹھنے والوں کی تکالیف اور مصیبت کو ساکنان خشکی جو آرام سے اپنے اپنے مکانات میں پیر پھیل گئے  
سوئے ہوں نہیں جان سکتے۔ اسی طرح وہ لوگ جو ہمے پہلے دریائے موت کے پارا وتر گئے۔  
اور جن سے عالم قدس میں ہیں۔ یعنی واصل بحق ہو گئے ہم دنیا کے رہنمویا لون اور یم دہر اس  
موت یا مکروہات خیالی باطلہ میں پھنسے ہوئے کس حال کو کیا جانیں کہ کس مصیبت میں ہیں۔  
اور ہم پر کیا گذرتی ہے۔ دنیا کو شب تاریک سے تشبیہ دینے کا بہت عمدہ فریضہ ہے۔ کیونکہ اس میں  
بہات خاص کوئی مادہ روشنی کا نہیں سوچ با چاند جو اس کو روشن کئے رہتے ہیں وہ آسمانوں سے  
متعلق ہیں۔ اگر سورج زمین کو روشن نہ کرے تو یہ کرہ ارض متعلق بہ عالم فانی ہونے کی وجہ سے  
شب تاریک سے بھی کمین زیادہ تاریک ہو جائے۔

ہمہ کارم ز خود کامی بہ بدنامی کشید آخر نہان کو ماند آن راز مکر و سازند مغلہا

تمام کام میں نے خود کامی ہو بدنامی لوٹھائی وہ بھیک پوشیدہ رہ سکتا ہے کہ جس کو مغلون کیا ہو

فرماتے ہیں کہ میں نے تمام کاموں میں جو اپنے ارادہ اور اختیار سے کئے آخر کار بدنامی اوٹھائی  
یعنی جب میں عالم وحدت سے عالم تعین اور کثرت میں آیا تو جو افعال مجھے سرزد ہوئے وہ میری  
صحیح عقل اور حواس خمسہ کے سبب ہو کر رسوائی کا باعث ہو گئی۔ انہو حال عشق یا راز تو حید نہ چھپ سکا  
کیونکہ جس پوشیدہ کام کو بہت سے لوگ ملکر کر رہے تھے اور سکارا نہ کبھی نہ کبھی ضرورتاً شہادۂ بام ہو جاتا کہ  
اسی طرح میرا اصلی راز کہ جو خاص عالم لاہوت سے متعلق تھا وہ حواس خمسہ اور ان کے تابعین اعضاء  
کی وجہ سے کہ جو جسمانی مقاصد کے کام انجام دیتے ہیں فاش ہو گیا۔ اگر میں اس عالم کثرت میں نہ آتا  
تو میرا راز بھی حواس خمسہ اور اعضاء کا ظہری کے اختیار میں نہ ہوتا۔ اور اگر کثرت میں ہی آتا تو مجھے

وہ ہی معرفت حق کی گیارہون منزلین مقصود ہیں۔

شعر ہذا کا مطلب تو یہ ہے کہ اسے طالب تجلومرشد کامل کے حکم کا یہاں تک اتباع کرنا چاہیے کہ اگر وہ جانماز کو شراب سے آلودہ کرنے کو کہے تو تو بخون و خطر اس میں ڈبو دے۔ کیونکہ وہ عشق حقیقی کے غراجل طے کرنے کے راز سے بخوبی واقف ہے اور کہیں راستہ سے ہنیں بہک سکتا۔ اس سے مرشد کامل کی بجا آوری احکام میں تاکید مقصود ہے جو طالب پر بنبرلہ فرض ہے۔ ورنہ ہادی کہی ایسی ناجائز بات کی ہدایت سے آزمائش نہیں کریگا۔ مگر طالب کو بھی لازم ہے کہ اس کی حکم سے کیوقت اور کسی حالت میں سرتابی نہ کرے۔ اور متنوی مطلب یہ ہے کہ اسے مخاطب ابنزدل کو سے وحدت سے رنگین کر کے یکرنگ ہو جا۔ اور مرشد حقیقی کے حکم کی تعمیل اقوال اور افعال سے بجا لائیں تاہم حرکت و سکنا یا خطرات میں اوس سے وحدت کے سرور کا اتباع رکھے جا۔ اسلئے کہ سالک اہ معرفت اور طریق حقیقت سے بیخبر نہیں ہے۔ اور سب کہہ جانتا ہے۔ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ عَظِيمٌ

مراد منزل جانان چہ من عیش چون ہر دم جرس فریاد میارو کہ بر بنید محمل

مجلوہ جانان میں کیا عیش و آرام جبکہ ہر وقت جرس شور مچاتا ہے کہ محملوں کو باندھو

جرس اون ٹالون کی آواز کو کہتے ہیں کہ جو قافلہ والے اپنے مرکبوں کے گلزمین باندھا کرتے ہیں اور ان سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ جسوقت پڑا فے چلین تو ہر کاروانی آگاہ ہو جائے کہ اب چلنے کی طیاری ہو رہی ہے اور کسی وجہ سے رہ نہ جائے یا ٹالون کا بجنا اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اسباب سفر درست کر کے منزل کے لئے طیار ہو جاؤ۔ اس اعتبار سے گویا جرس چلنے کا تقاضہ کیا کرتا ہے کہ بیخبر نہ ہو۔ بلکہ اسباب سینھا لو۔ محل یعنی کجاوہ یا عماری جو اونٹ پر کسا جاتا ہو منزل جانان سے وصال الہی اور جرس سے آواز ملک الموت مراد ہے مطلب یہ ہے کہ جب مجلو منزل جانان یعنی راہ عدم پیش ہو اور وہاں پہنچنے کے لئے ملک الموت ہر وقت شور مچاتا ہو تو اس ارسل بجاتا ہے تو مجلو دنیا کی مستعار زندگی میں کیا راحت مل سکتی ہے جبکہ تقاضائے موت کسی جگہ چین نہیں لینے دیتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا آرام کی جگہ نہیں اور بہانہ جلد اپنا رخت زندگی باندھ کر سفر کی طیاری کرنی چاہئے۔ کیونکہ دنیا میں ٹھہرنے کی جگہ نہ یہ ہے نہ وہ ہے۔ لہذا ہر کاروانی کو لازم ہے کہ اپنا محل اونٹ پر کسے اور جلد چلے کو طیار ہو جائے



اور وصال محبوب جلتی ہی ہو جائے۔ بلکہ طالع بان حق حضور می کا ارادہ او سیوقت کرتے ہیں کہ جب دنیا اور اس کے جملہ رونا بکھیر وں کو خیر باد کہہ کر سب سے الگ تھلک ہو جاتے ہیں۔  
 اے فرخ ماہ حسن باز رو کو رخشان شما آبرو سے خوبی از چاہ ز رخندان شما  
 اے خوب رو تھار مرد و روشن ہو ماہ حسن کفر و غوغا ہوا تمہارے چاہ ز رخندان سے خوبی کو آبر و ملی

اسے کلامِ نذاریہ ہے جو لفظ شما سے متعلق ہے۔ اور چاہ ز رخندان اس فشب کو کہتے ہیں جو سیدر  
 شوری کے درمیان ہوتا ہے۔ شعرائے فارس کے نزدیک یہ ٹوڑیکا نشیب گویا خوبصورتی چہرہ  
 کی علامت ہے۔ شعر کا مجازی مطلب یہ ہے کہ اے حسنینو تمہارے چہرہ تابان کے سبب چاند کو  
 روشنی اور تمہارے چاہ ز رخندان سے لفظ خوبی کو آبر و ملی ہے۔ مگر حقیقی معنی اس شعر کے  
 اسطرچہ ہیں کہ لفظ شما سے محبوب حقیقی کی طرف خطاب ہے یہ شاعر و نکاطریقہ ہے کہ وہ معشوق کو جس طرح  
 مخاطب کی فہمیر سے بھی خطاب کرتے ہیں۔ گویا ان اس شما کا مخاطب حق سبحانہ تعالیٰ ہے۔ مگر شاعری اور  
 قافیہ کے اعتبار سے یہ فہمیر لایا صحیح ہو گا۔ ماہ حسن سے حسن معشوقان مجازی اور رو سے رخشان سے  
 تجلیات انوار حق مقصود ہیں۔ تو اس صورت میں یہ مطلب ہے کہ اے بے نیلہ محبوب حقیقی جو کہ  
 تماشا اس دنیا میں نظر آتا ہے یا جسے حسین نظر پڑتے ہیں ان سب میں تیرے ہی جمال کا پیرا ہے  
 اور تیرا ہی عکس ان سب پر سایہ افکن ہو رہا ہے کہ لکھو کہ اللہ جمیل و مجتہب الجمال اللہ حسین ہے  
 اور حسینوں کو ہی دوست رکھتا ہے۔ اور نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اس شعر سے حضور سرور کا نثار و ہمنظر  
 موجودات کی طرف خطاب کیا گیا ہو اس صورت میں شما کی فہمیر کا شک ہی رفع ہو جاتا ہے۔ اور باقی  
 مطلب وہی رہے گا جو معنوی طور کا بیان ہوا۔

غرم دیدار تو دیا بر جان برب آمدہ باز گردیدار آید حبست فرمان شما  
 تیرے دیدار کے ارادہ شہ جان لب پر آئی ہو۔ لوٹ جاؤ یا کھل آئے شکر واسطی کیا حکم ہے  
 یہاں پہلے مصرع میں تو آیا ہے اور دوسرے میں نہ پہلے عرض کر دیا گیا ہے کہ شعرا اکثر  
 معشوق کو تم کے لفظ سے کہتے ہیں۔ کیا کہے ہیں۔ اس سے جمع مقصود نہیں ہوتی۔ بلکہ  
 ادب مقصود ہوتا ہے۔ لہذا مطلب یہ ہوا کہ اے صاحبِ حقیقی میری جان تیرے دیدار کو  
 اشتیاق میں نگلے کا ارادہ کر رہی ہے۔ یعنی تیرا وہاں چاہتی ہے۔ اگر وقت اس کے

صحیح الحواسی کے حالت مجذوبانہ رکھتا تو بھی بہتر اور انسب تھا۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جس بدن  
کچھ نہ تھا یعنی طلب لسانی نہ رکھتا تھا تو اپنے اختیار میں بھی نہ تھا۔ اور جبکہ عالم وجود میں آیا اور اپنی  
اختیار میں ہوا تو میرا پردہ اور راز وحدت فاش ہو گیا۔ اور کیوں نہ ہو جاتا جبکہ حالت وجود کا  
انصرام حواس ظاہری و باطنی کے متعلق ہے۔

حضور کی گم غمی ایسی روزگار مشہور حافظ  
اور حافظ اگر تو حضور چاہتا ہے تو اس سے الگ نہ رہے  
اس شعر کا یہ مطلب ہے کہ اسے عاشق جب نے محبوب کا وصال چاہتا ہے تو اس سے جدا ہوتے ہو کیونکہ  
جب محبوب سے وصال کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کے منافی مقصود یعنی دنیا کو ترک کر دے لیکن دوسری  
مصرع کے معنوں پر اس صورت میں یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ پہلے دنیا ترک کر کے بعد کو ملاقات  
وصل محبوب کی آرزو کرنی چاہئے مگر یہاں اکتا مضمون ہے کہ ملاقات پیدا کر کے حافظ صاحب بعد  
میں ترک دنیا کی ہدایت کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض محققین نے رفع اعتراض کو اسے لفظ مٹنے  
کے بعد آدھ کو مقدر مانا ہے اور مصرع کا فقرہ بنا کر یوں پڑھا ہے۔ مٹنے ہدایت  
ماتلق من قھوئی دم الدنیا و امھلھا جس کے معنی یہ ہوئے کہ جب تو وصل محبوب کا  
ارادہ رکھے تو دنیا کو ترک کر کے خیر باد کہہ دے چنانچہ ہم نے بھی دوسرے مصرع کا ترجمہ  
اروت کو شامل کر کے کیا ہے۔ اس موقع پر ملاقات کے معنی عشق پیدا کرنے کے نہیں بلکہ  
وصل کے لئے گئے ہیں جیسا کہ اول مصرع کے لفظ حضور سے ظاہر ہے۔ ایک عالم کو اس مصرع کی ترکیب  
یہ بھی اعتراض ہو کہ جس وقت جزا شرط اور امر و نہی جملہ اسمیہ ہو وی روف کا لانا ضروری ہوتا ہے  
لیکن اگر جزا مقدم ہو تو بغیر ف کے جائز ہو جائیگا۔ بہر حال مصرع مذکور ترکیب نحوئی  
میں ذرا پیدا ہے اور ہلکا و نہی پیچ کی اردو شرح کرنے سے مطلب کو طول دینے کی ضرورت نہیں  
معلوم ہوتی۔ لہذا ہم نے اسکا خلاصہ یہ نکالا ہے کہ حضوری سے وصل یا امر اور نہی یعنی اسے  
حافظ اگر تو وصال محبوب حقیقی چاہتا ہے تو ہر وقت یاد آتی ہے حضور میں حاضر ہاورد ہر کو الگ  
ہوا اس لئے کہ کسی سے ملاقات کر کے وصال کی آرزو کرنا یا دولت حضور میں پا جانا اور سبقت ممکن  
ہو کہ جب اسوہ بیرون یا اسکی سنا فیات کو ترک کر دیا جائے یعنی یہ ممکن نہیں کہ دنیا ہی رہے

اور تہمازی نظر جو ہمارے فائدہ کے واسطے تھی وہ ہمیں زکس کی طرح مجاہد اور درسی  
اس سے توجہ نہ تھا کہ تم ہلکے پہلے ہی سے اپنا شہیدانہ بناتے اور جب ابتدا ہی سے معنی ہمارے  
حال پر ہر مہرانی فرمائی ہے تو اس پروری توجہ سے ہا کمال نگاہ سر بہین منزل مقصود تک پہنچاؤ  
خاک ۱۰ چونکہ دیوان ہذا میں قریب قریب مجازی اور حقیقی دونوں قسم کے معنی پیدا ہوئے  
ہیں اور اسی اعتبار سے شعر تصنیف بھی کئے گئے ہیں۔ لہذا ایک ہی رنگ میں اسکی شرح نہیں  
ہو سکتی تمام دیوان ظاہر میں مجازی مگر باطن میں حقیقی معنی کا پہلو لئے ہوئے ہے۔

بخت خواب آلود و بیدار خواہ شد مگر ناکہ زور و دیدہ آبی روی رخشان شما  
ہمارا خواب آلود نصیب جاگ بایر گا لیکن اس سبب کے کوئی آنکھوں پر تھاری روی رخشان پانی ہر  
قاعدہ کلیہ ہے کہ جب خواب آلود یا نیند اس کے موہنے پر پانی چھڑکا جائے تو نیند بھاگ جاتی ہو  
اور یہ بھی قاعدہ عام ہے کہ تیز روشنی کے دیکھنے سے آنکھوں میں جھکاؤ پیدا ہو کر پانی بھرتا ہے  
اس موقع پر رے رخشان سے انوار تجلیات ایزدی اور شمس سے وہ ہی محبوب حقیقی مراد ہے  
اور مطلب یہ کہ تیری تجلیات معانی سے جب عاشق کی آنکھوں میں جھکاؤ پیدا ہوئی تو ان میں  
پانی بھر آیا۔ پانی سوتے ہوئے بخت کے واسطے خواب غفلت سے بیدار کرنے والی مثال رکھتا  
ہے کہ جیسے سوتے ہوئے کے موہنے پر پانی چھڑکا دینا۔ مختصر یہ کہ جو پانی تجلی الہی دیکھنے سے آنکھوں میں  
پیدا ہوا وہ اسی عاشق کے یا اس کے بخت خفتہ کے بیدار کرنے کو کافی ہو گیا۔ پس حافظ صاحب  
فرماتے ہیں کہ جب تک میں جمال جہان آرا سے شرف نہوا تھا تو میرے بخت سوئے ہوئے تھے  
لیکن جبکہ جلوہ انہی نظر آگیا تو اسکی تیزی سے جو پانی آنکھوں میں نکلا وہ خفتہ کے موہنے پر پانی چھڑکنا  
ہو گیا لہذا اب میری نصیب پورے طور پر بیدار ہو جائینگے۔

یا صبا ہمارے بفرست از خست گلستانہ . . . بوکہ بوئی و پشیم از خاک بستان شما  
اپنی رخ سے صبا کے ہمراہ گلستانہ بھیج . . . شاید کہ بو پائین ہمہ تھاری باغ کی خاک کو  
خاک کو مراد قدر مرخفت . . . یعنی اگر تم اپنے باغ حسن سے باد صبا کے ہاتھ ایک گلستانہ بھیج  
بھیجو تو شاید ہم اسکی تھوڑی سی بو پائین . . . یعنی کچھ نہ کچھ لطف تو حاصل کر ہی لیں .  
معنوی مطلب اس طرح ہے کہ گلستانہ سے جمع اہل یقین اور صبا سے الہام ربانی یا

نکلنے کا آگیا ہو تو حکم دے۔ کہ نکل آوے۔ اور جو ابھی وقت نہیں آیا ہے نواد شاد کر کہ بھر اپنے  
 قید خانہ میں پہل جابے اس شعر میں گویا وصال کی آرزو کی گئی ہے۔ مگر مرضی محبوب کا پہلو لے ہوئے  
 کو ہر دست این غرض یا رب کہ ہمدستان شود **خاطر مجموعہ زلف پریشان شما**  
 ای خدا یہ مراد کب بر آو گی کہ ہم صحبت ہو کر **ہماری خاطر مجموعہ اور تمہاری زلف پریشان**  
 ہمدستان ہمدستان کا معنی ہے جس کے معنی ہم کلام اور ہم صحبت کر رہے ہیں۔ دوسرے میں  
 خاطر مجموعہ یا دلجمعی سے شاہد و حدت پر بلا تفرق خیالات جبر یا اختیار کے ذریعہ ہونا مراد ہو  
 دلجمعی اور سیوف ہوتی ہے کہ سوائے ایک کے اور کسی کا خیال نہ ہو۔ زلف پریشان شما گویا اسکی  
 قدرت کے گونا گون جلوے مقصود ہیں کہ کہیں کہہ اور کہیں کہہ نظر آتا ہے۔ گویا یہ جلوہ ہائے  
 قدرت یا مظاہرات حق زلف پریشان کی طرح ہیں۔ اور خاطر مجموعہ زلف پریشان کی ضد یہ تشبیہ  
 ہی پر معنی ہے۔ چونکہ اہل معرفت روح کا عدم سے وجود میں آنا اور اسکا اپنی اصل سے جسد ہو جانا  
 قرار دیتے ہیں۔ مگر موت کے بعد وہ پراپنی اسی اصل سے جالتی ہے۔ لہذا مطلب خواجه صاحب کا  
 یہ ہے کہ اسے خدا وہ کو نہ مان ہو گا کہ جب یہ مراد بر آوے گی کہ ہماری خاطر مجموعہ یعنی روح تیری  
 زلف پریشان سے یعنی شاہد حقیقی سے وابستہ ہو کر حال اشتیاق بیان کر گی اور اس کا سطح ملگی  
 جس طرح کہ بچھڑے ہوئے ہم صحبت ہو کر تے ہیں۔ اس شعر سے بھی تمنائے وصال پائی جاتی ہے۔  
 کس بن و زر گست طر فی نہ بہت از عجب **بہ کہ بفر و شند ستوری بہستان شما**  
 تیری نگین کو دروین کیس کو آخر کوئی فائدہ نہوا **بہتر کہ پر دہ نشینی کو نہا کرستان چشم کا تہیہ الین**  
 مجاہد آلودگی کی صفت میں شعرا کو فارس آنکھ کو زر گس کے پہول سے تشبیہ دیا کر دین۔ طرف بہن  
 فارسی محاورہ کسی چیز سے فائدہ اٹھانا مطلب یہ نہ بہت کوئی فائدہ نہ اٹھا یا۔ مستوری گوشہ نشینی  
 مستان یعنی مستان چشم۔ یعنی کسی شخص نے تمہاری نگین آنکھوں کے دروین کوئی فائدہ نہ اٹھا یا  
 اس سے تو یہی بہتر ہے کہ گوشہ نشینی کو انکے ہاتھ بچھا لا جائے۔ جسے جب وہ کسی فائدہ کو لئے  
 نہیں ہیں تو ان کا گوشہ میں ہی رہنا بہتر ہے۔ اور معنوی مطلب اس شعر کا یوں ہے کہ شما سر مشد کال  
 یا سا لک راہ طریقت کی طرف خطاب ہے۔ اور طلب حقیقت میں زیادتی کا تقاضہ مقصود ہے  
 یعنی اسے مرشد کمال تمہارے دور دورہ میں ہم تمہاری ایک نظر عنایت کے مشتاق رہے

کیے۔ اب ہم حقیقی مطلب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ سابقان بزم جم سے مراد مقبول اولیاء اللہ اور سے سے معرفت مراد ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ اسے مرشدان کامل گو ہمارا انجام تمہاری بدولت ہے معرفت سے جیسا کہ مہربا چاہئے تھا نہیں بھرا گیا۔ یعنی ہماری طلب لہجہ کی سیری نہ ہوئی تو یہی ہم تمہارے دعا گو ہیں کہ خدا تمہاری عمر دلاز کرے اور تم ہمیشہ اپنا فیضان صحبت اسی طرح طالبوں کو پہنچانے رہو واضح ہو کہ جو قاعدہ غمور و نکاشراب کی طلبی میں باقی سے ہوتا ہو وہی طریقہ غموران بادہ معرفت کا مرشد کامل سے سمجھنا چاہیے کہ چاہے وہ کتنا ہی سلوک کوے گروہ میں نہیں ہوتے اور طلب ہی کئے جاتے ہیں۔ اور نیز یہ بھی ممکن ہے کہ یہ شعر حضور سر و کائنات کی نعمت طریقت میں ہو۔ اور غم سے بذات خاص حضور اور سابقوں سے صحابہ کرام اور ہون اور معنی یہ ہوں کہ اسے رسول اللہ کی بزم و شکلم کے جلیسو یعنی ابے صحابہ محترم کہ اگرچہ تمہارے زمانہ میں ہم پیدا نہ ہوئے اور نہ تمہاری صحبت سے فیضیاب ہوئے تاہم تم اپنی بمعیدل خصلت اور فیض صحبت کی وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ یادگار زمانہ رہو۔ اور تا قیامت تمہاری ناموں

کی شہرت بنا کر اسلام کو سبب بانی رہی

۱۰ امی صبا با ساکنان شہر نیرواز ماہ گو

کامی سزا حق شناسان گو میبدان شما

۱۱ امی صبا شہر نیرواز کو رہنے والا کو ہماری طرف سے کہو

کامی سزا حق شناسان گو میبدان شما

۱۲ امی صبا کو شاعروں کی عادت کہ موافق اپنا پیغام برنا یا ہے اور کہیں ہیں کہ اسے باد صبا

کامی سزا حق شناسان گو میبدان شما

۱۳ امی صبا کو شاعروں کی عادت کہ موافق اپنا پیغام برنا یا ہے اور کہیں ہیں کہ اسے باد صبا

کامی سزا حق شناسان گو میبدان شما

۱۴ امی صبا کو شاعروں کی عادت کہ موافق اپنا پیغام برنا یا ہے اور کہیں ہیں کہ اسے باد صبا

کامی سزا حق شناسان گو میبدان شما

۱۵ امی صبا کو شاعروں کی عادت کہ موافق اپنا پیغام برنا یا ہے اور کہیں ہیں کہ اسے باد صبا

کامی سزا حق شناسان گو میبدان شما



وحی خفی مراد ہے جسکو القا کہتے ہیں۔ اور خاک بستان شملہ سے مشاہیر ہوندا فی مقصود ہے۔ یعنی اسے محبوب حقیقی اگر تو اپنے باغ معرفت سے نزدیک اسے الہام کو بھیج اہل نقیض یا مرشدان کا ملین کو میرے پاس بھیج دے تو کیا عجب ہے کہ میں ہی تیرے باغ معرفت کو کچھ نہ کچھ پا جاؤں۔ اور اس ذریعہ سے مقصود اصلی تک پہنچ جاؤں۔

دل خرابی می کند دلدار را آگہ کنسید زینہارا کردستان جان من جان شما  
دلدار کو خبر کر دو کہ دل خرابی ڈالتا ہے ضرور ضروری دوستو تمہیں اپنی اور میری حالت تم

یعنی میرا دل بوجہ غفلت اور از خود رفتگی کے حال عشق کو ظاہر کئے دیتا ہو۔ چونکہ عاشقان صادق را از عشق کو ظاہر نہیں کیا کرتے لہذا اسی افشار از کو خرابی کو تعبیر کیا گیا ہو۔ دلدار کو آگاہ کرنے سے یہ مطلب ہے کہ وہ اوس کو اخفا کی توفیق دے۔ دوستوں نے مراد صوفیان ہم شرب میں اور جان من و جان شما سے مقصود تمہیں آپسی اور میری جان کی قسم ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اسے دوستان حقیقت طلب مگو تمہاری اور میری جان کی قسم ہے کہ تم خدا سے دعا کرو کہ وہ میرے دل کو از عشق کی پوشیدہ رکھنے کی توفیق دے۔ کیونکہ دل کی خود رفتگی سوز و محبت کے آشکارا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور یہ بڑی خرابی ہوگی۔ لیکن ہر کہ الفقر اء کفنی احد کو اعتبار سے جان من جان شما کا یہ مطلب ہو کہ جیسے میری جان ہے دبی ہی تمہاری اور جب اس حالت میں ہم تم واحد بن تو میری خرابی سے تمہاری خرابی بھی متصور ہوگی تو اس صورت میں زینہار کے معنی البتہ کے لئے ہائیکے۔

عمران باد اور از اساقیان بزم جم گرچہ جام ناشد پر می بدوران شما  
عمر تمہاری راز ہو جو اسے بزم جم کر ساقیو اگرچہ ہمارا جام تمہارے دروین شرب سے بھر دیا

ان معنی شما۔ شاہ شہید کی محفل مشہور تھی کہ جہیں ہزاروں آدمی ہوتے تھے اور تمام سامان عیش و طرب مہیا ہوتا تھا۔ حافظ علیہ الرحمۃ بطور استعارہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ ہم شہید کے ساقیو اگرچہ تمہارے زمانہ میں جبکہ کسیکے واسطے شراب کی کمی نہیں ہوتی تھی ہمارا جام کہی نہ بھرا گیا تاہم ہم سب روز البتہ تمہیں دعا ہے ہی باور کرینگے کہ خدا تمہاری عمر میں دراز کرے۔ قاعدہ ہر کہ بیخانہ کے مسعتاتی کو دعائیں ہی دیا کرتے ہیں۔ خواہ وہ اُن کے ساتھ کسی ہی بے رحمی اور کج ادا دلی

پھاؤڑہ کی مدد کے کسی کا محل بالکل نہیں بن سکتا پس پھاؤڑہ بنکر بھی محل کی خاک چومنا کچھ  
 سے رکھتا ہو۔ لہذا باطنی بہ غرض ہے کہ اسے شہنشاہ بلند اختر برائے خدا میری مدد کر  
 اور اس بات کی ہمت عطا فرما کہ میں مرتبہ اعلیٰ پر پہنچوں اور میرے ایوان بھلے کا آسمان  
 کی طرح خاک بوس ہوں۔ گو آسمان اس قدر بلند ہو تو بھی کنگرہ عرش اعظم کا خاک بوس ہی سمجھا جاتا  
 ہے پس اس واسطے خواجہ علیہ الرحمۃ ابنو آپ کو خاک بوس ایوان بھلے کا ہونے کے لئے آسمان  
 سے تشبیہ دیجیے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ شاہ بلند اختر سر رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم راہوں  
 آپ کا رعبہ اتنا بلند ہو کہ آسمان ہی قیہ دار صورت میں حضور کی جائے قیام اور جائے مزار مبارک  
 ہونے کے سبب زمین کی طرف جھکا ہوا ہے۔ یعنی آسمان اس وجہ سے زمین کا قدم بوس ہے  
 کہ اوپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار ہے اب حافظ صاحب حضور اقدس سے ملتی ہیں کہ اسے  
 شاہنشاہ بلند اختر براہو خدا میری مدد کر اور ہمت دے کہ میں آسمان کی طرح تیری ایوان پاک  
 یعنی مزار مقدس کا خاک بوس ہوں اور دینیہ جا کر مزار شریف کی خاک بوسی کروں۔

میکند حافظ دعا کر بشنو آئیں گے روزی ماہا دعل شکر افشان شما  
 حافظ دعا کرتا ہے سنو اور آئیں گے نیراعل شکر افشان ہماری روزی نصیب ہو

چونکہ نیراعل یا عقیق بینی سے اور لب سر شعر اکثر تشبیہ دیتے ہیں لہذا یہاں صرف تشبیہ مع توصیف  
 شکر افشان کے ہے جس سے لب معشوق مراد ہے۔ چنانچہ حافظ صاحب فرماتی ہیں کہ اسے  
 سننے والو حافظ دعا مانگتا ہے اور تم سب بلکہ آئیں کو وہ دعا یہ ہو کہ محبوب حقیقی کو لب شکر افشان  
 بننے کے وصال مقصود ہے مجھ اور تمہیں اور سب عاشقان صادق کو نصیب ہوں یعنی ہم سب لبان  
 حقیقت کو خدا کا سیاب کری اور اپنے وصال سے سیراب فرما دے۔

دل میر و ذرت صابہ دلان خدا را دروا کہ باز نہمان خواہد شد اشکانا

اگر دل غفلت نہ کرے تو دلان خدا کا دروا کہ باز نہمان خواہد شد اشکانا

صاحب دلون سو مار فان وقت اور باز نہمان سر عشق حقیقی مراد ہے۔ چونکہ مار فان کامل کے  
 نزدیک راز عشق کا پوشیدہ رکنا عین سعادت ہے لہذا مطلب یہ ہے کہ اسے صوفیان ہم شرب  
 خدا کو اسے کچھ تدبیر نہلاؤ کہ میرا دل حالت بے صبری میں میری اختیار سے باہر ہوا جاتا ہو

جب پہلے سے تمہاری شاہ وقت کے غلام اور تمہارے تعریف کنندہ ہیں اور ہمیشہ غلام سے یاد کیا کرتے ہیں۔ معنوی مطلب یہ ہے کہ شہرِ نیر سے مدد آبادی مقامِ طہین مراد ہے اور ساکنانِ شہرِ نیر وہ اولیاءِ سلف ہیں جو اس سے پہلے داخلِ کتب ہو چکے ہیں۔ اور ناحق ختم ہونے غیر مربوط اور ظاہر پرست لوگ مقصود ہیں۔ جیسے وہ پیامِ یونانی کی طرف اشارہ ہو کہ جو مشتاقانِ حق کے دلون میں نہان ہوتا ہے اور جب وقت آتا ہے تو سالک اپنی دسویں کالکند کی طرقت روانہ کرتا ہے اور اسکو روزِ است کا عہد بھی کہتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو ظاہر میں تیرے اور دوسری حقیقی کا جذبہ نہ رکھتے تمہاری پاس پہنچ گئے۔ گو ہم ظاہر میں دور ہیں۔ لیکن ارادہ یہی ہے کہ ہمارے جناب میں پہنچیں۔ اور وصالِ محبوب حقیقی حاصل کریں۔ شمس کا لفظ شاہِ حقیقی کے واسطے سمجھا جاتا ہے۔ اس سے جمع مقصود نہیں ہے۔ بلکہ ادب مقصود ہے جیسا کہ اول عرض کر دیا گیا ہے۔

دور و از خاک خونِ دامن چو بربا بگذری کاندیرین رہ گشتہ بسیار اند قربانِ شما خاکِ خونِ سودا من بجا اگر تو ہمارے پاس ہو گزری کہ اس راستہ میں تیری لہو بہت سوزان ہو تو میں

اس شعر کا مجازی مطلب صاف ہے۔ اور تشریح طلب نہیں حقیقی یہ ہے کہ خاک اور خون سے ظاہر پرست لوگ اول سے اصلی طالبِ حقیقت مراد ہیں۔ شمس کی ضمیر مرشدِ کامل کی طرف راجع ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس مرشدِ کامل اگر تو ہمارے پاس ہو کر گزرے یعنی لوگوں کو اپنا مزید بنائے تو خاک و خون سے دامن بچائے رہنا یعنی دنیا داروں اور ظاہر پرستوں پر مہر کرنا کیونکہ ایسے لوگ جب کسی کو اپنا پیر نہ لے اور بغیت کرتے ہیں تو اونکی کوئی نہ کوئی دنیاوی غرض یا سمن پوشیدہ ہوتی ہے دوسری مصرع کا ربط پہلے سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ یعنی گو ہم بھی تیرے طالب ہیں اور غیر بھی تابعِ فرمان بلکہ بہت سے بدل و جان قربان ہیں اور بعض انہیں سوا یہی ہیں کہ جاکو قربان اور فدا ہونا اور سکڑا تی فائدہ پر مبنی ہو گا پس ایسے ظاہر داروں کی باتوں میں اگر اپنے

فیضان کو ضایع نہ کرا اور اسے بکار نہ لے۔  
 اے شہنشاہِ بلند اختر خدایا ہمیشہ  
 اے شہنشاہِ بلند اختر برائے خدا بہت ہے۔  
 تا بنوسم همچون گردونِ خاکِ ایوانِ شما  
 تاکہ چو من تیرے ایوانِ خاکِ شل گردون کے  
 اس موقع پر گردون کے معنی بہاؤ کی کہ یہی لئے جا سکتے ہیں اور صاف ظاہر ہے کہ بلا



بڑی خوش الحانی ہو کہ ہاتھ لگا کر اساقی معرفت شراب صبحی لا اور ایستان طریقت جلدی اوٹھا اور مست ہوئی  
 فکر کر دینی صبحی بچو صبحی اوس شراب کو کتنی میں جو بچ کیوقت نیند کا شمار دور کر نکو پی جایا کرتی ہے۔ علامہ  
 اسکو فارس کا بلبل بہنت ہی خوش الحان پرندہ ہو وہ اکثر صبح کو بولتا ہی گویا دوسرا مصرع ہمارے الصبح  
 جو ایسا ایسا سکارا۔ بلبل کی بولی ہو اور صبحی کا لفظ صبح کو اعتبار سے لائی میں۔

ای صاحب کرامت شکرانہ سلامت روزی تقدیری کن درویش مینوا

اھو صاحب کرامت سلامتی کا شکر کر کسی روز مہربانی لازم ہو بسا مان فقر پر  
 صاحب کرامت سے مرشد کامل مراد ہو اور مطلب یہ کہ ای مرشد کامل اپنی سلامتی سلوک کے  
 شکر پر میں جو تجھ پر اب بے نیاز کی جناب میں اپنی مرتبہ کو بابتہ اور کرنا چاہتا ہوں کسی روز بے سامان  
 فقیر یعنی طالب معرفت پر نظر عنایت فرما اور اسکا نبی بہاؤ روز اسکا حاصل کھانا سے طلب ہو۔  
 آسائش و گوشتی تفسیر این دو حرست با دو شمنان مدارا  
 دونوں جہان کو آسائش ان دو حرفوں کی تفسیر کہ دوستوں کی بات مہربانی اور دشمنوں کی تفتیش

یہ سلاکت گزیدہ لوگوں کا ہو کہ وہ کسی کو برا نہیں جانتے اس لئے کہ دنیا کی بہلائی بڑائی ظاہری ہو اور دنیا  
 کو سب ایک دوسرے کو بہلا یا برا سمجھتا ہے پس جو لوگ تارک الدنیا ہیں ان کو کسی کی اچھو بڑی سے  
 بحث ہی نہیں خدا کے نزدیک بندہ پر و نکو ہی برا نہیں کہتے مولانا روم فرماتا ہیں مگر خدا خواہد کہ کس در  
 میلش اند و لعنہ نیکان بردہ و خدا خواہد کہ پوش عیب کس کمزند و عیب معیوبان نس۔

در کوی نیکنامی مارا گند رندا دند گر تو نمی پسندی تعمیر کن قضا را

کوچہ نیکنامی میں بچ نہ گھسنے دیا اگر تو ہی پسند نہیں کرتا تو حکم کو بدل  
 یعنی دنیا میں جو نیکنامی نصیب ہوئی پس خدا اگر تو بھی پسند نہیں کرتا تو حکم کو بدل دو حکم بڑا حکم مجید کی آیت فل کل من  
 عند اللہ لہم جو کما سلفہ ہو کہ سب کو ہی بند ہیں جو اسکی اطاعت کر گیا اور اسکو چھوچکا وہ ہی اور کو نزدیک بزرگ ہے  
 خدا کو یہاں مذہب پوچھی جاتی ہے نہ بد امت صورت بلکہ اعمال پوچھی جاتی ہیں پس خلاصہ یہ کہ ای اللہ دنیا کو لوگ تو مجھ کو  
 نیکنام نہیں جانتے تو مجھ کو ایسا نہیں سمجھنا میں تو تیرا ہی ہوں اگر تو مجھ پر اپنا نہیں جانتا تو حکم کو بدل کر  
 اس سے عالم ظاہری کی صورت نکالتے قصود یہو ورنہ خدا کے نزدیک جو رتبہ عاشقان حقیقی کا ہوتا ہے  
 وہ اور سیکھا نہیں ہو لہذا چاہو دنیا کو لوگ ان کو برا سمجھیں مگر خدا اچھا سمجھتا ہے۔

اگر ہرگز سکنا تو افسوس صد افسوس عشق کار از فاش ہو جائیگا۔ اور جو سعادت اس کو پوشیدہ

رکنے میں ہے وہ ہاتھ سے جاتی رہیگی

دور وزہ مہر گردون افسانہ نیست افسون نیکی بجائی یاران فرصت شمار یارا

دور وزہ مہر گردون ایک افسانہ افسون ہی بار و کوسانہ نیکی کرنا ہی بار غنیمت جان

دور وزہ مہر گردون فارسی کا محاورہ ہے جس سے دور وزہ زندگی اور یار انہی شریک ہاں صحبت

لوگ یعنی طالب اور یار اس میں مرشد کامل مراد ہیں۔ خلاصہ مطلب یہ کہ زندگی چند روزہ ہے اس میں یاروں

اور طالبوں کو واسطے جو کچھ بھلائی یعنی سلوک ہو اس کو غنیمت سمجھنا چاہئے اس سے صرف

تقاضائے طلب معرفت مقصود ہے۔ واضح ہو کہ ہم اون اشعار کا مجازی مطلب کہ جو صاف اور

آسان ہیں بخوبی طول چھوڑتے جاتے ہیں اور صرف معنوی پر اکتفا کرتے ہیں۔

کشتی شکستہ گانیم ای باد شہر طبر خیزر باشد کہ باز بنیم آن یار آشنا را

ہم ٹوٹی ہوئی کشتی میں ای باد مرا تحصیل کہیں ایسا ہو کہ ہم پھر اور ہمارے دوستوں کو دیکھ لیں

یاد شہر طبر باد موافق باہر ادا کہہ تے ہیں۔ اور یہاں اس سے مرشد کامل مقصود ہے۔ اور یار و آشنا

ذات واجب الوجود مراد ہے جو کہ انسان کامل کی اصل ہے۔ لہذا بحالت پریشانی مرشد کامل سے

عرض کرتے ہیں کہ ہمارا وجود ایک شکستہ کشتی کی طرح ہوا اور ہم اوپر سیر کیون آرزوؤں کے ساتھ سوار ہیں

پس ای مرشد ہماری مدد کر کہ تیرے طفیل سے ہم پار ہو جاویں۔ اور درطہ فنا میں غرق نہوں۔ خدا نے

ہمیں عدم سے اس ٹوٹے ہوئے سفینہ پر سوار کیا ہے۔ اور یہ کشتی دریائے وحدت میں ڈال کر عدم میں وجود

کی طرف کو روانہ کی تاکہ ہم (روحیں) دریائے زندگور سے گزیر مقصود پاکر ہمیں وسلاست اوی کی جناب میں

لوٹ جاویں۔ پس اگر تونہ اوسے ملے گا اور ہماری مدد نہ کرے گا تو ہمیں اس ٹوٹی ہوئی کشتی کو کسی طرح

امید نہیں ہے کہ یہ کنارہ پر پہنچاویں گی۔

ہات الصبح حیوایہا السکارا در حلقہ گل خوش خواند و خوش بلبیل

امو ساقی شراب مہجی نالائے مستو جلد آو گل و گل کو حلقہ میں گل بلبیل خوب بڑھتا تھا کہ

گل سوزیدگان حدیقہ وحدت اور دل سے واصلان عشق و محبت مراد ہیں۔ بلبیل سے مرشد

ہوانا مقصود ہے مطلب یہ کہ سالکان طریقت کے حلقہ میں گل مہج کے وقت بلبیل باغ وحدت

کہ گوشت اب کو سردار صوفیان نے ام الحیات کہا ہو مگر ہمیں تو یہ زہار کو بوسہ بھی زیادہ شیریں معلوم ہوتی ہے تلخوش کی دوسری رعایت شیریں ہزار ورقابہ ہو کہ عاشق کو پرخنجوب کا بوسہ بہت ہی لذیذ معلوم ہو اگرنا ہو۔

ہنگام ننگستی در عیش کوش مستی      کین کیمیا کی مستی قارون کند گدارا  
ننگستی کی وقت عیش و مستی بن کوشش کر      کہ یہ زندگی کی کیمیا فقیر و نکو قارون بنائی ہو  
فقیر سوہ شخص مراد ہے جو عشق الہی سے ننگست ہو اور قارون سے وہ جس کو پاس دولت معرفت و مطلب  
یہ کہ اگر تو ننگست ہو تو اسکی پردا کر یہ ننگستی ننگستی نہیں ہے بلکہ اہل ننگست وہ ہوتا ہو جس کو پاس  
سرمایہ عشق میں سو کہہ نہیں ہوتا ننگستی میں یاد الہی کو جلا و رزندی میں کچھ جمع کرے یہ زندگی  
وہ کیمیا جس سے فقیر قارون کی برابر مالدار بن جاتا ہو یعنی عشق و محبت میں طالب ہو پورا شد ہو سکتا ہے۔  
خویان پارسی کو بخشندگان عمر نند      ساقی بدہ بشارت پیران پارسا را  
فارسی بولند و الم محبوب عمر کو بخشند و اسے میں      ساقی بوڑھو پارسا وں کو خوشخبری سنا

روایت ہو کہ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میکائیل سے دریافت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ  
فارسی زبان میں بھی کچھ کہتا ہو یا نہیں میکائیل نے جواب دیا کہ ہاں کہتا ہو اور فارسی زبان میں یہ  
کہتا ہو چون کہم با این مشت ستمگار جز آنکہ بیامرزیم پس بخشش عفو گناہ  
اور بخش عمر جاوید کہ معنون میں ہے۔ اس شعر میں ساقی سے مراد مرشد اور پیران پارسا سے باران  
طایقت مقصود ہیں خویان پارسی گو کا اشارہ خدا کی طرف ہو یعنی اللہ تعالیٰ گناہوں کا بخشنے والا  
اور عمر جاوید عطا فرمائے والا پارسی خویان ہے پاس مطلب میں دو اعتراض پیدا ہوئے ہیں۔ اول  
یہ کہ خویان پارسی کو جب خدا کی طرف اشارہ ہو تو لفظ جمع کیوں لائے۔ دوم خدا کو یہ طایقت  
بیشک ہو کہ وہ بوڑھوں کو سہارا سال تک زندہ رکھ کر عفو و تیراں میں خود سرما چکا ہے  
اِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْذِنُ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِرُ مَوْتٌ ط یعنی جب موت آتی ہے  
تو مداخلہ کو بھی نہیں مل سکتی اس اعتبار سے بوڑھوں کو عمر بخشنے کا کیا قرینہ ہے پہلی اعتراض کا  
یہ جواب ہو کہ شعر فارسی اکثر محبوب کو مینہ جمع سے مخاطب کیا کرتے ہیں جس سے تعظیم مقصود ہوتی ہو  
نہ نقد و علاوہ اسکے خدا کی واسطے جمع کا صیغہ استعمال کرنا مشاہدات کا اعتبار سے بھی صحیح ہے

آئینہ سکندر جام جم است بنگر تبار تو عرضه دارد احوال ملک ارا  
 آئینہ سکندر یا جام جسم ہے دیکھ تاکہ تجھ پر ظاہر ہو جائے حال دارا ملک کا  
 جام جم سوز دل بخارفت اور ملک دارا سے حالات عشق حقیقی مراد ہیں بشور جو کہ سکندر ز آئینہ بین  
 دیکھ کر دارا ملک کا سب حال معلوم کر لیا تھا اور سارے جہشید میں بھی دھت تھا کہ دوسرے دیکھ کر دنگا  
 حال معلوم ہو جاتا تھا لہذا مطلب شعر کا یہ ہے کہ عارف کا دل آئینہ سکندر یا جام جم ہر جس کو تمام  
 حالات معرفت اور نکات حقیقت ظاہر ہو دیا ہو سکتا ہیں  
 کسش مشکوہ چون شمع از غیرت بسوزد دلبر کہ در لطف او موم است سنگ خارا  
 مغرورست ہو کہ مثل شمع کہ تجھ غیرت سے گملا دیگا محبوب کما او کما تہمین سنگ را ہی موم ہو تا د  
 دلبر سو را خدا تعالیٰ ہے اور مطلب یہ کہ انفس کسش مغرورست ہو کیونکہ یہ صفت کبریا کی ہے اور  
 اگر تکبر کر گیا تو وہ خدا جسکے ہاتھ میں سخت چھتر بھی مثل موم کے ہے تجھ کو غیرت سے گملا دیگا اور شرم سے  
 پانی پانی کر دیا بعض محققین نے اس شعر کو ای صاحب کرامت سکرانہ سلامت کر نیچے لکھا ہے اور دونوں کو  
 قطع بند خیال کیا ہے۔

گر مطرب حریفان این پاری بخواند در رقص حالت آرد پیران پارسارا  
 گر مطرب حریفان غنزل کو بڑھیں تو بوڑھے پارسارا حالت رقص میں آجائیں  
 پہلے مصرعہ میں پاری اور دوسری میں پارسا کا لفظ پر معنی ہے اور مطلب صرف یہ ہے کہ اگر صوفی دوست  
 اس غزل کو پڑھیں تو اچھے اچھے بوڑھے پارسا حالت وجد میں آکر ناچنے لگیں کیونکہ اس میں سراسر معرفت  
 برہمی ہوئی ہے۔

آن تلخوش کہ صوفی ام الخبائش خواند اَشْفَعُ لَنَا وَاعْطَا مِنْ قَبْلَةِ الْعَدَا سَرَا  
 وہ تلخوش کہ جسکو صوفی زبیر امیو لگی مان بتلایا ہے ہمیں بہت ہی مرغوب اور بوسہ بخونیا دے شیرین ہو  
 تلخوش کی شراب مجازی اور صوفی سرور انبیاء برہان الاصفیا محمد بن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں  
 یعنی آپ کی شراب کو تمام برائیوں کی جڑ فرمایا ہے اور اسوجہ سے شرع میں حرام کر دیا گیا ہے لہذا صاحب کی  
 غرض اس موقع پر اس مجازی شراب کو نہیں بلکہ حقیقی سے ہے اور شراب کی مناسبت سے لفظ تلخوش لایا ہے  
 کیونکہ شراب عشق حقیقی ہی ایک قسم کا نشہ رکھتی ہے جو اس سے کہیں زیادہ خوشگوار ہوتا ہے پس مطلب یہ ہے

پیالہ سے محبوب مجازی یا مرشد کامل اور عکس رخ یاز سے انوار الہی مراد ہیں مطلب یہ کہ اگر مخاطب ہم کو  
مستحق مجازی یا مرشد کامل میں تجلیات جمالی باری تعالیٰ کو مشاہدہ کیا ہو اور تو اس ہماری ہمیشہ کے  
فی محبت پینے سے بچ رہے اور نہیں جانتا کہ ہم کیون ہمیشہ عرفان سے سرشار رہتے ہیں۔

چندان بود کرشمہ ناز سہی قدان کا یہ جلوہ سرو صنوبر خرام ما  
ادسوت ناک سہی قد و نکا کرشمہ ناز ہے جب تک کہ ہمارا سرو صنوبر خرام ظاہر نہیں ہوتا  
شمار تو فارغی معشوقین کے نام نہ شیشہ جگمگ اعتبار سے رکھ لیتی ہیں مثلاً سہی قد معشوق کے فتد کی  
تقریب ہو لیکن سہی قد کا لفظ اور سنگا نام ہو گیا اور اس طرح سرو قد اور صنوبر خرام بھی معشوق ہی کو نام  
ہیں یہاں پہلا مصرعہ اسم صفت مجازی محبوب کی واسطے ہوا اور دوسری دونوں نام شاہد حقیقی کیلئے آئے  
ہیں مطلب صرف یہ کہ مجازی معشوق نکا کرشمہ و ناز اور سیوف تک ہے جب تک ہمارا سرو صنوبر خرام  
یعنی محبوب حقیقی نہیں ملتا اور جب وہ مل جائے گا تو پھر ان کی کچھ ضرورت نہ رہے گی گویا عشق مجازی عشق  
حقیقی کی سیڑھی ہے جب بام پر پہنچے تو سیڑھی بیکار ہو گئی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد عشق ثبت است بر جریدہ عالم و وام ما  
وہ ہرگز نہیں مرنے کا جبکہ دل عشق سے زندہ ہو ہماری ہمیشگی دفتر عالم پر ثبت ہے  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا ہے کہ وہ لوگ جو عاشقان کامل ہیں مرتے نہیں ہیں بلکہ اس  
جہان سے دوسری جہان کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں پس خواجہ علیہ الرحمۃ کا یہ مطلب ہے کہ جبکہ  
دل عشق الہی سے زندہ ہو وہ ہرگز نہیں مرنے کا ہماری یعنی عاشقان خدا کی ہمیشگی دفتر عالم پر ثبت  
ہو چکی ہے اس سے حضور سرور کائنات کی اسی قول کی طرف اشارہ ہے۔

مستی چشم شاہد دل بند ما خوش است زاز و سپردہ اند بستی زام ما  
ہماری شاہد دل بند کی آنکہ میں مستی اچھی ہے اسلئے ہماری بستی کی لگام او سکڑ پڑ کی الہی  
شاہد دل بند سے محبوب حقیقی مقصود ہے مطلب یہ کہ ہمارے محبوب کی چشم کو مستی اچھی معلوم ہوتی ہے  
اسی واسطے قضا و قدرت نے ہماری بستی یعنی حالت جذبہ کو اس محبوب کی سپرد کر دیا ہے گویا ہماری بستی  
کی لگام اسی کے ہاتھ میں ہے۔ گویا ہماری بستی اس کی جہان قدرت سے متعلق ہے جس کو دیکھ دیکھ کر یعنی  
مشاہد حقیقی کر کے ہم مست ہادہ معرفت ہوتے ہیں۔

کیونکہ سب چیزوں میں اس کا مظہر ہے اور قاعدہ ہے کہ صنعت کی تعریف سے صانع کی اور ملوک کی تعریف سے مالک کی تعریف مقصود ہو جاتی ہے لہذا خدا ہی واحد کیواسے صیغہ جمع کا استعمال کرنا باطناً صحیح ہے۔ اب دوسری اعتراض کا جواب یہ ہے کہ خدا کا جو بخشنا صرف عمر و زائد کر دینی پر منحصر نہیں ہے فرض کرو کہ کوئی شخص سو برس زندہ رہے اور دوسرا سو برس اگر خدا کو منظور ہو تو دوس برس وادنی زندگی میں اس سے اتنی نیکیاں کروادیتا ہے جو سو برس والے سے نہیں ہو سکتیں۔ نیک عمل کی فوقیت تو خدا ہی دیتا ہے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ بڑے بڑے پارساؤں سے تھوڑے دنوں میں یا چند گھنٹوں میں اتنی ہی نیک کام کرائے کہ جتنی سو برس میں ہو سکتی ہو ان سے عمر کے بخشے سے ہی مقصود ہے کہ وہ بڑے بڑے پارساؤں سے بہت مدت کا کام تو بڑی سی دیر میں کر سکتا ہے اس اعتبار سے کہ یا بخشش سکتا ہے حافظ بخود نہ پوشید این خرقہ می آلود ای شیخ پاکدامن مسند و دار مارا

حافظ بخود بہمی آلود ہزار خود نہیں پہنا ہے " ای پاکدامن شیخ میں مسند و دار رکھ

خرقہ می آلود سے حالت ذوق شوق اور شیخ سے ظاہر پرست مراد ہے لفظ پاکدامن بطور طعن یعنی ای ظاہر بن توجہ ہمارا ایسا حال دیکھتا ہے ہم خود بخود ایسے نہیں ہو رہے بلکہ کوئی اور ہی ہے جس کو عشق نے ہمارا یہ حال کیا ہو تو پاکدامن ہے تو ہلکا ان رنگوں کو کیا جان لہذا ہمیں اپنے طعن و تشنیع مسند و رکھ۔

ساقی بنور بادہ برافروز جام ما  
مطلب بگو کہ کار جهان شد بکام ما

ساقی ہمارا پیالہ شراب کرشنی ہو منور کر  
ای مطلب کہہ کہ ہمارا کام ہو جہان کا کام ہو گیا

پہلے مصرعہ کا صرف اتنا مطلب ہے کہ ای ساقی پیالہ شراب سو بہرہ دے اور ساقی و مطلب سو وہ ہی مشد کامل مراد ہے اور شراب سو شراب معرفت یعنی اتنا مشد کامل ہمارا قلب معرفت کر نور سے منور کر دے دوسری مصرعہ میں نفس الامر کی خوب طلبی ہے کہ جب ہمارا کام ٹھیک ہو گیا تو ہمارے نزدیک دنیا بہان کا کام ٹھیک ہو گیا زمین اپنی کام سے کام پر اسی فکر کی کیا ضرورت۔ یہ خیال سست لوگوں کا ہوتا ہے۔ بانی الفاظ اکید و ستر

الازم و لزوم ہیں۔  
ما در پیالہ عکس رخ یار دین ایم  
ای بخیر ز لذت شرب مدام ما

ہم پیالہ میں رخ یار کا عکس دیکھا ہے  
ای مخاطب تو ہمارا شربت ام کی لذت ہے بخیر



بینی معشوق تینتی کا وصال کب میسر ہوگا۔  
 دریا کی آخری فلک کشتی ہلال  
 ہستند غرق نعمت حاجی قوام ما  
 ہمارے حاجی قوام کی نعمت بن غرق ہیں  
 دریا کی فلک نیلگون اور کشتی ہلال  
 حاجی قوام ایک وزیر کا نام ہے عموماً اسکو بزرگ لوگوں سے دلچسپی رہتی تھی اور انکو بلا کر اپنے یہاں  
 دعوتیں کیا کرتا خصوصاً خواجہ حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ کا بہت ہی معتقد تھا اور ایک بڑی بیحد و استقامت  
 ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ اسکی ساغر میں آسمان اور ماہ ناتمام کا عکس پڑا تو خواجہ صاحب رجب  
 موقع پر شعر تصنیف کیا کہ فلک نیلگون کا ڈبا اور ہلال کی کشتی ہمارے حاجی قوام صاحب کی کشتی  
 غرق رہ رہیں یہ کہ گویا اسکی خوان نعمت کی تعریف ہے جو وہ درویش صفت لوگوں کو واسطے طیار کرتا تھا  
 اور اوپر خالصتاً مخلصانہ لوجہ اللہ دوستی رکھتا تھا۔

حافظ زویدہ دانہ اشک ہے فشان  
 پاشد کہ مرغ وصل کن قصد دام ما  
 ای حافظ آنکہ سے دانہ اشک ہی گرا  
 شاید کہ مرغ وصل جالین آئین کا ارادہ کرے  
 شاعرانہ رعایت آنکہ اور آنسو و پھر دانہ و مرغ اور جال کی ہے مطلب یہ کہ ای حافظ آنکہو سو اشک  
 جاری کر شاید کہ اسی ذریعہ سے وصال محبوب میسر ہو جائے۔

صلح کار کجا و من خراب کجا  
 بین تفاوت رہ از کجاست تا کجا  
 کمان پرہیز گاری اور کمان میں رند خراب  
 دیکھ کہ اس راہ میں کمان پرہیز گمانک فرق ہے  
 یعنی پرہیز گاری تو اسکو واسطے لازم ہے جو رند نہ ہو چونکہ میں رند ہوں مجھ پرہیز گاری کمان ہو سکتی ہے  
 ای مخاطب اس فرق پر غور کر کہ کتنا فرق ہے کمان مست بادہ معرفت اور کمان ایہ مطلب کہ عاشق ہو  
 پرہیز گاری اور تقویٰ سے کیا غرض واضح ہو کہ طاعت اور پرہیز ہے اور معرفت اور ان دونوں میں  
 بڑا فرق ہے چنانچہ ادبی فرق کو حافظ صاحب بیان فرماتے ہیں۔  
 چہ نسبت است برندی صلاح و تقویٰ را  
 صلح و خط کجا نعمت باب کجا  
 رندی پرہیز گاری اور تقویٰ کو کیا نسبت ہے۔ کمان سماع و غطا اور کمان رباب کا نمبر  
 یہ شعر اول شعر کی توضیح ہے۔ اور وہ ہی مطلب ہے جو اوپر بیان ہوا یعنی زاہد اور متقی لوگ و غطا  
 مجلسوں سے موثر ہوتے ہیں اور رند خدا کو مستون کو کسی و غطا نصیحت سے کیا غرض نہ وہ اپنی جگہ باب

۱۱۔ کمان کا غطا اور رباب کا غطا

ترسم کہ صرف نہ روز باز خواست نان حلال شیخ ز آب حرام ما  
 مجھوڑ کر کہ قیامت کے دن غالب نہو جائی شیخ کی خسلال روٹی ہمارے حرام پانی پر  
 صرف کر معنی پڑھتی کرنا یا غالب آنا۔ اور باز خواست سرور محشر اور نان حلال شیخ سے تقویٰ ربائی  
 اور آب حرام سے شراب مراد ہو اور یہ شراب شراب عشق حقیقی کے لئے ہے نان حلال کو مقابلہ  
 میں آب حرام لائی ہیں۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ کمین ہم سے عشق محبوب میں  
 قصور ہو جائیگی وجہ سے زاہد کا اتفاق قیامت کو روز غالب نہو جائی اس صورت میں حلال کا حرام پر  
 غالب ہونا بمعنی نہیں ہوتا لیکن نہر کی ضمیر اس جگہ استہغام کا کام ہی دیکھ رہی ہو اور اصل مطلب  
 یہ ہے کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کمین ایسا نہو کہ قیامت کو دن شیخ کو ربائی تقویٰ سے ہمارا عشق حقیقی سبقت  
 کر جائیگی یا یہ استہغام ہو اور ایسا ہی ہو گا اور لفظ ترسم حقیقت میں انہو واسطہ نہیں ہے بلکہ شیخ کی واسطہ  
 ہو یعنی میں ڈرتا ہوں کہ کمین شیخ کو تقویٰ پر ہمارا عرفان حق غالب نہ آ جاوے۔

اکی باو اگر بگلشن احباب بگذری ز نہار عرضہ وہ برجانان پیام ما  
 اکی صبا اگر تو گلشن احباب میں گذرے تو جانان سے ضرور ہمارا پیام کہیجیو  
 گونام مازیاد و بعد اچہ میرنی خود آید آنکہ یاد نیاری ز نام ما  
 اور کیونکہ ہمارا نام جان بوجہ کی یاد ہو کیونکہ کالتا ہے خود وقت آتا ہے کہ ہمارا نام کی پہلی زہیگی  
 یعنی اکی صبا اگر تو دار بقای میں رہنے والے احباب کو پاس ہو کر گذری تو ان سے ضرور ہمارا پیام کہیو کہ  
 گو تو ہمارا نام کی یاد یعنی ہماری یاد جان بوجہ کی نہیں آتی لیکن وہ وقت ہی دور نہیں ہے کہ سچ مچ  
 ہمارا نام کی باقی زہیگا اور ہم نام سے بعد فنا کے بالکل محروم رہ جائیگو۔ نام تو اویس وقت تک ہے  
 جب تک زندہ ہیں مرنے کے بعد کہاں۔

بگرفت چھو لالہ دم در ہوا کی سرور اکی مرغ نخت کی شومی آخر تو را حما  
 لالہ کی طرح میرا دل ہوا کی عشق میں سر دہوا۔ اے مرغ نصیب تو کب تک ہوسے گا  
 لالہ مشہور ہوں ہو اور کچھ میں سیاہ داغ ہوتا ہے شاعر و نثر نویس لالہ کو جگر میں یہ داغ عشق کو وجہ سے  
 ہو مطلب شعر کا یہ ہے کہ از روی وصال مشوق میں میرا دل بھی لالہ کی طرح عشق کا داغ رکھتا ہے اور مٹندی  
 سائین بہر تائب ہے پس اے مرغ نصیب تو کب تک جال میں پھنسے گا اور کب یاوری کرے گا



اس شعر میں خدا تعالیٰ اور حضور سرور کائنات اور مرشد کامل ان نبیوں میں سے جسکو چاہیں خطاب کر سکتے ہیں  
باقی مطلب صاف محتاج تشریح نہیں۔

قرار خواب حافظ طمع مدارا دوست قرار چیست صبوری کدام خواب کجا  
ای دوست قرار اور نیند کی حافظ سوا امید نہ رکھ قرار کیا صبر کون چیز نہیں کہان  
قاعدہ کلیہ یہ کہ عاشق کو نیند جو راحت کی علامت ہے نہیں آتی اور نہ کہیں چین پڑتا ہے اسبواسطی حافظ صاحب  
فرماؤ ہیں کہ یہ دوست حافظ سوا راحت و اہام کی طمع نہ رکھے اسکو چین نہیں ہے۔ اگر چین پڑے گا تو وصال ہی  
پڑے گا اور صبوریہ کرام وصال موت کو کہتی ہیں۔

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل را بخال ہندوش خشم سمرقند و بخار را  
وہ ترک شیرازی اگر ہمارا دل رکھے تو اسکو خال ہندو کو عیوض سمرقند و بخار اور ڈالوں  
ترک شیرازی یہ معشوق مجازی مراد ہے ترک بہت خوبصورت قوم ہوتی ہے جیسا کہ سعدی صاحب  
فرما گئے ہیں یہ سعدی روز ازل حسن بترکان دادند یعنی خدا نے روز ازل میں خوبصورتی ترک کو تو  
دی ہے۔ خال ہندو صفت بیانیہ ہے شعرا کی فارس تل کو سیاہ نہونکر سبب ہندو سے تشبیہ دیتی ہیں  
اس لفظ سے کہہ سہا ہی کی ہی تعریف نہیں ہوتی بلکہ نافرمانی کیسی خوبی پائی جاتی ہے سمرقند و بخار  
دو بڑے مشہور شہروں کے نام ہیں۔ مجازی مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ترک حسین میرا دل رکھے دے میرا  
کنامان کو تو میں اسکی صرف خال رخ کو اوپر سے دو شہر قربان کر دوں یا بندہ امیں دمی ڈالوں محال  
یہ کہ یہ دونوں مشہور اسکو خال کے معاوضہ کر لائق ہیں کی تو ذکر ہی کیا ہے یہ گویا شاعروں کی نامنا ہی  
بخشش ہے جو عالی از لطیف نہیں حقیقی اعتبار سے ترک شیرازی یعنی محبوب حقیقی آیا ہے اور سمرقند بخار اسے  
وہ دونوں مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ اگر شہر ہندی جیسے اپنی محبت کیلئے قبول فرمائے تو اسکی ذرا سی توجہ  
یا خال برابر لطافت ہے و دونوں جہان کو چھوڑ بیٹھوں اور اسکا ہو رہوں۔

بدہ ساتی می باقی کو جنبت نخواہی است کنار آن کنایا دو گلگشت مصلیٰ را  
اسی سانی شراب باقی ماندہ لاکہ و جنبت میں لکنا آباد گناہ کل کی میرا و عید گاہ کو نہ پاسکر گاہ  
حافظ صاحب کو وطن شہر شیراز میں رکن آباد نام ایک نہر تھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہیں کوئی سیر  
تفریح کی جگہ جسکو گلگشت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے عید گاہ تھی۔ یہ عید گاہ سیر کا مقام رکن آباد کو کہنا ہے

اور بانسلی کی آواز سے سرور اور محفوظ ہوا کرتے ہیں بیاں ایک باجہ کا نام ہے جو ساز کی کی قسم سے ہوتا ہے۔  
 دلم رصومہ گرفت خرقہ سالوس کجا است دیرمغان و شراب ناب کجا  
 میری دل ز عبادت خانہ سے خرقہ مکرو فریب کالیا کمان دیرمغان اور کمان شراب ناب  
 دیرمغان سے مقام زندان اور شراب ناب سے اسرار عشق و محبت مراد ہے یعنی میں نے عبادت خانہ سے مکرو فریب کا  
 سبب لیلیا ہے۔

بشد زیاد خوش یاد روزگار وصال خود آن کرشمہ کجا رفت آن عتاب کجا  
 اوسکی خوش طبعی سے زمانہ وصال کا یاد آگیا خود وہ کرشمہ کیا ہوا اور وہ عتاب کمان ہے  
 یعنی محبوب کی خوش طبعی سے زمانہ وصال کا یاد آگیا اب وہ کرشمہ اور وہ عتاب کمان گویا خوش طبعی کے  
 منافی ہوا کرتے ہیں۔

ز روی دوست دل دشمنان چہ دریا بد چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا  
 چہ دوست سے دشمنوں کو دل کو کیا تاندہ کمان گل شدہ چراغ اور کمان شمع آفتاب  
 دشمنوں کو ناخدا شناس اور دوست سے محبوب حقیقی مقصود ہے مطلب یہ کہ جو لوگ تیرہ دل ہیں  
 اور اسرار معرفت سے تعلق نہیں رکھتا اونکی مثال گل شدہ چراغ کیسی ہے ایسی آدمی چہرہ دوست کے  
 اسطرح فائدہ نہیں اٹھا سکتے کہ جس طرح شمع آفتاب سے خفاش فائدہ نہیں اٹھاتا مردہ چراغ سے  
 وہ تاریک دل مراد ہے جس میں انوار الہی نہ پہنچے ہوں۔

ببین سبب زنجیر زندان کہ چاہ در راہ کجا ہی روی می دل بدین شباب کجا  
 سبب زنجیر زندان کو دیکھ کہ کنواں راستہ میں ہے کمان جاتا ہے ایدل ایسی جلدی کمان کی ہے  
 زندان کو سبب زنجیر زندان کو چاہ سے تشبیہ کی ہے یعنی اگر وہ تو طلب عشق میں ایسی جلدی نہ کر  
 اور دیکھ کہ راستہ میں کنواں ہے اگر جلدی سے آگ کو بڑھنا چاہے گا تو مبادا کنوین میں گر جائے۔  
 معنی یہ کہ دشواریاں ہیں جلدی چلنے سے قدم پھسل جائے گا اور شاید جلدی میں کنوین میں گر پڑے  
 اور منزل مقصود تک نہ پہنچے اس واسطے جلدی کرنا اچھا نہیں ہے۔

چو گل بنیش با خاک آستان شمس کجا رویم بفرما ازین جناب کجا  
 ہماری بنیاد کیلئے تمہاری دلہیز کی خاک میں کماندہ کجا اس جناب سے کمان کو جا کین

مرعش تمام جمال یار مستغنی است  
 آب و خاک خط حاجت و نریار  
 میرزا نفس عشق کی جمال یار پر داس  
 آب اور رنگ اور خال و خلک ہر ذرہ بیکو گشت  
 جس طرح کہ چہرہ کو بناؤ اور سنگھار کیو اسطر آب اور خال خط ضروری ہیں اسطر ح حسن کما عشق ہی ایک  
 قسم کا بناؤ سنگھار ہی یعنی معشوق کا حسن عاشق کو عشق سے دو بالا ہو جاتا ہے مگر جب چہرہ خود خوبصورت  
 ہو تو اسکو سنگھار کی حاجت نہیں ہوتی۔ لہذا حافظ صاحب بطور کسر نفسی فرماتے ہیں کہ شاہ حقیقی کا  
 جمال ہمہ تن تمام عشق کو نیا لون کو بناؤ سر مستغنی ہی یعنی جس طرح کہ عام جنون کو حسن کو عاشق کا عشق  
 بنا دیتا ہے اسطر ہمارا عشق جو ناقص ہے وہ محبوب حقیقی کو جمال کیلئے بڑا ہیرا کیونکہ وہ بڑا ہیرا اور اسکو

جمال لازوال کو کسی عشق کی ضرورت نہیں  
 من از آن حسن روز افزون کہ یوسف و زلیخا  
 میں اس حسن روز افزون کو جو یوسف نے کتنا انا ہا تھا  
 رعایت الفاظ حسن عشق اور یوسف زلیخا کی ظاہر ہی مجازی معنی صاف حقیقی بیہ بین۔ یوسف سر مراد  
 و مطہر اور زلیخا ممکنات مقصود ہیں یعنی عالم عدم میں جب میں نے جلوہ جمال حقیقی کو مختلف  
 اوصاف میں مشاہدہ کیا تو میں سمجھ گیا تھا کہ جیسے روز افزون ہم عاشقوں کو عدم سے وجود میں لایا گیا  
 اور قیخانہ دنیا میں اپنی محنت کا پابند کر کر کر کے گاجنا چہ وہی ہوا اور ہم عدم سے وجود میں مشاہد جمال  
 یار تیغالی کیلئے جو بصورت ممکنات ظہور پذیر ہے پڑے عصمت کی نگاہ میں

حدیث از مطرب می گوید روز دہر گشت جو  
 کہ کس نکشود و نکشاید بکلیت ازین معمار  
 ہات مطربا وری کی کر اور راز دنیا کا مٹے ہونڈ  
 کہ کسی نہ کہولانہ کہول سکتا ہے عقل اس معمار کو  
 مطرب بحق سبحانہ تعالیٰ اور می سر زور مراد ہے حدیث سے وہ عدم مقصود ہے جو روز ازل میں روحانی  
 گرامی ہیں۔ یعنی جب خدا تعالیٰ نے روح کو خطاب کیا کہ الہیت ہو یکم تو روح نے جواب میں قالو علی  
 کہا تھا لہذا خواجہ صاحب اس روز ازل کو عہد کبریاں اشارہ کرتے ہیں کہ جو تعلقات خالق اور مخلوق کو ہیں جو  
 میں مٹ دہونڈو کیونکہ اس عہد کو آج تک کس نے عقل سے حل کیا ہے اور نہ آئندہ کوئی کر سکتا ہے۔

نصیحت کو سن کر جان بیکان دست و اند  
 جو ان سعادتمند سپر و انار  
 اور غریب نصیحت سن کہ جان بیکان دست و اند  
 سعادتمند جو ان ہیر دانا کی نصیحت کو

مرعش تمام جمال یار مستغنی است  
 آب و خاک خط حاجت و نریار  
 میرزا نفس عشق کی جمال یار پر داس  
 آب اور رنگ اور خال و خلک ہر ذرہ بیکو گشت  
 جس طرح کہ چہرہ کو بناؤ اور سنگھار کیو اسطر آب اور خال خط ضروری ہیں اسطر ح حسن کما عشق ہی ایک  
 قسم کا بناؤ سنگھار ہی یعنی معشوق کا حسن عاشق کو عشق سے دو بالا ہو جاتا ہے مگر جب چہرہ خود خوبصورت  
 ہو تو اسکو سنگھار کی حاجت نہیں ہوتی۔ لہذا حافظ صاحب بطور کسر نفسی فرماتے ہیں کہ شاہ حقیقی کا  
 جمال ہمہ تن تمام عشق کو نیا لون کو بناؤ سر مستغنی ہی یعنی جس طرح کہ عام جنون کو حسن کو عاشق کا عشق  
 بنا دیتا ہے اسطر ہمارا عشق جو ناقص ہے وہ محبوب حقیقی کو جمال کیلئے بڑا ہیرا کیونکہ وہ بڑا ہیرا اور اسکو  
 رعایت الفاظ حسن عشق اور یوسف زلیخا کی ظاہر ہی مجازی معنی صاف حقیقی بیہ بین۔ یوسف سر مراد  
 و مطہر اور زلیخا ممکنات مقصود ہیں یعنی عالم عدم میں جب میں نے جلوہ جمال حقیقی کو مختلف  
 اوصاف میں مشاہدہ کیا تو میں سمجھ گیا تھا کہ جیسے روز افزون ہم عاشقوں کو عدم سے وجود میں لایا گیا  
 اور قیخانہ دنیا میں اپنی محنت کا پابند کر کر کر کے گاجنا چہ وہی ہوا اور ہم عدم سے وجود میں مشاہد جمال  
 یار تیغالی کیلئے جو بصورت ممکنات ظہور پذیر ہے پڑے عصمت کی نگاہ میں  
 حدیث از مطرب می گوید روز دہر گشت جو  
 کہ کس نکشود و نکشاید بکلیت ازین معمار  
 ہات مطربا وری کی کر اور راز دنیا کا مٹے ہونڈ  
 کہ کسی نہ کہولانہ کہول سکتا ہے عقل اس معمار کو  
 مطرب بحق سبحانہ تعالیٰ اور می سر زور مراد ہے حدیث سے وہ عدم مقصود ہے جو روز ازل میں روحانی  
 گرامی ہیں۔ یعنی جب خدا تعالیٰ نے روح کو خطاب کیا کہ الہیت ہو یکم تو روح نے جواب میں قالو علی  
 کہا تھا لہذا خواجہ صاحب اس روز ازل کو عہد کبریاں اشارہ کرتے ہیں کہ جو تعلقات خالق اور مخلوق کو ہیں جو  
 میں مٹ دہونڈو کیونکہ اس عہد کو آج تک کس نے عقل سے حل کیا ہے اور نہ آئندہ کوئی کر سکتا ہے۔  
 نصیحت کو سن کر جان بیکان دست و اند  
 جو ان سعادتمند سپر و انار  
 اور غریب نصیحت سن کہ جان بیکان دست و اند  
 سعادتمند جو ان ہیر دانا کی نصیحت کو

پر تھا کہ جہان زندہ ول احباب براؤ سیر تفریح نہ کرے تماشہ کیواسطے جمع ہوا کرتے تھے۔ لہذا حافظ صاحب  
 مجاز میں اس طرف کو اشارہ کرتے ہیں کہ اسی ساقی جو کچھ باقی شراب ہو وہ بھی دیدی اسواسطے کہ  
 جنت میں نہ لکنا آباد کا کنارہ اور مصلیٰ کی سیر و تفریح نہ ٹھیک اور معنوی اعتبار سے ساقی مرشد کامل  
 اور می باقی سے وہ شراب محبت مقصود ہے جو پہلے صوفیان ہم مشرب سے بچ رہی ہو۔ کنار آب  
 رکن آباد اور گلشت مصلیٰ سے چشم گریان اور دل بریان مقصود ہے خلاصہ یہ ہے کہ اسی پر کامل جو کچھ  
 می محبت تیرے پاس بھی رہی ہو وہ سب دیدی اسواسطے کہ جنت میں چشم گریان اور سوختہ دل نہ ہو کوئی  
 نہ ملے گا۔ ہونکہ بہشت میں سب بہشتی ایک حالت ہو گا اسواسطے وہ ان دونوں معنوی نغمی کی گئی ہے۔  
 فغان کین لولیان شمع شیرین کا شہر آشوب چنان بزدل صبر دل کتر کاں ان بخارا  
 فریاد کہ یہ معشوق شمع شیرین شہر و کوثر تباہ کنندہ دل کیون مہر لڑی جاتی ہیں کہ جسیر ترک خان بنگا  
 ترکستان کو رہنما لون میں یہ ایک رسم تھی کہ سال میں ایک دن مقرر کر کے طرح طرح کے کہانے  
 طیار کو جلتے تھے اور بعد طیاری کے اونکو کسی بڑے میدان میں لپکا کر کھد تیرے بعد ازان ایک شخص کے  
 اشارہ دے کر حبس کو وہ اپنا سر دار بناتے اور ان کا نو پیر میٹھا بچا ایک ٹوٹ پڑا تیرا اور لوٹ لپکا کرتے  
 یہ شیعہ لفظ خوان بنگا کی تھی جو عرض کر دی گئی۔ اس شعر میں اوس حسینیہ میلہ عورت کے قصہ  
 کی طرف اشارہ ہے جس کا نام شامخ بنات تھا اوس کا قصہ یوں ہے کہ جوانی کو عالم میں خواجہ صاحب  
 اوپر عاشق ہو گئے تھے اور بہت دنوں تک فراق کی مصائب جیلے تیرے آخر کار بڑی کوششوں اور زہیر و  
 بعد اوس عورت کا دل نرم ہوا اور وہ انکی طرف متوجہ ہو کر وصل پر آمادہ ہو گئی مگر اوس وقت خواجہ  
 صاحب فرما کر کہ دیا کیونکہ اس مجازی عشق نے ان پر حقیقی عشق کا دروازہ کھول دیا تھا اور  
 وہ اب صاحب عرفان ہو گئے تھے۔ لہذا یہ شعر شامخ بنات کو عشق میں تصنیف فرمایا ہے  
 کہ وہ شیرین کا اور شہر آشوب میرے دل سے اس طرح صبر و قرار لیکھی کہ جس طرح ترک خوان بنگا  
 کو لوٹ لپکاتے ہیں۔ علاوہ اس کہ اس شعر کا مطلب اس طرح بھی بیان کر سکتے ہیں فریاد کہ مشتاقان  
 مجازی اون مشاہدات اور تجلیات سے کہ جو تجلیات اسوۃ اللہین میرے دل کو چھین لیکر ہیں  
 اور نہ ہو ایسا ہمیں کر دیا ہے کہ سلوک عشق مشکل معلوم ہو نہ لگا اور صبر دل کیون جاتا رہا کہ جس طرح  
 ترک خوان بنگا کو لوٹ لپکاتے ہیں۔

ظاہری مطلب صاف باطنی یہ ہے کہ جان غریب سے عدم نصیحت گو مراد کسی بی بی اور غریبہ امیران ہماری  
آہ کا تیر آسان ہے بار ہو جاتا ہو تو ہو کوراہ عشق و سلوک سے منع نہ کر اور نہ ہمارا اس معاملہ میں مداخلت  
کیونکہ اگر ہم آہ کریں گے تو وہی ہماری طرح زخمی اور ایدایا ب عشق ہو جائے گا پس مجھ کو اپنی جان پر

رحم کر کے ہمارے آہ سے بچنا چاہئے۔  
 برور میں چاہے خواہم گشت چون حافظیم  
 چوں خراباتی شدای بار طریقت پیرا  
 میخانہ کو دروازہ پرین حافظ کہ طرح مقیم ہوگا  
 ایوا نیت اسلئے کہ خراباتی ہمارا پیر ہوا  
 مجاہزی کمنی ظاہر میں شرح طلب نہیں تحقیق کے اعتبار سے اس غزل کا مطلع و مطلع ہم معنی ہیں۔ کیونکہ بیانہ کو  
 اشارہ عشق حقیقت کی طرف کو ہوا اور لفظ خراباتی سے خرابی اوصاف بشریہ مراد ہے قابل اسکا مشبہ  
 جس سے عمارت غالب ہوگا اور حافظ مشبہ جس سے مقصود طلب نہیں ہوگا یعنی غالب کہتا ہے کہ میں دلی طرح  
 عشق حقیقت کو مقام کو جاؤں۔ کیونکہ میں نے خرابی صفات بشر کو اپنا پیر بنایا ہوا اور معلوم کر لیا ہے  
 کہ صفات بشری کوئی چیز نہیں عارفان کامل اور اوصلمان حق صفات بشری سے علیحدہ ہوئے ہیں  
 کیونکہ اہل معرفت و مقامات کو اور صفات کو جو انسان میں کچھ تعلق نہیں رہتا وہ انہیں آپ کو کافی اللہ  
 کہنے میں اور حق سے مجاہتے ہیں۔

شب از مطرب دل خوش یادوی را	شفیدم نالہ جان سوز نے را
رات مطرب کو کوا کو دل کو خدا خوش رکے	میں فی باسلی کے جان سوز نالہ کو سنا
چنان در جان من سورش اثر کرد	کہ یزوت تدیدم ہا سچ شے را
اوسکو سوز نے میر کو دل میں ایسا اثر کیا	کہ کسی چیز کو میں فی بلا روتے ہوئی ندیکھا

باسلی کی آواز سوز و گداز سے بھری ہوئی ہوتی ہے اور موصفاؤں کو کرام اوسکو نغمہ کو پسند کرنے میں  
 صوفیوں کا باسلی کے نغمہ کو پسند کرنا ہو و لعب پر نبی نہیں ہونا بلکہ وہ اوسکی آواز دل گداز سے  
 اور ہی نتیجہ نکالتے ہیں۔ چنانچہ مولانا روم علیہ الرحمۃ نے اپنی مثنوی کو نو کی ہی بیان شہر مع کیا ہے  
 پہلو شعر میں مطرب سے مرشد کامل مراد ہوا اور نالہ جان سوز باسلی سے وہ حالات معرفت مقصود ہو گئے  
 میں جو مرشد نے ارشاد فرمایا۔ مطلب صرف یہ ہے کہ رات جب مرشد کامل نے اسرار عشق و حقیقت  
 سوز و گداز سے بیان کو تو میری اوپر اور کا ایسا اثر ہوا کہ تمام اعضا جسم آبدیدہ ہو گئی اور کوئی چیز میری



یعنی تیری شمعین دل بین کالونی دروازہ کھل سکنا کی کہ میں ہو کر ہمارا آہ آتش بار اور نالہ شہگیر  
داخل ہوں خلاصہ یہ کہ آہ اور سوز نالہ شہگیر تیری دل کو پاس پہنچیں۔ معنوی مطلب یہ کہ تیری  
دلی صفات مشوقان میں سے ایک صفت ہے مگر بیان صفات خدا تعالیٰ میں ہے صفت تیسویہ  
مراد ہے شب تیری عبارت کیسوقت تیری۔ آہ نالہ سے مقصود عرق حال اشتیاق یعنی او شاد جھینقی  
وقتوں میں سے کوئی وقت ایسا ہوتا ہے (ضرور ہونا ہوگا) کہ جب ہمارا حال اشتیاق تیری کانون کے  
پاس تک پہنچ جاتا ہو۔ اس سے صرف عرض حال و شوق لقاات مقصود ہے۔

مغزل را صیغہ محبت بدم اقتادہ بود زلف بکشادی و باز دست شد مخیر ما  
مغزل کی صیغہ محبت کا شکار دام میں چنسا ہوا تھا تو زلف کھولی اور ہم ہماری ہاتھ شکار کھو گیا  
مطلب یہ کہ ہمارا مرغ دل جو فضا کو عالم قدس کا شہباز تھا صحرائی عدم میں دلجمعی کا شکار کھیلنا کرتا تھا مگر  
جب وہاں سے عالم کثرت میں یعنی دنیا میں آیا تو اس عالم کے حوادث اور پریشانیوں کو سبب  
دلجمعی رفوچکر ہو گئی یعنی دنیا وہ چیز ہے کہ میں حوادث اور آلام کے باعث عدم کی سواطمینان خاطر  
نرہی اور ہم تعینات جو اطمینان کا شکار کیا کرتے تھے خود آلام اور اوہام کا شکار ہو گئے۔ اسکا اصل  
مقصود دنیا کی برائی نہ تھی یا دوسری صرح کا مطلب یوں بیان کر سکتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ توجیب ہو کو  
عالم اطلاق سے عالم شہود میں لایا اور صورت اتحاد کو کثرت و تعدد میں بدلا تو ہماری حالت عالم اطلاق  
تنگنی اور اطمینان خاطر کی جو ہوا چھی طرح نصیب تھی وہ ہماری ہاتھ سے جاتی رہی۔

باد بزرگفت تو آمد شد جهان برین سیاہ نیست سودا و نذر رفت پیش ازین توقیر ما  
جب تیری زلف کو بوالگی تھیان پہر سیاہ ہو گیا تیرا سودا و نذر زلف سے زیادہ ہماری توقیر نہیں ہے  
زلف پر ہوا لگنا یعنی پریشان ہونا اس سے دنیا مراد ہے یعنی جب تیری زلف کو ہوا لگ پریشان کیا تو حکم  
نقدیہ حالت اطلاق پر غالب آیا تو ہم پریشان قوت مشاہدہ اطلاق سے سیاہ ہو گیا دوسری صریح کا  
یہ مطلب ہے کہ تیری زلف کو سودی میں (جس سے دنیا عبارت ہے) اس سے زیادہ کیا میرا اصل توقیر  
و افزونی ہوگی کہ کشاکش دنیا و پریشانی بافیہا میں مبتلا ہو گیا۔

تیرا آہ مار گروں بگذرد جان غمیز رجم کن بر جان خود پرہیز کن از تیر ما  
اگر جان غمیز ہمارا آہ کا تیرا آسمان کو گذرنا ہو کہ انہی جان پر رجم کر کر ہمارے تیر سے بچا رہے

کیکاؤس اور کینخسود و نون پادشاہوں کی سلطنتوں کو جو بہت ہی وسیع تھیں۔ ایک جو کی برابر ہی نہیں رہتا  
 یہ اہل معرفت کی پنچودی کی تعریف ہے کہ وہ شمار میں ایک اور کرور کو برابر اور مقدار میں سلطنتوں  
 کو اور جو کے دائرہ کو مساوی سمجھتے ہیں۔ یعنی او کو نزدیک نہ سمجھتا تھا توڑا ہوتا ہے اور نہ بہت بہت ہی ہوتا  
 صوفی بیا کہ آئینہ صاف است جام را تا بگری صفائی سے لعل فام را  
 اسی صوفی آگہ آئینہ جام صاف ہے تاکہ قومی خوش رنگ کی صفائی دیکھنے لے  
 صوفی بحر صوفی پوش یعنی وہ ظاہری صوفی مراد ہے جس کا لباس قی صوفیوں کا سا ہو مگر دل صاف  
 آئینہ صاف است جام میں اضافت کا بدل واقع ہوا ہے یعنی جام کا صاف آئینہ پس مطلب ہے  
 کہ اسی صوفی پوش صوفی آ اور تو جام کو آئینہ کو دیکھتا کہ بھگو شراب محبت الہی کی صفائی معلوم ہو جائے۔  
 یعنی دیکھ کہ ہماری مرشد کا قلب صاف اور صفائی بخش ہے اور اس کے ساتھ معرفت الہی کی رنگت  
 بھی دیکھ لے کہ وہ کیسے سرخ اور سرخ روی دہندہ ہے پس تو بھی ہمارا طریق اختیار کرنا کہ عشق محبت  
 مرزہ معلوم ہو جائے۔

• راز درون پردہ ز رندان مست پس • کین حال نیست صوفی عالی مقام را  
 پردہ کے اندر کا راز مست زد و نسو پونچہ کہ یہ حال صوفی عالی مقام کا نہیں ہے  
 اس شعر کے معنی میں دو احتمال ہیں۔ اول یہ کہ پردہ کو اندر کار از یعنی راز عشق و محبت نہ دانت  
 اور پنچو دوگون سے پونچہ شاید از خود رنگی میں ظاہر کر دین ورنہ صوفی عالی مقام نہیں بتلا گیا اسو اسطی  
 کہ راز عشق کا عہد افشا عاشقان صادق کے نزدیک جائز نہیں ہے مگر بصورت حال دوم اسکا  
 مطلب یہ بھی سکتا ہے کہ پردہ کو اندر کا بہید یعنی وہ ہی اسرار معرفت شراب معرفت کو مخمور زب دوسے  
 پونچہ کیونکہ اس حال کو ظاہری عالی مقام صوفی یعنی وہ صوفی جو ظاہر بڑا رتبہ رکھتا ہو اور عہد  
 کیا جائے شعر راز الفت کو نہ ہر ایک ہمیشہ کی پونچہ۔ یہ ہمیں کچھ جانتے ہیں یہ ہمیں ہی پونچہ۔ خلاصہ یہ کہ  
 اگر رندا و رنچو دہل معرفت معرفت کے راز کو بتا سکتے ہیں صوفی صاف پوشش اور دنیا کو مرتبہ والی نہیں  
 جانتے وہ پردہ کو اندر دینی راز کیسے بتائیں گے۔

عقا شکار کس نشود دام باز چین کا بجا ہمیشہ باو بدست است دام ہا  
 عقا کسی شو شکار نہیں ہوتا جاں سمیت لے کہ یہاں ہمیشہ جاں کو اتنے میں ہوا ہی ہوتی ہے

قالب کی ایسی نہ تھی کہ روی نہو یقطع کا مصرع اولیٰ دعائیہ سمجھنا چاہیو۔  
 حرفیو بد مر اسانی کہ ہر دم ز زلف فرخ نمودی شمس و دگر را  
 ساقی میری کو حریف تھا کہ ہر وقت زلف اور رخ سو سوچ اور اندھیرا دکھایا  
 ساقی سرکنا یہاں دسی بیان کنندہ اسرار معرفت کی طرف ہو حریف لفظ مشہور۔ دوسرے لفظ وچور کا  
 مخفی ہو اور وچور شب تار کو کہتی ہیں مطلب یہ ہے کہ بیان کنندہ اسرار مذکور کی سوچ کا جلوہ دکھایا  
 اور کہی اندھیری رات کی سی تاریکی ان کی حالات مقام کی تشبیہ و فراغ مقصود ہو سکتی ہیں۔  
 چو شوخ و دید در ساغر سے افروید بجگم ساقی نہ خندہ ہے را  
 جب میرا شوق دکھاتا ساغر میں شرب زیادہ کی مین نے ساقی نہ خندہ ہے سو کہا  
 رہا نید نے مرا از شیر ہستے چو میو دی بی پانی جام سے را  
 تو نے مجھے شیر ہستی سے چھڑا دیا جب پئے در پئے جام شراب پلا کر  
 یعنی جب پیر شد نے مجھ میں ذوق استعداد وصول الی اللہ و شوق حصول فنا فی اللہ کا پایا تو میں تعلیم و  
 سلوک اور معرفت الہی کے متواتر جام بہر بہر کر مجھ کو دی۔ چونکہ میں اپنی زعم میں بہہ سمجھنا تھا کہ مجھ کو معرفت  
 آگئی اور میں خدا رسیدہ لوگوں میں سے ہو گیا یہ بات غرور اور خود پرستی اور علامت شربستی کی تھی  
 میں یہ تمام خیالات میری صفحہ دل سے جام شراب معرفت کو متواتر بہر بہر کر دینے سے محو کر دی یعنی میں  
 سمجھ گیا کہ یہ زعم غلط تھا اور ہستی کی شری جھوٹ گیا۔ یہی ممکن ہے کہ ساقی سے مراد ذات باری تعالیٰ  
 ہو اور مطلب یہ ہو کہ ہر شخص کو بقدر شوق و استعداد کے جام معرفت سے سیراب کیا اور جیسا جب کا  
 ظرف تھا اوسکی وہ عیت میں اوس بقدر رکھ دیا۔

حَمَاكَ اللَّهُ عَنْ شَيْءٍ الْتَوَاتَبَ جَزَاكَ اللَّهُ فِي الْبَلَاءِ أَرَيْتَ خَيْرًا  
 خواہ امت کی شرویں اللہ تعالیٰ تیرا حامی ہو دونوں جہان میں خدا تجھ کو نیک عیوض دے  
 بیشمار دعائیہ کی مطلب صاف توضیح کی ضرورت نہیں۔ مخاطب کا مرشد کامل یا ساقی غم معرفت کو سمجھنا چاہے  
 چو بخود گشت حافظ کے شمارو یک جو ملک کاوس و کر را  
 جب حافظ بخود ہوا تو کب سمجھتا ہے برابر ایک جو ملک کاوس کی بخشش کو  
 یعنی جب حافظ ساقی (مرشد کامل) سے اسرار معرفت الہی سکر خودی سے بخود ہو گیا تو وہ



حضرت ادم بہشت سے نکال جانے پر وہاں کی عیش کے لئے پھینا کر تیر بہشت میں کھائے اور جو کچھ معجز  
چوڑا کی لئے گئے ہیں۔

در بزم و در یکے و قدح و در کش فرو  
یعنی طمع مدار وصال و نام را  
بزم و در بین ایک دو ساغر و اور چلدر  
یعنی وصال دوام کی طمع نکر  
ایک دو قدح سحر اولمہ و دومہ اور مطلب یہ کہ وصال محبوب حقیقی کو لمحہ و لمحہ غنیمت جان اور یہ فکر کر  
کہ محبوب حقیقی کا وصال تھوڑی ہی دیر رہا کیونکہ وصال کا لطف تھوڑی دیر کے لئے اچھا ہوتا ہے  
اور اگر ہمیشہ وصال ہی رہے تو وہ وصال نہیں اور نہ اس میں کچھ لطف آتا ہے۔ گویا اس شعر سے  
وصال کی لذت کو تھوڑی تھوڑی حاصل کرنے سے ہوس دلائی جاتی ہے۔

ایم دل شباب فت بخیدی گلی ز عمر  
پیرانہ سر بکین ہنس رنگت و نام را  
ایم دل جوانی گئی اور تو فدا بلوغ عمر کوئی بھول چکا۔  
بوڑھا ہے میں ہنس رنگ نام کا کر  
مطلب یہ کہ ایم دل تمام جوانی برباد ہو گئی اور تو نے عمر سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا یعنی محبوب حقیقی  
کے وصال کی کچھ فکر نہ کی اب بوڑھا ہے میں بقلے رنگ نام کی ہوس کر کے خدا کی جناب میں  
آہ و زاری کرتا کہ غرت و آبرور بچاؤ اور وہ خطاؤں کو معاف کر دے۔

حافظ مرید جام بست امی صبارو  
وز بندہ بندگی برسان شیخ جام را۔  
ای صبا جام حافظ جام جم کامرید ہے  
اور بندہ کی طرف سے بندگی شیخ جام کو پہنچا  
جام جم کا نسخہ جام سے ہی ہے جس سے جام شراب معرفت مراد ہے اور شیخ جام سے مراد کامل مقصود  
حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ ای صبا تو شیخ جام سے (مرشد کامل سے) بندہ کا سلام کہنا اور کہنا  
کہ حافظ اب جام جم ہے یعنی ساغر معرفت کامرید ہو گیا ہے تاکہ میں اونکی یاد سے گذرون اور یاد سے  
گذرنے کی صورت میں فیضان حقیقت سے خواہ سکون دل میں ہر بہرہ مند ہو جاؤں۔

رونی عید شباب بست و گریب تانزا  
میرند مشردہ گل بلبل خوش الحان را  
رونی شباب کی عید کی ہے باغ کو  
خوشخبری بھول کی پہونچی بلبل خوش الحان کی  
مجازی مطلب یہ کہ باغ میں جوانی کے زمانہ کی رونق ہے یہ خوشخبری بھول کی طرف سے  
بلبل خوش آواز کو پہونچے لطف شاعری اور مراعات گل و بلبل و باغ و بہار کی ظاہر ہیں۔

محققان شریعہ و جہل و اذات پاک حتی سبحانہ تعالیٰ ہر اور باوہست و بدن محاورہ فارسی ہر مقصود نہ برائے نکا۔  
مطلب یہ ہے کہ ذات پاک خداوند کو کسی نے مشاہدہ نہیں کیا پس تو اس فکر میں نہ پڑ کیونکہ عیاشی و شوق  
ذات پاک کو کسی خاص صورت میں نہیں دیکھا ہر اور اگر دیکھا ہے تو غیر ذات کو دیکھا ہے اور وہ اپنی جگہ  
موافق سمجھ گئی ہیں کہ یہ عین ذات ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر طالب تو خدا کو اسکی اصلی صورت سے  
دنیائے میں نہیں دیکھ سکتا وہ عقلا صفت ہے جس نے اسکو واسطے جال پہلایا او سین سوا ہی ہوا اگر کوچہ  
نہ پہنچا اور کما مشاہدہ اسکی منظرات میں موجود ہر اور عاشقان کا مل او نہیں منظرات کو خدا کا جلوہ  
سمجھتے ہیں۔ سلطان العارفین شیخ بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ میں تیس برس وحدانیت میں اور  
تیس ہی برس رعبیت میں، عقل کو روڑ دیا اور کوشش کی کہ کہیں خدا کو دیکھ لوں لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا آخر کار  
جب نگاہ نیک کی اور صبر کیا تو معلوم ہوا کہ جو کچھ میں نے دیکھا تھا وہ میں ہی تھا یعنی جو کچھ میں  
دیکھتا ہوں یہ سب ہی ہر اور اسکی شبلی ہے۔ عین ذات نہیں ہے اسواسطے کہ اسکی ذات پاک  
سب سے مراد منزہ ہے۔

من ان زمان طمع بیدم رعا فیت کا بن ل نہاد و رکف عشقت ز نام را  
میں اوسوقت آرام کی طمع سے جھوٹا جیکہ اس دل کی لگام کو تیر عشق کو ہاتھ میں دیا  
یعنی جسوقت میں نے تجھے لو لگائی اور تیرا عشق کیا اوسوقت سے میں راحت و آرام کو چھوڑ بیٹھا  
ہوں لہذا مجھ آرام کی ضرورت نہیں۔

مارا براستان تو بس حق خدمت است ای خواجہ باز میں بترحم سلام را  
مجھ کو تیری ڈیوڑھی پر صرف خدمت حق ہی ای مالک رحم کی نگاہ سے غلام کو پھر دیکھ سکتے  
مطلب یہ کہ ای مالک مجھ سے اسکی ڈیوڑھی پر پڑے ہی رہی کے اور کوئی خدمت نہوی اور نہ میں اسکی خدمت  
لاؤں نہ پاس حق سے میری حال پر رحم فرما۔ یہ شعر خدا کی جناب میں بطور مناجات و زاری کے ہے  
در عیش نقد کوش کہ چون آنخو زماند آدم بہشت روضہ دار السلام را  
نقد عیش میں کوشش کر کہ جو دانہ پانی زہے جیسے کہ آدم نے بہشت کو چھوڑا  
عیش نقد سے زندگی مراد ہے اور آنخو سے موت دانہ پانی نہا یعنی وقت موت کا آگیا مطلب یہی  
کہ زندگی میں ذکر و فکر کی کوشش کرنے چاہئے اور جب موت آجائگی تو ایسے ہی پچھاگو گا جیسے

کمال کو نہیں پہنچیں گے یعنی اگر انکو عشق بھی ہو گا تو مجازی تک محدود رہے گا حقیقی تک پہنچ

سینکے جو عشق کی ابتلا ہو کر کشتے نوح  
یار مردان خدا کا یار ہو کہ نوح کی کشتی میں

ہست خاکی کہ پانی نوح و طوفان را  
خاک ہو کہ پانی سے طوفان کو نہیں خریدتی

طوفان آنر سے پہلے حضرت جبریل کے کہنے کے موافق نوح علیہ السلام نے کشتی میں کچھ خاک بھی رکھ لی تھی۔ چنانچہ جب طوفان آیا اور سب میں پانی ہی پانی ہو گیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے نماز کی وقت چاہا کہ طوفان کے پانی سے وضو کریں پس اس وقت حکم جناب باری آیا کہ اسے نوح اس پانی سے وضو کر و کیونکہ طوفان کا پانی تمہاری کا پانی ہے تم وضو کی بجائے مٹی سے تیمم کر لو لہذا جب ہی تیمم کا طریق جاری ہوا ہے۔ یہ شریح تو الفاظ کشتی و نوح خاک اور طوفان کی تھی کہ تمام لفظ جو طوفان نوح سے متعلق ہیں اس شعر میں جمع کر دئے گئے ہیں اب معنی لیجئے کہ مردان خدا سے کالمین لوگ اور نوح کی کشتی سے اہل اللہ کا وجود مراد ہے۔ طوفان سے مقصود حوادث دنیا میں اور مطلب یہ ہے کہ تو مردان کا دوست بن یعنی اونکی صحبت میں رہ اونکی خاک (وجود) وہ خاک ہو کہ جو نوح کی کشتی میں تھی اور جو اپنی اعلیٰ رتبہ کی سبب اپنی واسطے تھوڑے

پانی کے عیوض میں تمام نوح کے طوفان کو نہیں خریدتی اسد طرح عارفان کامل کا وجود تھوڑا ہی ماہم و عانی مقابلہ میں تھوڑی خاک سے بھی تمام سامان (طوفان) دنیا کو نہیں بول لیں گے۔

برواز خانہ گردون بدر و نان مطلب کین سیہ کاسہ و را خراب شد مہما را  
خانہ گردونی باہر جا اور روئی مست مانگ کہ نہ خیل آخر کار مہمان کو مار ڈالتا ہو

خانہ گردونی دنیا کی طرف اور مہمان سے اہل دنیا کی طرف اشارہ ہو سیاہ کا نہ معنی خیل ہو جیسا کہ ہمنے ترجمہ کیا ہے یہ لفظ دنیا کی صفت میں لائے ہیں مطلب یہ ہے کہ اسی طالب دنیا کو با تو دنیا میں بطور مہمان کے آیا ہے۔ مگر یہ میزبان بجائے اسکے کہ اپنے مہمان کی خاطر کرے اسکو فنا کر دیتا ہے لہذا تو اس خیل سے اپنی خاطر کی امید نہ کر کہ اور اسکا طالب نہ بن کیونکہ نتیجہ میں یہ بھوکا مار ڈالے گا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اہل دنیا تو دنیا کو ترک کر دیں تو مارک دنیا ہو جاوے نہ اس سے سوائے فنا کو اور کچھ حاصل نہ کر سکیگا اور اگر عشق و محبت میں عرفان کا درجہ حاصل کر لگا تو فنا فی الدنیا سے کلکرتا بال اللہ کرے تک پہنچ سکتا ہے۔

مگر حقیقی اعتبار سے رونق عہد شباب کتنا یہ ہے وجود سالک کی طرف کو اور بہتان ہی پر مرشد کی مجلس مراد ہے۔ گل سے تجلیات اور بلبل سے طبع عاشق مقصود ہے مطلب یہ کہ وجود سالک کا دم مرشد کامل کی بزم میں غنیمت ہے یہ بشارت عاشقوں کو گل نے یعنی تجلیات انوار مرشد کامل نے دی ہے پس اسی خوشخبری سے بہت سے طالب فیض کی واسطے جمع ہو گئے ہیں۔

ایو صبا اگر جو انان چمن باز رسی خدمت ما برسان سرو گل وریحان را  
ایو صبا اگر تو جو انان چمن کے پاس پہنچے تو گل وریحان سے ہماری دعا کہدینا  
جو انان چمن سے مرشد کامل کے مرید اور خدمت ماسی ہماری دعا یا سلام عبارت ہو گل وریحان سے  
پھر وہ ہی مرشد کامل کے مرید یا شاگرد مقصود ہیں اور مطلب صاف ہے کہ ایو صبا جب تو جو انان  
چمن یعنی مرشد کے مریدوں کے پاس جاوے تو ہماری دعا اور سلام و نیاز کہدینا ممکن ہے  
کہ جو انان چمن سے گذشتگان سلف مقصود ہوں تو یہ فریبی صحیح ہوگا۔

ایو کہ بر مہ کشتی از عنبر سار اچو گان مضطرب حال گردان بن سرگردان را  
ایو کہ موندہ پر تو زلف سیاہ ڈالتا ہے بھدہ سرگردان کو مضطرب و پریشان مت کر  
ظاہر ہی مطلب صاف ہے باطنی یہ کہ ایو شاہد حقیقی تو انہو جمال پر زلف سیاہ ہیں سرگردانی  
دنیا میں نڈال یعنی اپنی معرفت حاصل کر کے بھکسو اور انہو کسی اور شے کا خیال مت کر  
نہلا صہ یہ کہ جب عاشق کسی اور کا خیال کرے گا تو گویا محبوب حقیقی نے انہو جلوہ پر اس کے واسطے  
زلف ڈال لی یعنی اس کو جلوہ رخ دیکھنے سے باز رکھا۔

ترسم آن قوم کہ بر دہد و کشان میخزند در سر کار خرابات کنند ایمان را  
میں ان لوگوں کو ڈرتا ہوں کہ جو دردمند و بیمار ہیں خراب کام میں ایمان کو برباد کرتے ہیں  
درد کشان سے عاشقان الہی مراد ہیں یعنی میں ڈرتا ہوں کہ یہ مہنڈ و اسے انکار کر نیکی سمجھتا ہے  
بات نہ دہو مہین۔ یہ شعر اس حدیث کے تلخیص ہے جو غیر خدا کے دوسروں پر مہینے والوں کی واسطے  
بیان فرمائی وہ یہ ہے۔ و هو من غلب الخیہ لم یعت حق و وقع فیہ۔ یعنی جو شخص کہ اپنی بہلی پر  
غیب لگا کر وہ اس وقت تک نہیں مریگا جب تک کہ اس غیب میں خود ہی گرفتار نہ ہو جائے گا  
نہذا جو لوگ کہ ہمیشہ مستور ہیں وہ گویا عشق الہی کو غیب سمجھتے ہیں وہ خود اگر اس میں گرفتار ہو جائیں تو

در سر زلف ندانم کہ چه سودا داری کہ ہم بزودہ کیسو مشک افشاں را  
 خیال زلف من نہیں جانتا ہوں کہ تو کیا سودا کرتا کہ باہم کہو لہ یا کیسو مشک افشاں کو  
 سر زلف احکام کثرت تعینات ہر ہم ردی معنی پشیمان کردن۔ کامل مشک افشاں کو اشارہ زلف کی طرف جس سے مقصود ہی تعینات  
 یعنی جو محبوب میں نہیں جانتا کہ تو اس کثرت تعینات میں کیا خیال کرتا ہو کہ اس احکام کثرت کو ہم پر غالب کیا اور میں منسوب کر اس کی شہادت دے  
 ملک زادگی و کینج قناعت گنجیست کہ بشمشیر منبیسر نشود سلطان را  
 ہزادگی ملک اور گوشہ قناعت خزانہ ہر کہ بادشاہ کو تلوار سے نصیب نہیں ہو سکتا  
 یہ درویشی کا افتخار ہے کہ آزادی ہمارا ملک ہے اور گوشہ قناعت خزانہ یہ وہ دولت ہے کہ بادشاہ کو  
 تلوار کو زور سے ہی منبیسر نہیں آسکتی خلاصہ یہ کہ ہم حالت فقیری میں ہی بادشاہی سے بڑھی  
 ہوئی ہیں اور جو دولت فقیری میں حاصل ہو وہ بادشاہ کو نہیں۔  
 حافظ امی خور و زیدی کو خوش باش و دامت زور یکن چون و گران قرآن را  
 اے حافظ شرب پیستی کو خوش رہ۔ لیکن قرآن کو دور و نکی طرح مکر کا جال نہ بنا  
 می سے می محبت آئی اور زندی سے کمال اسرار کا پوشیدہ رکھنا مراد ہے خوش باش یعنی مرغان مرغ  
 و گران سے خطاب ہر پشتون کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ کہ اے حافظ عشق آئی کر اسرار حقیقی کو چھپا  
 اور شعبہ جو خواہی کہ آسودہ گردی زر رنج کسی را مرغان و از کس مرغ پر عمل کر اور اون لوگوں کی  
 طرح جو خطاب میں قرآن پر تہجو۔ اور اس کے معنی بیان کرنے پھر تے ہیں مگر باطن میں اونہوں تو قرآن کو  
 انہی مکر و فریب کا جال بنا رکھا ہے۔ لوگوں کی غیبتیں کر کے قرآن کو ہی حکم کے مطابق انہی پر اور ان  
 اسلام کا گوشت کھاتے ہیں تو قرآن کو مکر کا جال بہت بنا اور کسی کی ایذا دہی اور عیب فاشی میں کوشش  
 نکر۔ بزرگان سلف میں بھی ایک صاحب فراتے ہیں کہ و گران ایک ظہار کا نام ہے اور اس کو پر و پزیر  
 قرآن شریف لکھا ہوتا ہے باوجود اس تقدس اور تبرک کہ و گران کی خوراک آدمی کا گوشت ہے پس  
 یہاں دوسری مصحف میں و گران سے وہ ہی مردم خوار پر مقصود ہے جو قرآن کا جامہ پہن کر آدمی کا  
 گوشت کھایا کرتا ہے۔ ہمارے خیال میں اگر کوئی ایسا پرند ہے تو اس سے بہتر اس موقع پر اور کوئی  
 فریضہ نہیں ہو سکتا کیونکہ حسب عادت خواجہ صاحب و گران کو پرند یا نر کی حالت میں دہم کی دعا بت لکھی  
 کیا عجب ہے کہ او کو خیال میں ہی کوئی ایسا مردم خوار پرند دنیا پر ہو۔



گر نہیں جلوہ کند منجھ باده فروش      خاکروب در میخانہ کخم مرثگان را  
اگر باده فروش منجھ ایسے ہی جلوہ دکھائی      در میخانہ کو مرثگان سے جہاڑو دون  
منجھ سے مراد وہ مشاہدہ جمال ہی جو کہ سالک کا دل لیجاتا ہے اور میخانہ سے کنایہ عشق و محبت  
کی طرف ہی یعنی اگر مشاہدہ تجلیات الہی جلوہ گری کرتا ہے تو میں انہی پلکوں سے صحن عشق و محبت  
میں جب اڑوون۔ یعنی اتنا روون کہ میرا عشق تمام کثافتوں اور براہوں کو پاک و صاف  
ہو جائیگا اور پوری درجہ تک پہنچے۔

نشوی واقف یک نکتہ ز اسرار وجود      گر تو گزشتہ شوی دائرہ اسکا ترا  
اسرار وجود کو ایک نکتہ سے واقف نہو      اگر تو تمام دائرہ امکان میں سرگردان پیری  
یعنی اگر تو تمام دائرہ امکان میں ہی سرگردان و پریشان پیرے تو ہی اسرار وجود ممکنات سے  
کہ جو حق تعالیٰ نے او میں رکھا ہے نہیں معلوم کر سکتا۔ خلاصہ یہ کہ انسان کو اسرار وجود ممکنات  
معلوم ہو جانا قطعی غیر ممکن ہے چاہے وہ کتنی ہی کوشش کرے۔

ہر کر خواہیگہ آخسر بد و شتی خاکست      گو چہ حاجت کہ برافلاک کشی ایوان را  
جس کیل خواب گاہ آفرکار ایک مشت خاک ہے      کہو کیا حاجت ہے کہ تو اپرا یوان کو آسمان بلند کرتا  
ایک مشت خاک کی قبر اور ایوان کو آسمان تک بلند کرنے سے مرتبہ عالی پر پہنچنا مراد ہے۔ یعنی جس  
انسان کو آرام کی جگہ صرف دوشٹ خاک ہو اس سے کہو کہ تو اپر مرتبہ کی بلندی آسمان تک  
کیون پہنچانا چاہتا ہے۔ کیونکہ دنیا نا پائدار چیز ہے اور میں تھوڑی سی زندگی کی واسطے بہت سا  
سامان مت کر حاصل اسکا تحریک ترک دنیا ہے۔

ماہ کنعان من مسند مصر آن تو شد      وقت آنست کہ پیر و کنی زندان را  
میرزاہ کنعان مسند مصر کی تیری سلطنت ہوئی      وقت اسکا ہے کہ تو زندان کو رخصت کر دے  
ماہ کنعان یوسف علیہ السلام کو کہتے ہیں اور اسی رعایت سے مصر زندان کے الفاظ ملائے ہیں  
مگر بیان یوسف کی روح اور مصر سے عالم ارواح مراد ہے مطلب یہ کہ اسی روح تو درجہ  
کمال پر پہنچے گی یعنی پھر عالم ارواح میں جا لی پس اب وقت اسکا ہے کہ زندان بن یا قید خانہ دنیا سے  
رخصت ہو جائے۔ اسکی لذتوں کو فراموش کر دے۔



عذار بر فروزی کے معنی جلال کی تجلی ظاہر ہو رہی ہیں یعنی انسان کو عدم سے ملے وجود میں لاکر بشمار  
مشاہدات سے اپنی جہاں کو مشہود فرمایا پس جو اس سے کیا فائدہ ہو کہ کسی کے پرواہ نہیں کرتا صورت  
دکھا کر بے اعتنائی کرنا عاشقوں کو شکایت کا موقع دینا ہوتا ہے لہذا وہ یہی شکایت بیان ہی ہے  
اور محبوب کی بڑبڑائی کو ظاہر کیا گیا ہے۔

مژہ سیاہنت ارگردن خون ما اشارت ز فریب او بندیش غلط کن نگارا  
تیری مژگان سیاہ فوج ہمارے قتل کا اشارہ کیا ہے اور فریب سے ڈرا داری محبوب غلطی نکرے  
مجازی مطلب یہ ہے کہ اگر محبوب تیری مژگان نے ہمارے قتل کی طرف اشارہ کیا ہو تو اس کو  
فریب میں نہ آ کیونکہ ہم بے قصور ہیں اور بے قصور و نکات قتل کرنا سراسر غلطی اور گناہ ہے معنوی  
استہارہ مژگان سیاہ سے مراد دنیا ہے اور دنیا کو دونوں باعتبار ظلمت کو سیاہ ہے یعنی جو کوئی اس  
دنیا میں آیا ہو وہ فنا ہو نیکو آیا ہو بموجب حکم قرآن کریم کل من علیہا فان یعنی جہت بک ذوالجلال  
والاکرام۔ اور مطلب یہ ہے کہ گو دنیا نے بوجہ ظلمت و غفلت اور کثرتِ لام کے ہمارے  
قتل کی طرف جس سے فنامراد ہوا اشارہ کیا ہو لیکن اگر ہم تیری عشق و محبت میں فنا ہو جائیں تو بعت  
باللہ حاصل ہو گا چونکہ ہم تیری عاشق ہیں اسلئے دنیا کو فریب سے اندیشہ کرنا یہ کہ وہ ہمیں ہی عام آدمیوں  
کی طرح مار ڈالے اور طبعی معرفت کا ذائقہ چکھا دی پس اس میں غلطی نہ کر اور ہمیں اپنی عشق میں فنا کر کے  
بقائے ابدی عنایت فرما۔ فائدہ اندیشہ یا غلطی کرنا یہ دونوں صفتیں آدمی کی ہیں خدا کی نہیں  
کیونکہ خدا ہر اندیشہ اور غلطی سے پاک ہے مگر چونکہ ایسے اشعار کو مجازی اور حقیقی دونوں معنی لہو بہار ہیں  
اور عارف لوگ اپنی ظاہری اصطلاح میں باطنی نکات رکھتے ہیں پس اس لحاظ سے یہ دونوں صفتیں  
جو خدا کو واسطے آدمی میں قابل اعتراض نہ ہوں گی۔

ہم شب درین امیدم کہ نسیم ضج گاہی بہ پیام آشنائی نواز و آشنائ را  
میں تمام رات میں امید میں رہا کہ صبح کی نسیم آشنائی کو سرفراز کرے۔  
تمام شب سے تمام ایام عمر جتنا انتظار ہوتا ہے اور نسیم ضج گاہی سے حیات دنیا مقصود ہے یہ پیام ہے  
وہ پیام مراد ہے جو فرشتہ موت طالب کی طرف سے مطلوب کر پاس پہونچاتا ہے۔ دوسری مصرع میں  
اول آشنائ سے رب العزت اور دوسری آشنائی عاشق کامل عبارت ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ

بہلا زمان سلطان کہ رساند این دعا را کہ بشکر بادشاہی ز نظر مران گذارا  
 سلطان کو نور و نین سواس عالو کون پہونجائی کہ بادشاہی کو شکر یہ مین فقیر سے آنکہہ پہورا  
 ملا زمان سلطان سے برادران ہم مشرب اور سلطان سے مرشد کامل مراد ہی۔ اپنی مطلب صلیت ہی  
 کہ مرشد کامل کو مریدوں میں سے کون ایسا ہو کہ ہمہ ہما لکھدا او سکر کا نون تک پہونجادی تو انہی مرتبہ  
 شکر یہ مین جن ہی مقامات مقصود ہیں مجبہ فقیر سے آنکہہ نہ پیر اور میری اور نظر عنایت فرما یعنی می محبت  
 سیراب کر۔

ہیہ قیامت جانان کہ بعاشقان موعدی رخ پہو ماہ تابان دل پہو سنگھارا  
 ای محبوب کیا قیامت ہو کہ تو فی عاشقون کو رخ چاند روشن کی طرح اور دلاظرہ کی مانند دکھلاوا  
 جانان کو جو مطلق مراد ہی ماہ تابان باعتبار بہ تو حسن و ذات کو لائی مین دل سخت تہر کی طرح عام  
 طور پر عشقون کے دل کو سختی مین تہر سے تشبیہ دیا کرتے ہیں یعنی محبوب کا دل ہماری طرف سے  
 سخت ہو۔ گویا دل کا سخت ہونا معشوق کی صفت ہوتی ہے اور نہ جان جب جانان کو جو مطلق  
 مراد ہیں تو سخت دل سے اسکی بے نیازی مقصود ہوگی۔ مطلب یہ کہ ای محبوب حقیقی نہ نے  
 کیا قیامت کی کہ رخ روشن دکھلا کر اور جمال کے شیدا ہوں کو اپنا شیدا بنا کر بے اعتنائی  
 اختیار کی یعنی عین حالت وصل مین اپنی بے نیازی سے بلائی ہجر مین گرفتار کر لیا۔

زرقب دیو سیرت بنجا ہمی پنہام مگر آن شہاب ثاقب دی کند شہارا  
 بنجا مین دشمن دیو سیرت سی پناہ دھونڈتہا ہون النہ اگر وہ روشن ستارہ شہاکی مدد کرے  
 رقب سی نفس امارہ مقصود ہے۔ دیو یعنی شیطان دیو سیرت یا شیطان صفت نفس امارہ کیواسطے  
 ہوتا ہے کیونکہ جس طرح شیطان کا کام و غلامی کا ہے نفس امارہ ہی انسان کو ہمیشہ بہکاتا رہتا ہے  
 ہی پنہام یعنی پناہ دھونڈتہا ہون شہاب ثاقب بڑا اور روشن تارا۔ شہا ایک بہت ہی چوڑی  
 ستارہ کا نام ہے مطلب یہ کہ مین شیطان سیرت نفس امارہ سے پناہ دھونڈتہا ہون مجھ کو اس  
 پناہ مل سکتی ہے اگر یہ طریقت جو مرتبہ معرفت مین شہاب ثاقب کی طرح روشن ہے مجبہ ناچیز شہاکی مدد کرے۔  
 دل عالمی بسوزی چو غدار پر فروز تو ازین چہ سود داری کہ نمکینی مدارا  
 ایک عالم کا دل جلا یا جبکہ تو زخسار کو چمکایا تجھ اس سے کیا فائدہ کہ تو اضع نہیں کرتا

مراد حسن گل کی صفیت ہے کہ اگر مرشد گویا تو گل کی مانند صاحب حسن ہے اور جمال بالکمال رکھتا ہے بلبل شیدا  
سما اشارہ ہے طالب بزرگ کی طرف یعنی اگر مرشد کامل تیری بزرگوای نے جو جمال بالکمال کا خاصہ ہے  
شاید اس بات کی اجازت تجھ پر کہ طالب بزرگ کی ہی حال پر ملال کو پونہ پتا یہ شعر پہلے شعر کا  
مراد ہے اور غرور کا نسخہ عروس ہی ہے۔ اگر عروس حسن کو اعتبار سے مطلب بیان کر چکے  
تو یہ ہو گا کہ شاید ہمارے عروس یعنی تیری بزرگوای نے حال پوچھنے کی اجازت نہ دی۔

بحسن خلق تو ان کو دھندلاہل نظر بے بند دام گیرند مرغ و انار  
خلق کی خوبی سے اہل نظر کو شکار کیا جاسکتا ہے چالاک پرند کو ہند کر اور جمال سے نہیں پرند  
اہل نظر سہوہ لوگ مراد ہیں جو طالب محبت ہوں اور مرغ و انار اطنی ہوشیار طلب یہ ہے کہ ہوشیار  
عاشق خلق و مروت کو سبب ام عشق میں پہنچے تہیہ میں ورنہ یہ وہ چالاک پرند ہیں کہ جان باندھ  
میں جس سے دام دنیا و بند حرص مراد ہے نہیں بھٹس سکتے۔

چو با صید ب نشینی و بان پیمائی بیا و آرخسریان با و پیما را  
اگر تو دوست کے ساتھ بیٹھ کر شراب وڑائی تو حیران و سرگردان ہو کر اور حریفوں کو بھی یاد کیجو  
صیب سے مراد صیب خدام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور نشینی سے مرشد کی طرف خطاب ہے یا وہ  
پیمائی شراب نوشی جس سے حصول فیض مقصود ہے مطلب یہ کہ اگر مرشد کامل جب توصیف حق کی  
صحبت میں ہو چکر حصول فیض کری تو ہم سرگردان و حیران ہونے والے طالبان حقیقت کو مستعمل  
جانیو بلکہ ضرور یاد کیجو۔

ندانم از صیب بنگ آشنائی نیست سہی قدان سہی چشم ماہ سہارا  
نہیں معلوم کہ کس صیب سے عادت رستی کی ہو سہی و تہا سہی چشم ماہ جینوں کو  
دوسری مصرعہ کہ جینوں معشوقوں کی میں۔ اور ظاہر میں معنی کے اعتبار سے اس شعر میں  
معشوقان محارب سے محبت کر چکی مبالغت کی گئی ہے یعنی یہ بات نہیں معلوم ہوئی کہ سہی قدان  
اور چشمیہوں اور جینوں کو وفا کی عادت کیوں نہیں ہے۔ باطنی معنی کہ خیال سے ایک شاعر کا قول ہے  
کہ سہی قدان سے بغیر ان صلوات اللہ علیہم اجمعین مراد ہیں۔ جو باغ شرع کی سر و سہی قدان ہو تو ہیں بس  
حافظ صاحبالت بقراری میں فرمادیں نہیں معلوم کہ ان سے قد و نکو عاشقان بن کر یوں فائین ہوتے ہوئے ہو کر کیوں

میں تمام عمر اس بات کا منتظر رہا کہ ملک الموت محبوب کا پیغام مہمہ محب کو کب پہنچا کر اور ازراہ نوازش و کرم کب مجھ کو اس کشاکش دنیا سے چھڑا دیگا۔

بخدا کہ جرحہ وہ تو بہ حافظ سحر خیز کہ دعا کی صیغہ گاہی اثر ہی نہ کند شمارا  
خدا کیلئے تو صبح کو اوٹھو اور حافظ کو ایک گھنٹہ دے کہ صبح کی دعائیں ہمارے واسطے اثر کریں  
جو یہ کہ معنی ہی محبت کے لئے جائیں گے۔ اس شعر میں مرشد کامل سے خطاب ہے کہ تو صبح کو اوٹھنے والے  
سینے زیادہ شائقِ حافظ کو می محبت کا کوئی گھنٹہ دے کیونکہ جب تشنہ کو سیرابی ہوگی تو وہ تیرے  
حق میں دعا کرے گا اور چونکہ صبح کی دعا از بس قبول ہوتی ہے اس اعتبار سے حافظ سحر خیز کی دعا جو وہ  
تو دل سے تیرے اعلیٰ مراتب کو واسطے کرے گا ضرور موثر ہوگی اور بیکار نہ جائیگی۔

صبا بلطف بگو آن غزال رعنا را کہ سر کوہ و بیابان تو دادہ مارا  
صبا اوس غزال رعنا سے بہ نرمی کہو کہ تو نے ہمارے کوہ و بیابان میں سر اڑا دیا  
صبا مشہور غزال رعنا سے مرشد کامل یا سردار انبیاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں مراد ہو سکتی ہیں  
کوہ و بیابان میں سردی یا معنی محنت اور استقلال کے موقعوں پر ثابت قدم رہنا۔ یعنی اے  
عاشقانِ خدا تم نے اپنی پیروی ان کو یہودی عقیدے کے واسطے بڑی بڑی محنتیں کیں اور مشکل مشکل  
موقعوں پر اپنی استقلال سے ثابت قدمان دکھلا دیں۔

شکر فروش کہ عمرش دراز باد چرا تفقد نکند طوطی شکر خارا  
اے شکر فروش تیری عمر دراز ہو کہ واسطے ہر بانی نہیں کرتا بہ طوطی شکر خور پر  
شکر سے شہر نبی معرفت اور شکر فروش ہی مرشد کامل مراد ہے۔ طوطی شکر خا معنی طالب معرفت مطلب  
ہے کہ اے مرشد کامل تیری عمر دراز ہو تو کہ واسطے طالب معرفت کی طرف جلد توجہ نہیں ہوتا اور  
اوسکو مراد نک نہیں پہنچا دیتا گویا مرشد اپنی مرشد سے استفسار کرتا ہے کہ اس میں کیا بہید ہے  
جو تو جلد تر بے دولت عرفان ہوا لا ناں نہیں کر دیتا۔

غور حسن اجازت مگر نہ آدمی گل کہ شہر بگیتی عند لیب شیدا را  
اے گل نہاید تجھ غور حسن نے اجازت نہ دی کہ لیب شیدا کی پیش احوال کرتا  
حسن غور اور گل دلیل کہ شاعر اندر رعایتیں ظاہر ہیں۔ گل مرشد کامل اور غور سے بے پروائی

ماتلون سوال دنیا مقصود میں یعنی اگر یہ ہمارا عشق ظاہر نہیں کرنا دیکھ بدنامی کی بات ہو مگر ہم  
کہ عشق کے دیوانے ہیں ہمیں تنگ و نام سے کچھ غرض نہیں۔ اور ہم اسی بدنامی کو یعنی عشق  
اچھا جانتے ہیں۔

بادہ و درہ چند ازین بادِ غرور      خاک بر سر نفس نافر جام را  
شراب لایہ بادِ غرور کب تک چلے گی      نامبارک نفس کو سر پر خاک ڈال دے  
بادِ غرور سے زہر و پار سائی اور کئی مستعار مراد ہے۔ اور مطلب یہ کہ اگر مرشد شراب عشق و  
محبت عطا کرے اور کوئی کہ مطلوب کر پاس پہنچون پہ بادِ غرور جو تقاضا نفس ہے کبتاک رہے گا اور کبتاک  
اس مستعار زندگی میں جو نگاہ اس نفس نافر جام کو سر پر خاک تو مجھے شراب محبت دے۔

دود آہ سینہ سوزان من      سوخت این افسردگان خام را  
میری آہ سینہ سوز کر دہوئیں نے      ان افسردگان خام کو جلا دیا  
افسردگان خام سے ریاکار یا خام خیال بوالہوس مراد ہیں مطلب یہ کہ میں جو عشق محبت میں  
محو تھا میری تقریر نے خام خیال لوگوں کو گھٹا دیا اور وہ اس کا کوئی جواب نہ دیکے۔  
یگو یا بختگی قسمت اور سچی عشق کا اظہار ہے۔

محرم راز دل شیدا من      کس نمی بینم ز خاص و عام را  
انہی دل شیدا کا محرم راز      میں خاص و عام میں سے کسی کو نہیں دیکھتا

مطلب صاف ہے تشریح طلب نہیں۔ یعنی خاص و عام میں سے کوئی شخص ہی ایسا نہیں ہے  
جو میری دل کا بہید جانتا ہو اس واسطے کہ عاشق کو دل کا بہید وہی خوب سمجھتا ہے کہ جسکو عشق  
کی چوٹ لگی ہو شعلیں ہو تو سو نفس سر کو سمجھے۔ جس دلیں نہ ہو زرد وہ کیا درد کو سمجھے۔  
بادلارامی مرا خاطر خوشست      کہ تو لم یک بار برد آرا من را  
اوس دل آرام کیساتھ میرا دل خوش ہے      جو کہ میری دل سے یکبارگی آرام لیگا

دل آرام سے کنایہ محبوب حقیقی کی طرف ہے اور مطلب یہ کہ میرا دل اوسیکو دہیان میں خوش ہے  
کہ عنایتی انوار تجلی کی ایک جہلک دکھا کر بے قرار کر دیا۔ اور میری دل سے آرام و چین لیلیا ہی یعنی  
میں اوسے خوش ہوں اور سبکی ضرورت نہیں۔

خزان قدر تو انکشت و جمال تو عیب کہ خال مہر و وفا نیست روی زیارا  
سوا اسقدر عیب کہ تیر حسن بن عیب بن تلبایا جنگستا کہ مہر و وفا کا خال روی زیار نہیں ہے  
یعنی اگر محبوب تیر حسن سب طرح کو عیب سے پاک صاف ہو یا ان اوسمین اگر کوئی عیب ہو تو صرف یہ ہے کہ  
مہر و وفا کا تل روی زیار نہیں۔ وفا اوسکو کہتے ہیں کہ کار و بار معشوق کا عاشق کے موافق ہو  
پس یہاں وفا سے یہی مطلب ہو گا۔ اور عاشق اسی کا شاکی ہی ہے۔

در آسمان چہ عجب گرز گشتہ حافظ سماع زہرہ برقص آنور و سجلا  
کیا عجب ہو کہ حافظ کو کلام سے آسمان پر زہرہ کا راگ سجا کو رقص میں لاوے  
خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ حافظ کا کلام ایسا موثر ہے کہ اگر آسمان پر زہرہ غزلون کو کاوی تو سبھاچی  
چوتھو آسمان پر بہن خوش و خرم ہو جاوین۔ یہاں رقص کو معنی خوشی و انبساط کو کہیں نہ تدرج کے  
ساقیا بخیر زور و درہبام را خاک بر سر کن غم ایام را  
اگر ساقی اونٹہ جام شراب دے غم دنیا کے سر پر خاک ڈال  
ساتی سے مرشد اور جام سوزہ ہی جام شراب معرفت مراد ہے۔ غم ایام سرکشش دنیا و فکر یا فہما  
مقصود مانی مطلب صاف ہے۔

ساغری در کفم نہ تاز سر بر شمع این دل ازرق فام را  
شراب کا پیالہ ہاتھ میں نہ تاز کہ سب سے اوتار ڈالوں اس جہہ خاکی رنگ کو  
ساغری سے پیغام وصال یا موت مراد ہے۔ اور دل ازرق فام سے کنایہ غالب غصہ کی طرف ہے  
جو کہ روح کا لباس ہو اور یہی لباس گویا دولت و شمت ہے یعنی محبوب حقیقی سے عرض کرتے ہیں کہ تو  
پیغام وصال معشوقان جمال کی پائس جلد پہنچاتا کہ یہ لباس جو میری رنج کی ہلاقات کے واسطے  
مسر پہرہ کر ہو اوتار ڈالوں اور تیرے پاس پہنچ جاؤں۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ اسے  
مرشد کامل محبوب شراب محبت کا جام دی یعنی میری دل کو شراب محبت صفا ہلا تاکہ لباس وجود ہستی  
سہارا کو اوتار ڈالوں اور فنا فی اللہ ہو جاؤں۔

گر چہ دنیا نیست نزد عافت لمان مانیخواہیم تنگ و نام را  
اگر چہ نفلون کی زد یک بدنامی ہو مگر ہم تنگ و نام کو نہیں چاہتے ہیں



نہیں رہیں گے پس یہ شعر گویا ہر محبوب کو دکھارہا ہے اور حقیقی مطلب اس کا یہ ہے کہ اس پر ہم ہمارے جان و دین چونکہ ہمنو کوئی کام نیک نہیں کیا ہے نہین معلوم کہ ہماری بد بختی کہاں پہونچائیگی اور نصیب کیا رنگ لائیگی لہذا بمقتضای اخوض! مری الی اللہ اپنا کام تیری حوالے کرتے ہیں تو جان و ہمارا غمخوار دل جانے جو چاہی سو کرے سپرد ہو مایہ خویش را۔ تو دانی حساب کم کوشش را۔  
از نثار قرہ خون زلف تو در گیرم قاصد کی کز تو سلامی برساند بر ما  
درا شک سوتیری زلف کی طرح موتی پر دین اگر کوئی قاصد تیری طرف سے مجھ سلام پہونچاؤ

اس شعر کا ربط اول سے ملا ہوا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر تیری طرف سے کسی قاصد کی میرے پاس سلام پہونچا دیا یعنی تو نے مجھ یا د کیا اور سلام کہلا بھیجا تو میں گزنیہ شادی سبب اتنا اشتک آنکھوں سے گرا کر جمع کرونگا کہ جتنے تیری زلف نے جمع کئے ہیں۔ اس اشتیاق کی غایت ظاہر کرنا مقصود ہے حقیقی اعتبار سے عاشق کو پاس معشوق حقیقی کی طرف سے سلام پہونچا یعنی پیغام وصال یعنی جب تیری پاس سے طلبی کا پیغام تیری پاس ملک الموت کی معرفت پہونچے گا تو پشامی سے رونے لگوں گا۔

ہد عاتدہ ام ہم بدعا دست برار کہ وفا با تو شہرین باد و خدا اور ما  
مین دعا کر لیا ہوں تو بھی دعا کو ہاتھ اوٹھا کہ وفاتیری نزدیک جاؤ اور ہمارا خدا مددگار ہے  
مطلب یہ کہ امی محبوب میں دعا مانگتا ہوں اور تو بھی دعا کو واسطے ہاتھ پھیلا یعنی ہم تو دونوں ملکر دعا مانگیں۔ میں تو یہ دعا مانگوں کہ تمہیں وفا کرنا آجائے اور تو یہ دعا مانگ کہ میرا خدا مددگار ہو یعنی میری دعا تیری لگو ہوگی اور تیری میری واسطی ہونی چاہی حقیقی لحاظ سے مرشد کامل کو مخاطب کر سکتے ہیں لیکن اس صورت میں وفا کو معنی مرید و نوکر دلجوئی لینگے۔

گر تمہے خلق جہان میں توحیف خورند بکشد از ہمد انصاف ستم داور ما  
اگرچہ جہان کی تمام خلق مجھ پر تجھ پر نفوس کرتی ہے لیکن ہمارا خدا ان کو انصاف سے آتش کر دیتا ہے  
حیث کا دوسرا شعر رشک ہی ہے یعنی خلقت جو میری عشق اور تیری نطف پر انفس کہانی بارشک کی ہے تو ہم دونوں کا خدا اوش رشک کو انصاف سے میٹ دیتا ہے یعنی میرا عشق اور تیری عنایت حق بجانب ہے اور مخلوق کا رشک کرنا انصاف سے دور حقیقی طور پر اس شعر میں شاہد حقیقی اور

نگر و دیگر سر و اندر چین  
اور کسی سر و گو چین میں نہ دیکھے گا  
ہر کہ دیدان سر و سیم اندام را  
جسے کہ اوس سر و سیم اندام کو دیکھا  
ہم سر مقصود تعنیات ہیں اور سر و سیم مراد ذات باری یعنی جس کسی نے اوس کو (اوس کو پتہ)  
کو دیکھا ہو وہ اوس کو دیکھا کہی نہ پسند کرے گا  
از سر دنیا گذشتے غم مخور  
تو خیال دنیا سے چھوٹ گیا غم نہ کیا  
خوش بخور ہم خوش بدار ایام را  
خوش کر اور اپنی زمانہ کو خوش رکھیں  
انہی نفس سخناب ہر کہ اس نفس مطمئنہ کو جب عاشق الہی ہوا تو دنیا کے جھگڑے بگڑے بھڑکے بھڑکے  
پس اب کچھ غم نہ کر اور خوش و خرم رہ اور اپنا زمانہ عمر خوشی ہی میں گزار دے۔ غم تو دنیا کی  
بدولت ہی اور جب تارک الدنیا ہو گیا تو غم کس بات کا۔  
صبر کن حافظ۔ سختی روز و شب  
آخر کار ایک روز مقصد کو پہنچے گا  
اسی حافظ روز و شب کی سختی میں صبر کرے

سختی سے اشارہ حادثات دنیا اور نفس امارہ یا شیطان کی طرف ہے مطلب یہ کہ اسی حافظ  
سختی میں دن رات صبر کرے بالیک دن ضرور ایسا ہوگا کہ تیری مراد بر آویگی۔ اس مراد پر تیری  
یا تو موت مقصود ہے یا ترک دنیا۔ مثل ہے یہ مشہور امر ذی شعور۔ کہ ہر بیج کی بعد راحت ضرور  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فان مع العسر یسر الان مع العسر یسر۔

ما برقتیم و تو دانی و دل غمخور ما۔ بخت بدتا بکجا میر و آبشخور ما  
ہم تو جاتے ہیں تو جانا اور ہمارا دل غمخوار جاتی ہے۔ معلوم ہے بختی ہمارا دانہ پانی کس جگہ لٹ جاتی ہے  
خواجہ صاحب ذہب غزل او سوقت نصیحت کن تہی جیدہ اونکی محبوبہ شاخ نیات جس کا ذکر اس سر  
پہلی ہی آچکا ہے شیراز سے عازم بغداد تھی اور آپ اوسکو نصیحت کر لیا کہ اسے کچھ تیری لفظ ما برقتیم  
جس سے اپنا جانا پایا جاتا ہے اپنی واسطے نہیں ہے بلکہ ازراہ ادب اور تقاضا ہے کہ ہر ایک دستور  
کہ اہل فارس دوست کی نصیحت کیوقت اسطوریہ کہتے ہیں یعنی یہ کہتے ہیں۔ ہم جاتی ہیں جس کا شاید  
یہ مطلب ہے کہ تو ہم سے جدا نہیں ہوتا بلکہ ہم تجھ سے جدا ہوتے ہیں اور بخت بد تو ہی اپنی ہی طرف  
اٹھتا ہے یعنی کچھ معلوم نہیں کہ ہماری بد نصیبی ہو کہ کمان لچا۔ یگی اسکو کہ بلا تیری اس شہر میں

زود باشد کہ بیاید سلامت یارم ای خوش آن روز کہ آید سلامت بر ما  
جلد وہ وقت تا کہ یاد میرا سلامتی ہو آئے ای دل وہ دن کیا اچھا ہوگا کہ صحت سلامت ہم تک آئے  
ماشوق ایندول مشتاق کو سہماتا ہو کہ ای دل جا رہہ وقت آ رہا ہو کہ محبوب صبح و سلامت ہم تک آجائے  
حقیقی اعتبار تو بامرادی گئی ہو موت ہو کہ نہ کہ عارف لوگ موت ہی کو وصال یا پیغام وصال سمجھتے ہیں  
اس واسطیٰ اسکو باریہ تشبیہ دگئی۔

ہر کہ گوید کہ کجارت خدا را محافظ گو زاری سفری کرد و رفت از بر ما  
جو کوئی کہ خدا را محافظ کہان گیا کہو کہ روزی تو سفر کیا اور ہمارے پاس پہنچا گیا  
مطلب یہ کہ ای محبوب اگر کوئی اسکو بعد میری دوستی میں پاس آوے اور پوچھے کہ براؤ خدا بتلاؤ کہ حافظ کہان گیا  
تو اس سے کہہ دو کہ اور روزی ہمارے پہلو میں جان دو کہ یعنی سفر آخرت اختیار کیا۔

لطف باشد گر نوشی از گداز روت را تا بکام و نغمہ دیدہ ماروت را  
مہربانی ہو اگر تو فقیر و نواہنے ہو نہ چہا کر تاکہ دلی مقصد ہو ہمارے آنکھیں تیری رخ کو نہ دیکھیں

اس دیوان کے عام نسخوں میں یہ نزل نہیں ہے۔ صرف ایک ہی دو دیوان میں پائی گئی طاہر ایسا معلوم  
ہوتا ہے کہ یہ حافظ صاحب کی تصنیف سے نہ ہوگی کیونکہ اس میں کمر کر ایک ہی خافیہ کو باندھا گیا ہے  
البتہ ایک خوبی اس میں یہ ہے کہ ہر شعر کے پہلے مصرعہ میں ہاروت اور دوسری میں ماروت آیا ہے یہ وہ ہی  
ہاروت و ماروت ہیں جو زہرا کے عشق میں مبتلا ہو کر چاہ بابل میں اسیر ہوئے تھے۔ پہلے مصرعہ میں گدا  
روت را۔ بمعنی گدایان روی ترا ہے۔ یہ فقرہ گویا لفظ ہاروت کا ایہام ہے اسلئے کہ بعض لوگوں نے  
گدا کو جمع بجائے گدایان کے گدا ہا سے ہی بنائی ہے۔ دوسری مصرعہ میں بھی یہی صنعت ہے کہ دیدہ ماروت  
بجائے دیدہ ماروت تو کہ ہے اسکو بھی ماروت کا ایہام سمجھنا چاہیے۔ مطلب صرف یہ ہے اگر تو اپنا  
موت نہ مہربانی کر کر ہم فقیر ہوں سے نہ چہا کر تو ہمارے آنکھیں دل سے نہ دیکھیں۔ کیونکہ انسانی سرشت کا  
مقتضیٰ ہے کہ جو پیر سانس ہو تو اسکو آدمی کی شوق سے نہیں دیکھتا جیسا کہ پردہ کی چیز کو دیکھنے کا خواہشمند تھا پس اسطرح  
گویا عشق کو صورت نہ چہا کر کی تحریک لگتی ہے تاکہ دیکھنے میں سہولیت ہو جائے۔

تا چو ہار و نیم و ایم در بلا کی عشق زار کا شکر ہرگز ندیدی دیدہ ماروت را  
ہم ہفتہ کی طرح ہمیشہ بلا کی عشق میں زار ہیں کیا اچھا ہوتا کہ ہمارے آنکھیں تیری رخ کو نہ دیکھیں

مرث کمال دونوں مراد ہو سکتی ہیں۔ باقی خلق کا رشک محبوب کی غنایت معلوم ہی ہو چکی۔  
بہت گرم عالم بسر بخور و خشنود  
تیرے دیوان میں اگر تمام عالم میری سر پر شور مچا دیں  
ہر دو عشقوں میں یہ شعر گویا عاشق کی بختہ کاری ظاہر کرتا ہے کیونکہ سچا عاشق وہی ہے کہ جسکو خلق کی ملامت  
اور شور کا خیال نہ عشق صادق ایسا نہیں ہوتا کہ وہ ملامت۔ یا طعن شیعہ سے کم ہو جائے یا وہی ہو جائے  
بلکہ ایسی حالت میں سمند شوق کو اور تازیانہ لگتا چلا جاتا ہے۔

فلک وارہ بہر سوکت دم میدانی رشک می آیدش از صحبت جان پرورما  
تو جانتا ہے کہ مجھ کو آسمان ہر طرف سرگردان کو پہتا ہے  
اس سوزانہ ناہنجار اور فلک برفقار کی شکایت متصور ہے کہ یا اللہ تو خوب جانتا ہے کہ یہ آسمان میں پرور  
ہم کو حوادث عالم کی سبب ایک جگہ میں سیٹھنے نہیں دیتا اس واسطے کہ اسکو دشمنوں کا ہم صحبت ہونا  
پسند نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ رشک کرنا ہے چنانچہ میر حسن کا قول ہے شعر یہ دہل کو کجا بیٹا تا نہیں  
کسی کا اس سے وصل بہا تا نہیں +

دردمندیم و خبر میداد از سوز درون دہن خشک و لب تشنہ و چشم ترما  
سوز درون خبر دیتا ہے کہ درد مند دہن ہمارا خشک دہن پیاسی ہونٹہ اور چشم تر  
مونہ کا خشک ہونا اور پیرا ہی ہو کر ہونٹہ تو سوز درونی کی ظاہری علامت ہی ہیں لیکن چشم تری  
ایک علامت سبب سوزی ہی کی ہے اس لئے کہ گرمی سے بخارات پانی ہو کر آنکھوں کے راستہ سے نکلتی  
ہیں۔ درد مند سوزہ ہی درد عشق مقصود ہے چاہے مجازی ہو یا حقیقی ہو حاصل یہ کہ جو عاشق ہے  
وہ درد مند ضرور ہے اور درد مند کی یہ تینوں علامتیں بیان کر دی گئیں۔

ماز و صفحہ زیبای تو تا دم زدہ ایم ورق گل تجلست از ورق دفترما  
جب تک میری زرخ زیبائی صفت کو لکھا ہے  
معشوق کے زرخ زیبائی کے توصیف میں ہے کہ جب ہم نے تیرے زرخ رنگین کی  
تعریف لکھی تو اس کی اثر سے ہماری نوشتہ کے ورق گلاب کے پھول کے  
پتی کی طرح رنگین ہو گئی۔

مسلک اس کو حافظ صاحب علیہ الرحمۃ ہی میں لیکن دوسری مصرع میں حافظ ما۔ روی ترا اوسی صنعت  
 کیلئے آئی ہے اسلئے ہم اس نقطہ کو محض برائی بیت خیال کرنے میں اور ایسا خیال کر نیچے ساقول وجہ  
 وہی ماروت کر نام کا ایہام ہے جو باز بار اس غزل میں آیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسی محبوب حقیقی میں  
 تیری جدائی میں صدیوں پر صدیوں اور ستم پر ستم اور ہمارے ہا ہوں تو جلد اپنی صورت دکھلا تا کہ حافظ  
 تیرا چہرہ دیکھے اور صدیہ فراق سے جھوٹ جائے۔ روی بنا وصال محبوب کی طرف کنایہ ہے جس کا  
 حاصل موت ہی ہے گویا یہ آرزو می وصال موت کی آرزو سمجھنے چاہئے۔

تا بہالت عاشقان راز و جہول خود صلا جان و دل فتادہ انداز لعل و خالیت بلا

تیری حسن و ناشقون کو اپنے وصل کا امیدوار کیا اور جان و دل تیری لعل و خال کی سبب بے ہوش  
 ہو وصل خود سرور قیامت میں اور نہ صلا کو معنی دعوت یا عام بلاؤ کو کہ میں گیر بیان امیدوار کر اچھی  
 ہو سکتی ہیں۔ افتدہ نے قیامت کو دن اپنا جمال دکھانے کا وعدہ فرمایا ہے اسلئے صلا کا لفظ لائے ہیں  
 دوسری مصرع میں زلف سے لہجہ عشق مراد ہے یا انسان کامل کا ذات مطلق سے جدا ہو کر دنیا میں آنا  
 مقصود ہے چونکہ زلف کو اسلئے ہیچ کی ضرورت ہوتی ہے لہذا اس اعتبار سے حوادث دنیا اوس  
 زلف کو ہیچ مقصود ہو سکتی ہیں۔ خال بمعنی تل جس سے روح کی طرف کشائی ہے جو کہ دل کا مرکز ہے  
 اور خال سویدا ہی اسکو کہتے ہیں۔ پس مطلب یہ ہے کہ اسی تیری جل فی عاشقون اور طالبون  
 صلا کو دعوت عام دیکر قیامت کو روزیدار کا امیدوار کر رکھا ہے کہ جان و دل خال و زلف کو  
 پیچ میں پھنسے ہوئے ہیں یعنی حوادث دنیا اور روح کا قلبی خلق او کو جسم سے رہائش ہو کر دنیا  
 کہ جلد تر منزل مقصود تک پہنچیں۔ اور اوس وعدہ کی پوری امیدوار ہو جائیں جو بیستے  
 اپنا جمال دکھا فکی بابہ کیا ہے۔

انچجان عاشقان از دست ہجرت میکشد کس نذرہ در جہان خبر کشندگان کو بلا  
 جو کہ تیری ہجرت عاشقون کی جان پر گزریا ہے او کو خواہی شہیدان کر بلا اور کسی کی نہیں دیکھا

کشندگان کر بلا سے حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کی تمام وہ رفقا مراد ہیں جو بکر بعد دیگر شہید  
 ہو کر تو اس میں شک نہیں کہ حضرت امام حسین کے وہ مددگار جنہوں نے اوس لڑائی میں ایک  
 دوسرے کے سامنے جانیں دیں اور اپنی ادا دین پر ثابت قدم رہے سب عاشق حق تبارک و تعالیٰ



چونکہ ہاروت عشق کی ہی وجہ سے زندان بابل میں گرفتار ہوا اسی غرض سے یہ مثال دی کہ ہم ہی تیرے  
عشق میں ہمیشہ کیواسے گرفتار ہو گئے کیا اچھا ہوتا کہ ہم تیری صورت ہی کو نہ دیکھتے۔ مجازی اور حقیقی  
دونوں طرف کو اس کا مطلب ہر سکتا ہو۔

کی شادی ہاروت و چارہ زخدا نش اسیر گزشتہ شمعہ از حسن او ماروت را  
ہاروت کہا و چارہ زخدا نش اسیر ہوتا گرنہ کشتا نہ توڑا اس او کی حسن سے ماروت کو  
پہلو مصرعہ کہ لفظ ہاروت سے ہاروت و ماروت دونوں مراد ہیں۔ زخدا نش کی ضمیر ہرہ کی طرف کو  
پہرتی ہو چہ ہرہ دونوں فرشتوں ماثق ہوئی تھی مصرعہ ثانی میں او کی ضمیر ہرہ ہرہ کی طرف ہو اور ماروت  
میں مالک اور روت مالک ہو اور یہ دونوں لفظ ہاروت کو نام کا ایہام رکھتی ہیں۔ مطلب یہ کہ  
ہاروت و ماروت زہرہ پر عاشق نہ ہوتے۔ اگر تیرا چہرہ کچھ توڑا سا حال ہی زہرہ کو حسن کا ہر سوا ظاہر کرتا  
زہرہ ایسی خوبصورت عورت تھی جسے فرشتوں تک کو اپنا گردیدہ کر لیا تھا چونکہ او کو خوبصورتی تیری ہی  
حسن سے ملی تھی اور ہرے خیرانی جس سے مشاہدہ قدرت مقصود ہو دیکھا ہو تو ہر کو صاف معلوم ہو گیا کہ  
ہاروت و ماروت زہرہ پر عاشق ہو گئے تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے یعنی تیرا رخ انور ہم اگر نہ دیکھتے تو شمعہ بار  
ہی زہرہ کی خوبصورتی حال کا نہیں جان سکتے تھے پس اس وقت یہی یقین ہوتا کہ ہاروت و ماروت  
اوپر کیسے عاشق ہوئے ہونگے۔

بوی گل برخواست گوی چہ ہاروت بود بلبان مستند گوی دیدہ چہ ماروت را  
بوی گل کی نشتر ہو گویا باغون میں تیرا چہرہ تھا بلبین مست میں گویا دیکھ کر شل ہاروت تیرے رخ کو  
چونکہ باغون میں تیرے حسن کا جلوہ تھا اسلئے ازراہ ادب بوی گل نشتر ہوئی یا علیحدہ ہو گئی۔ دوسری طرح کو  
ایک معنی تو یہ ہے کہ بوی گل میں جبریا کہ ہر ترجمہ کیا ہو اور اگر ماروت کو اصلی لفظ تصور کریں تو یہ معنی  
ہوئی کہ بلبین اسیر مست ہیں کہ جیسے ہاروت کی آنکھیں مست تھیں۔ ماروت کی آنکھیں زہرہ کو  
عشق میں مست تھیں اور بلبین عشق گل میں مست ہوئی ہیں یہاں بلبون سے طالبان معرفت  
میں بوی گل کو شلہ و خداوند بوی گل کی بوجہ مقصود ہو ممکن ہے کہ اس سے عشق مجازی مراد ہو۔

میکشم چور دنیا بابت زبیران امی صنم روز نما میں حافیہ حافظ ماروت را  
میں صنم میں تیرے فراق میں ظلم و ستم ادا تھا ہا ہون صورت دکھانا کہ ہمارا حافظ تیرا موٹہ دیکھے



جان میں سے پہلے خود مانا جائیگا۔ اورستی و زندگی کا اصلی معنی رہن سگے۔  
 بزم عیش و شادی و ہنگام طرب پنچ روز یا م عشت را غنیمت دان ولا  
 عیش کی ہر شادی کا زمانہ خوشی کا وقت پنچ روز عشت کرنا نہ کو غنیمت جان  
 بزم عیش سے ملنے مرشد اور شاد ہو حصول فیض ہنگام طرب ہو یا م جوانی مراد ہیں۔ چونکہ دن سات  
 ناموں سے موسوم ہیں۔ اسلئے قدماؤں نے ایک دن پیدائش کا اور ایک دن موت کا  
 ان سات دنوں میں سے ہمارے زندگی کو صرف پنچ روز رکھ دیں اور پنچ روزہ زندگی اسی اعتبار  
 مانی جائے۔ پس مطلب یہ ہے کہ اگر دل پنچ روزہ زندگی میں جسکو عشت کر روز گنتی چاہیں یا مرشد  
 کو حلقہ میں شامل ہو کر حصول فیض کر لے یا جوانی میں دیوانہ ہو کر دنیا کو فریاد بٹھائی۔ یعنی زندگی  
 توڑی ہو۔ اگر اسکو غنیمت سمجھتا ہو تو کچھ نیک کام کر اور نیک کام یہی ہے کہ طالب حقیقت ہو جا  
 حافظا گریا ہی بوس شاہ دستت میدہد یافتی در ہر دو عالم زینت عز و علما  
 اور حافظا گری زینت ہے شاہ کو میں کی قد بوسی ہو تو دو دنوں جہا میں طر تہ کی زینت پائی گا  
 شاہ سے حضور سرور کائنات مقصود ہیں۔ بانی مطلب صاف ہے کہ اگر حافظا گری حضور کی قد بوسی  
 ہو گی تو دو دنوں جہا میں عالی مراتب پائیگا۔

میدہ صبح و کلبہ سحاب الصبح الصبح یا اصحاب  
 صبح بلوں کی نقاب الہی ہوئی آتی ہے اور دوستو صبحی ہو صبحی  
 صبح سومر ادوہ حالت ہے کہ جو طلوع حقیقت پہلے سالک پر ظاہر ہو اگر تہی ہو اور اسکو آفتاب حقیقت کی  
 علی القصاب کرنے کو لائق بناتی ہے کلبہ کسب کاف و تشدید لام یعنی تنگ پردہ جو کمیون اور پھر و ن  
 شاہ پانے کو اسلئے امر الہی گئی جائے آرام میں لگاؤ زمین مگر بیان دل سالک مراد ہے صبح شاہ شاہ  
 میں بخار کی طرف ہو جو جس نفس کی گرمی ہو سالک کو دل و دماغ میں ظاہر ہو کر اسکو پریشان کرتا ہے  
 ریل کی طرح دل پر برس کر تا ہو واضح ہو کہ یہ سب حالتیں ایسی ہیں کہ جنکو عارفان کمال ہی  
 تو میں عوام الناس محسوس نہیں کر سکتے اور ہم شعر کا مطلب صاف کر نیکو واسطے انکو لکھتی ہو جو یہ ہیں  
 صبح مراد وہی شرب صبحی ہے یا کلبہ کسب یہ لفظ مکرر آیا ہے اور بیان صبحی کو معنی شرب معرفت  
 و جان میں کہ چنانچہ خواجہ صاحب فرماتی ہیں کہ طالب پر آفتاب حقیقت کی تجلی پردہ ہو نمودار ہو نیکو ہو۔

ایسا کہ زمین کہ تیری جدائی میں جو کہ مدد عاشقوں کی جانیں اونٹانی میں اونکو شہدائے کربلا کی ساری  
اور کوئی نہیں سمجھا کسی مطلب میں اول تو یہ کہ وہاں بیت کی بحث تھی جو حق بات نہ تھی اور حضرت امام  
حسین علیہ السلام حق پر تھے چنانچہ جب انکو کہا گیا کہ تم بیعت یزید قبول کر لو ورنہ قتل کئے جاؤ گے  
تو انہوں نے بیعت سوائے انکار کیا کہ اونکو اپنے محبوب کی پاس ہلکے ہو بخیر کی خوشی تھی جبکہ  
وہ دنیا میں فراق کے صدمہ کو اٹھاتے تھے تو پھر کیوں خوشی خوشی جانیں نہ دیدیتے۔ دوم یہ کہ جب  
کشتگان کر بلا صبر یا یہہہ دیکھتے جاتے تھے کہ ہمارے بہائی بند بیٹھے بیٹھے سب کی بعد دیگرے قتل ہو رہے  
تو ایسے خوف میں وہ ضرور بیعت کر کے جان بچا لیتے اگر انہیں محبوب حقیقی کا فراق نہ ہوتا ایسے  
ذوق و شوق میں گردنیں کٹوانا اسی جبر کی بدولت تھا۔ سوم یہ کہ جن لوگوں کو عشق الہی ہوتا ہی  
وہ بیدل ہوئے ہیں جسم کی حفاظت اور جان کا خوف انہیں کو ہوتا ہی جو ہوشیار ہوں اور خود کی  
نرمی ہوں اونکو دنیا سے اوسال و دولت اور اہل و عیال سے کچھ غرض نہیں ہوتی پس شہدائے کربلا  
ایسے عاشقان خدا تھے کہ انہوں نے شکرنگی بجز محبوب کی خوشی میں سب کو چھوڑ دیا قتل ہونے کو  
سرہنگا دی۔ چارم ہر شخص کی ہی خواہش تھی کہ میں پہلو مروں چنانچہ ایک دوسری جنگ میں  
بیشعہ می کر نیو مند ہوتی تھی۔ پس خلاصہ کلام کا یہہہ کہ تیری پاس پہونچ کر ہر جہت جاتی کا  
لطف عاشقوں کو ملتا ہی وہ دنیا میں اس شہدائے کربلا کے اور کسی نے نہیں دیکھا۔ اور ان میں  
وہ ہی خصوصیت تھی جو اوپر بیان ہوئی۔

ترک اگر مسکند رندی مستی جان من ترک مستوری وزہدت کو پایداؤ لا

(اے ترک اگر میری رندی مستی کرتی ہے تو تمہکو پہونچاؤ پارسائی و پرہیزگاری ترک کرنی چاہی

ترک ہی معشوق مراد ہی رندی ہی عبارت رنگ و حدت میں بک رنگ ہونا اور مستی نہ مقصود نہ ہی پرستوری کی  
معنی پارسائی اور زہد کے پرہیزگاری کے ہیں۔ ترک ہی پہونچاؤ حرف نہ مقدر ہے۔ اور اس شعر کا مطلب  
وہ طرح ہو سکتا ہی اول یہہہ کہ اگر میری جان مستی و رندی کرتی ہی یعنی وحدت و بیکرنگی کی طالب ہی  
تو امی ترک تمہکو لازم ہے کہ تو پہونچاؤ اتفاقاً ترک کر بعد از ان رنگ و حدت میں بے حجاب نہ درآ۔ دوم  
یہہ کہ اگر میرا معشوق رندی و مستی کرتا ہی تو امی جان تجھے ترک پرہیزگاری اور تقویٰ کا فروری ہی  
جو کہ تیری شان میں اولیٰ اور انسب ہی لیکن اس دوسری صورت میں حرف نہ ابجا ہی ترک کے

لب و دندان تو حقوق نمک داشت بر جان سینہا کو کباب

تیر کی دانت اور کب حق نمک کتری بین سینہ کباب لوگون کی جان پر  
اسکا مخاطب مرشد کامل ہوا اور مطلب یہ کہ تیر و مرشد تیر کی لب و دندان گویا اون حالات اسرار کی  
بیان میں پر مانت ہیں کہ جو حالات و اسرار مقام معرفت سے تعلق رکھتے ہیں چونکہ ہم نے اون سے استفادہ  
کیا ہوا سولہ سطر ہم سینہ کباب عاشقوں کی جانوں پر اون کا حق نمک ہی بلکہ غلط دیگر سینہ کباب لوگون کی  
جانوں کی تیر کی لب و دندان کا نمک کہا گیا ہے حق نمک بڑا حق سمجھا جاتا ہے یعنی ہم طالبوں کو دل و سر  
بیان اسرار یا سینوں کو کباب اون کی لب و دندان کو نمک سے چٹائی ہوئی ہیں۔ اس شعر میں اول حساب کا  
اظہار کیا گیا ہے جو طالبان حقیقت کو اوپر مرشد کامل کا ہوتا ہے اور جسکی بار سجدہ کہی سجدہ و شہنیں ہو کر

در سینہ بستہ اند مگر استخ یا مفتخ الالباب

در وازہ میخانہ کے بستہ ہیں لیکن کھول اے در وازہ و ن کے کھولنے والی  
میخانہ سے مراد عالم غیب ہے جو کہ شراب انوار و تجلیات سے پر ہے اور بند ہونے سے مقصود تشبہ  
دار و اب پس مطلب شعر کا یہ ہے کہ در وازہ و ردا ت کو ہم پر بند ہیں اے بستہ در و ن کے کھولنے والی اور کھو  
میر کی کھولنے کی مفتخ الالباب سے شاید حقیقی مراد ہی نیز ممکن ہے کہ اسکا مخاطب مرشد کامل ہو یعنی  
اے معرفت کی شکلات کر حل کرینو اے اور سر بستہ راز و ن کے معلوم کرانے پر مرشد اپنی فیض عام  
کے در وازہ کھول دے اور طالبوں کو شراب معرفت سے خوب سیراب فرما۔

در چنین موسم عجب باشد کہ بہ بند مسیکدہ بشتاب

تعب ہے کہ اس موسم میں میخانہ کو جلدی سے بند کر دین  
یہ شعر بیت ماسبق کی توضیح ہے۔ موسم سے عبارت سالک کے جذبہ کا وقت اور مسیکدہ  
شراب خانہ معرفت مراد ہے اور مطلب یہ کہ ایسے وقت جبکہ جذبہ عشق جوش پر ہے  
تو شراب خانہ معرفت کو بند کر دیا۔ ایسی حالت میں فیض واردات سالک کیلئے  
بہت سخت ہوتا ہے جبکہ جذبہ دل نہایت جوش پر ہو اس سے مقصود وہ ہی زیادتی  
طلب ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور مسیکدہ کو بند کر نیکی شکایت سے مرشد کو  
اپنی طرف مائل کرنا ہے۔

اور وہ اوس بخارا و غبار کیسا آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے جو سرد دماغ کو پریشان کرتا اور دل کو سرور دیتا  
لہذا اس کو دوسرے شراب معرفت لائق نامہ دل و غبار بنو کر صاف و صاف ہو جائے اور لطف و طوبیٰ بآفتاب  
حقیقت حاصل ہو سکے

می چکر زالہ بر رخ لالہ المدام المدام احباب  
لالہ کے رخ پر اوسے گزرتے ہیں ہمیشہ کبیش اسے ہمدرد

نالہ یعنی اولہ مگر بیان شبنم کامرادت ہے۔ لالہ دل کامرادت اسوجہ سے کہ لالہ میں سیاہ دماغ ہوتا ہے  
اور دل ہی قطر خون اپنا اندر رکھتا ہے جسکو سو بیدا کتو ہیں۔ شبنم اول شعر کی توجہ ہے یعنی عاشق  
حقیقی کے دل کا غدار ہے ہمیشہ ہمیش اور اگر کتے ہیں اور اس زالہ بارسیروہ ہی تقاطر شتاب مقصود ہے  
جو پہلے شعر میں بیان ہو چکا۔ گویا دل سالک ہمیشہ خراب و خستہ رہتا ہے اگر وہ شراب معرفت نہ پئے تو دل  
شوریدہ کو نیکین ہی نہو۔

می وز داز چمن نسیم بہشت خوش بنوشید و اکامی ناب  
چمن میں نسیم بہشت چلتی ہے ہمیشہ شراب خوش رنگ خوب ہو

چمن کو صحبت مرشد اور نسیم بہشت کو فیض صحبت مراد ہے مطلب یہ کہ اگر طالب بوریا چین مرشدین گویا نسیم  
بہشت مل رہی ہو یعنی اوسکی صحبت کا فیض جاری ہے پس تم خوب استغاضہ حاصل کرو اور خوب  
شراب خوش رنگ ہو اس پر کنایہ شراب معرفت کی طرف ہے

تخت زرین ز دست گل چمن راح چون لغسل آتشین و باب  
گل نے چمن تخت زرین بہ پایا ہے شراب مثل لال آتشین کو دیکھ

ظاہر چمن گل کی رعایت ہے مگر باطن میں گل سے مراد مرشد کامل اور چمن سے مراد سکا کا شانہ عالی  
تخت زرین باعتبار رنگ گل لائی ہوئی جس کو فیض صحبت عبارت ہے۔ راح یعنی شراب بہان کنایہ  
اوسے شراب معرفت یا فیض صحبت ہے اور مطلب یہ کہ مرشد کامل نے گلزار خانہ میں اپنی ذات  
عام فیض رسانی پسلا رکھی ہے اسے مخاطب قوا و سن شراب کو لے جو لعل کی کہ  
آتش زنگت رکھتی ہے یعنی اوسے استغاضہ حاصل کرو اور معرفت اکی سیکھ۔ ز دست  
اصل میں زودہ است ہو۔

جون سکندر حیات اگر طلبی  
اگر سکندر کی طرح زندگی کا طالب ہی  
لب لعل نگار را در باب  
اگر عشق کو لب لعل کو حاصل کر

مشہور ہے کہ سکندر شاہ ہمیشہ زہر پینے کے لئے آب حیات کی تلاش میں تھا لہذا خواجہ صاحب  
فرماتے ہیں کہ اگر تو سکندر کی طرح ہمیشگی زندگی چاہتا ہے تو مرشد کمال کے بطون کلام کو حاصل کر  
تھارے کما یہ مرشد کمال کی طرف سے یعنی مرتبہ معرفت حاصل کر کے بقایا اللہ ہو جا۔

برخ ساقی بری پیکر  
موسم گل زموش بادہ ناب  
ساقی بری پیکر کے رخ پر  
موسم گل میں شراب ناب پی

ساقی بری پیکر سے وہی سالک بطریق مقصود ہے۔ دوسرے مصرعہ میں موسم گل کے پہلے  
لفظ درمقدار مانا جائے گا۔ مطلب یہ ہوگا کہ محبوب حقیقی کی یاد و تصویر میں اذوق ہے جبکہ جذبہ عشق بہار  
پر خوشی و معرفت کا جام بنایا جائے گا۔

حافظا غم مخور کہ شاہد بخت  
عاقبت برکشہ ز چہرہ نقاب  
اے حافظ غم نہ کھا کہ شاہد نصیب  
آخر کار چہرہ سے نقاب اڑکھا دے گا

یعنی اے حافظ کچھ فائدہ کبھی نہ کھی تیرا نصیب جو معشوق صفت ہے اپنے چہرہ سے پردہ ہٹا دے گا۔  
یعنی جاگ جاگے گا یا کہیں جائیگا۔ اس سے مقصود شاہد حقیقی کا وصل ہونا یا طالب کا مراد کو پہنچنا

حکم امیر سلطان خیاں رحم کن این عجز  
گفت در و نبال لہ گم کند مین عجز

میں نے کہا کہ اے شاہ خیاں اس عاجز پر رحم کر۔ جواب دیا کہ مسافر غیب نے دیکھ چھو راہ گم کر دی  
سلطان خیاں سے شاہد حقیقی جو تاج خیمہ کا بادشاہ ہے مراد ہے۔ او سکین غیب سے راہ فاکار ہے  
یعنی عاشق مقصود ہو۔ اور مطلب یہ ہے کہ جب میں نے کہا کہ اے خوں کے شاہ اس عاجز پر بھی  
رحم کر تو اس نے جواب دیا کہ تونے دل کے ماتھون سے اپنے آپ کو لہ کر دہ راہ اور پریشان کیا ہی  
یعنی جو کچھ تو نے کیا وہ اپنے دل کے بس کیلئے۔ رحم کی ضرورت تو اذوق ہوتی ہے کہ جب معشوق اپنی  
طرف سے کج ادائی کرے۔ ظاہری معنی زمین لیکن باطنی کے اعتبار سے اس مصنون کی خوب ضابط  
نہیں ہوتی لہذا اصناف نقون میں بیان کیا جاتا ہے۔ حافظ صاحب علیہ الرحمۃ نے اس شعر میں



زادہ اسے نبوت شمس زندانہ فالتوا اللہ یا اولی الالباب  
 اسے زادہ زندون کی طرح ہے پی پس اسے اہل دانش خدا کی درو  
 اسے زادہ می محبت زندون کی طرح ہے پی یعنی اس طرح کہ او سین ریگی آمیزش ہو کلمہ طرح  
 سے صفائی ہو۔ زادہ او سکو کہتے ہیں کہ جو اہل دنیا سے تو ہو مگر خدا کی عبادت کرے اور  
 خدا سے بولتے ہیں کہ جو صرف عاشق الہی ہو اور دنیا سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھو ان دونوں  
 حالتوں میں بڑا فرق ہے مطلب یہ کہ اگر زادہ تو کار دنیا سے فارغ الہاں ہو کر بے دہرک  
 شراب محبت پی اور ہوشیار و ن کو اس ذات حقیقی سے ڈر کر اوسکی طلب کرنے چاہئے  
 یہاں اولی الالباب سے ذی ہسم لوگ مراد ہیں جو مجتہد و بون کے برعکس ہونے ہیں  
 واضح ہو کہ تقویٰ تین قسم کا ہوتا ہے اول مرتبہ او سکا تقویٰ عوام ہے وہ یہ کہ کبیرہ  
 گناہوں سے پرہیز کیا جائے۔ دوم تقویٰ خواص کہ منہ پر گناہوں سے بڑی بچا ہے  
 سوم تقویٰ اخلاص یعنی سوائے خدا کے غیر چیز کا خطرہ کیسوت ہی دل میں  
 نہ لایا جائے۔

## گر نشان زاب زندگی جوئے می نوشین جو بیانگ زباب

اگر تو آبجیات کا نشان دہونڈتا ہو شراب سو دہونڈہ زباب کی صلابہر

یعنی اگر زندگی کا نام و نشان دہونڈتا ہے تو شراب معرفت سے ڈہونڈہ  
 اور شراب معرفت کا نشہ زباب کی آواز سے حاصل ہوتا ہے چونکہ صوفیاء کی  
 کرام زباب اور نے کی آواز سے بہرہ ور ہو کر نشہ عرفان میں غرقاب  
 ہو کر رہتے ہیں اس واسطے یہ پتہ بتلایا گیا ہے۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ اگر ہمیشہ  
 زندگی چاہتا ہے تو عشق الہی کی شراب پی۔ کیونکہ عاشقان الہی ہمیشہ  
 زندہ رہتے ہیں یہ دوسری بات ہے۔ کہ وہ بزار فنا سے منتقل  
 ہو کر دار بقا میں پہنچ جائیں مگر او کی حیات دائمی ہو جاتی  
 ہے اور وہ کبھی نہیں مرنے۔



محبوبہ شہزادہ شہزادی زینتی راہِ عمر  
کرنار و خار و خارہ ساز و دستار میں عجب  
سناٹا ہی ہوئے دلے ناتین کو کیا غم  
اگر کشتے اور چھتے غریب بستر کی بات  
سناٹا نرم و بگد گدے بستر کو کہتے ہیں۔ شاید یہ بستر سمور یا نرم ہو جن کا ہونا ہوگا۔ مطلب صاف ہی  
یعنی اسی کی توضیح سے جو پہلے دو شعر میں بیان ہوا۔ خلاصہ یہ کہ جو نازین شاہی مجلس کے  
نرم بستر پر سوتا ہو وہ اس کیس کی کیا پروا کر سکتا ہے کہ جسکو کاٹھن کا بستر اور سنگ فار کا تکیہ  
پیس لگایا ہو اور اوتی تھکلیف میں رات بسر کی ہو پھر وہی عاشق کی بقراری اور عشق کی بے اعتنائی

اور بے نیازی کی طرٹ اشارہ ہے +  
اے کہ در زنجیرِ لفت جانِ نازین  
خوش قمارِ خالِ مشکین رخِ مشکین عجب  
ابو محبوب تیری زلف کی زنجیر میں کتنی آشنائی  
وہ سیاہ خالِ مشکین عجب کے رخ پر اچھا پڑا  
مطلب یہ کہ بہت سے لوگوں کے دل تیری زلف کی زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں یعنی تجھ عاشق میں  
مشکین غریب یعنی عاشق کے منہ پر خال پڑنا اور اسکا عشق محبت کے دم میں پسکر اسب زلف ہو جانا سمجھنا  
جاتے۔ یہاں سے خواجہ صاحب اپنا حال عرض کر کے محبوب سے اسکی بے نیازی کا جواب دینے  
کے بعد صفا کہ مذکور ہوا ہے عا اور نازنا محبوب کی طرف توجہ ہے میں تاکا اس ذریعہ سے اپنے دل نالان کو  
تھیل میں۔ چونکہ حقیقی صورتیں ان اشاروں و پردہ کمالات شاہد حقیقی کا بیان مجازی طور پر کیا گیا ہو مگر  
مقصود اس سے وہی امور اس میں جو ان اصطلاحات ظاہریہ سے واضح ہوتے ہیں اور اگر مرشد سے  
خطاب ہو تو انکو اسکے کمالات کا بیان سمجھنا چاہیے۔ بہر صورت الفاظ الہیہ میں کہ ان سے کسی  
قسم کی مراد بلا مستی نہیں کہتے ہوتے لیسٹکل ہی لیکن نگہ دان اصحاب اور صوفیائے کرام اس سے وہی  
نتیجہ نکال لیتے کہ جو حافظ صاحب کا مقصود ہے۔ چنانچہ پہلے عرض کر دیا گیا کہ اہل معنی کو طائر الفاظ  
سے بھٹ نہیں ہوتی وہ ہر ایک لفظ اور ہر ایک فقرہ سے اپنے بھاق تینہ نکال لیتے ہیں لہذا اسی پر اسی  
اشارہ کو بھی قیاس کو لیا جاتے +

بے نیازی وہ است آن تو خطِ گردِ حیرت +  
گرچہ نمود در بخارِ ستانِ خطِ مشکین عجب  
بہت ہی دلچسپ و موزجہ ایسے خط کے گرد  
اگرچہ نگارستان میں خط سیاہ عمدہ نہیں ہوتا  
خط سے عالم سمار و صفات اور عالم کثرت میں ذات حق کا پوشیدہ ہونا مراد ہے۔ مطلب یہ کہ یہ خط کمال ہے

ہے نصرتِ الٰہیہ کہ جب میں نے محبوب کے بتواریح یعنی شاہِ وحدت کو اپنے اور رحم اور محبت کرنے لکھا تو اس نے یہ جواب دیا کہ تپنے والے دل کے چھجکے مردہ خود اور عاشقِ مکرہتہ ہوا ہے۔ یہ عنایت کیا کہ ہے کہ تو اہل معرفت ہو گیا جہاں سے زیادہ کسی اور رحم اور الطاف کا سزاوار ہونا چاہتا ہی آئین گوہا ایک طرف سے طلب اور دوسری جانب سے عاشق کی تشفی دکھائی گئی ہے کیونکہ اپنا عشق بھی تو خدایٰ دیتا ہے کیا یہ اس کی عنایت اور نعمتوں کی زیادہ نہیں ہے۔ پس اس وجہ سے شاہِ حقیقی نے یہ جواب دیا کہ اے عاشق تو اپنے دل کے ماتحتوں کو مردہ ہو کر بہت کچھ ڈھونڈھ چکا ہے۔ اب اس کی زیادہ اور کیا چاہئے۔ فاتح گو خدا کا رحم ہر حال میں بندہ پر مبذول ہوتا ہے تاہم اس کا لطف و کرم بھی تو بے پایاں ہے تو یہ کیا ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے بندہ کو اس کے کمین زیادہ مقبول فرمائے جتنا کہ وہ عاشق صادق بننے سے ہو سکتا ہو۔ لیکن صورت ظاہری اور ربطِ ظاہر میں چاہتا ہے کہ زیادتی طلب کے سوال کا کچھ جواب ہونا چاہئے۔ پس اس کا یہی جواب ہے کہ جس نے تجھ کو ایسا دل دیا ہے جو سب سے کم ہو کر تجھے منزلِ مقصود کو پہنچا رہا ہے۔ شعر کے لفظی معنی سے تو زیادہ مضمون سمجھ میں نہیں آتا مگر ماہرِ مفسرین کو چھوٹا چھوٹا صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان دونوں مصرعوں کا یہی نتیجہ نکلتا ہے جو ہم نے عرض کیا ہے۔

گفتش بگذر زانے گفت مخدوم مدار خانہ پروردے چہ تاب و غم حنینِ سخن  
میں نے اس کو کہا کہ کینو میری طرف کو گزرا یا کہ خاکِ ناز پروردہ ایسے غیب کے غم کی کیا تاب لا سکتے  
تجاری مطلب صاف ہی محتاج تشریح نہیں حقیقی اعتبار سے محبوب کی بے نیازی کا مضمون ادا کیا گیا ہے  
یعنی میں نے محبوب حقیقی سے کہا کہ کسی وقت تو میرے پاس بیٹھ یا میری طرف کو گذر جواب دیا کہ مجھ کو یہی تکلیف  
سے معذور رکھ اور ایسی گستاخی مت کر کینو کہ میری ذات بے نیاز ہے۔ اور مجھے کسی کی پروا نہیں ہے  
جس طرح کہ ناز پروردہ لوگ غیب کے غم کی تاب نہیں لا سکتے اسی طرح تیرا غم بھی مجھے نہیں دیکھا جائے گا۔  
اس لئے کہ جو شخص بسترِ ناز پر آجائے وہ کم کرنے والا ہوا و سکود و سرور کی کیا پروا ہوگی۔ اور ممکن ہے کہ اس شعر میں  
۳۰ اور نیز ماسبق میں تمام خطابات مرشد کی طرف نہیں اور ان تمام سے جو بے نیازی اور لا پرواہی ثابت ہے  
وہ مرشد کمالِ طالب کو طلبِ معرفت کا زیادہ شوق دلانے کے واسطے لکھا ہو کینو کہ ہر مطلب کی واسطے بے اعتنائی  
بے نیازی کی ضرورت ہوتی ہے اگر یہ خوبی نہیں تو طالب کو اس کے طلب کا اشتیاق نہیں بڑھے گا۔  
بلکہ بے نیازی کے کم ہو جائیگا۔

گفت حافظ اشعار و مقام حیرت اند  
دو ہو کر نشتر حیرت و سخن حیرت  
کہا لائے حافظ اشعار و مقام حیرت میں  
عجب نہیں ہے اگر تو نہ سخن حیرت ہو کر بیٹھے  
آشادین سے خدا دوست لو کہ مراد میں اور مقام حیرت وہ مقام ہے کہ اس میں عاشق جمال محبوب  
کے نور سے حیران ہو کر شریعت کو ادا کر دے اور اسی سے محض بے خبر ہو جاتا ہے۔ یعنی محبوب حقیقی نے  
جواب دیا کہ لائے حافظ جو ہمارے دوست ہیں وہ سب مقام حیرت میں پہنچ گئے۔ اور ہمارے  
جمال سے پیغمبر ہو کر بے بھول گئے ہیں۔ پس کچھ عجب نہیں ہے کہ تو بھی ہماری محبت میں جنت  
و عذاب ہو کر بیٹھے۔ اور تمکین خاطر ہی اختیار کر لے۔

آفتاب از روی اوشہ در حجاب سایہ را با شہ حجاب از آفتاب  
آفتاب کے منہ سے اوشہ در حجاب میں ہو گیا سایہ کو آفتاب سے غریب کی ہوتی

پہلے آفتاب سے معشوق مجازی۔ اور دوسرے سے آفتاب وحدت مراد ہے مطلب یہ  
کہ آفتاب وحدت کے سامنے آفتاب کثرت چھپ گیا بطرح کہ سایہ آفتاب سے چھپا رہتا  
ہے۔ یعنی سایہ سورج کے مقابل نہیں آتا جب مقابل ہوگا تو سایہ نہ رہے گا۔

دہست ماہ و مہر بر بند حسن ماہ بے مہر مہر پر بند و نقاب  
ماہ و مہر کے مانتھ حسن سے باندھی اگر میرا ماہ بے مہر نقاب کو اٹھاؤ۔

ماہ بے مہر سے معشوق یا آشنا مراد ہے۔ یعنی اگر میرا محبوب جو بے مہر ہے  
اگرچہ کو کھولے تو اس کی تجلی کے سامنے چاند و سورج مانتھ ہو کر گرے ہو جائیں  
یا وہ حسن کی رس سے اُنکے مانتھ باندھ لے۔

از خالہ باز نشاند کسے گرد آغوشش بنیم شب و خواب

بھر کوئی خیال میں بھی مجھے نہ پہچانے اگر ادا کی آغوش میں رات کو خواب دیکھوں۔

مطلب یہ ہے کہ جب میں امر کر محبوب حقیقی کی جناب میں پہنچ جاؤں تو پھر مجھے کوئی خیال  
میں بھی نہ پہچان سکے۔ کیونکہ جو شخص مرچکا اور وجود سے عدم کو چلا گیا تو کوئی اسکی صورت کو خیال  
میں بھی کیسے لاسکے گا نہ جان اس کے آغوش میں جناب دیکھنا گویا وصال کا حال ہو جانا مراد ہے  
اور خیال کے لئے خواب کا لفظ رعایتاً لائے ہیں۔

یہ وہ اسرارِ صفات عبارت سے ہمہ تن ذات کے رخِ مدخل یا اور یہ وہ ہوگا اگر چنانچہ دوست ہو  
لیکن بہت ہی نادار و محب ہے کہ یہ سخن کی خوبی پر مانتا ہے والای کو خط سیاہ نگارستان میں  
چندان زیبا نہیں معلوم ہوتا اور اس کو عاشق کو اضطراب اور کشیدگی رہتی ہے +

مے نما یکسے در رنگ و می مہوش  
بیمجو بر گل ارغوان بر صفحہ نسیمِ غرب  
تیرے اہوش چہرے رنگین شرابِ گلشنِ کھلائی دینا  
مثل ارغوانی رنگ کے پتہ کے نادرختہ جنبیلی پر

روئے مہوش سے مقصود مشاہدہ قدرتِ محبوب حقیقی ہے اور مے سے معرفتِ مراد ہی یعنی تیرے  
مشاہدہ قدرتِ نین معرفتِ گلشنِ دکھلائی دینا ہے جیسا کہ شیخ سعدی صاحب فرماتے ہیں +

برگِ رخسارِ بنبر در نظر مہوشیار + بہر دورے دفتر معرفتِ کردگار + دو برابر صبحِ پہلے کی تشبیہا مہ +

گفتم اے شامِ غریبان طرہ شہرِ ناز  
در محرابانِ حذرینِ بنالِ دینِ غرب  
مین نے کہا کہ اے محبوبِ تیری طرہ شہرِ ناز شامِ غریبان  
صبح کیوقت پر ہیز کر جب یہ غریبِ رود سے

شامِ غریبان سے ابتدائی شبِ مراد ہی اور طرہ پشانی کے بالون کو کہتے ہیں مگر یہاں جذبہ لطفِ الہی

کی طرف اشارہ سمجھنا چاہیے شہرِ ناز دسکی ٹیبل ہے بحرِ گلابان سے آخر شب یا ابتدا صبح تصور کرنا چاہیے

لیکن یہاں الطاس جذبہ کی طرف کشا یہ ہے کیونکہ سالکِ سوخت و اولیاء شروع کرتا ہے اور یہاں تک تا

ہے کہ قریب مرنے کے ہو جاتا ہے یعنی میں نے محبوب حقیقی سے کہا کہ اے محبوب تیرا طرہ شہرِ ناز

غریبوں کے واسطے شام اور تیرے موئے سیاہ مسکینوں کے لئے آرام دہ ہیں صبح کے وقت جبکہ عشق

حد کو پہنچتا ہے اور عاشق سہو کی حالت میں گریہ و زاری اور داد دینا کرنے لگتا ہے تو تو ان کی موت سے

پر ہیز کر کہ وہ حالتِ اکامی میں بلا منزل مقصود تک پہنچے ہوئے ضائع نہ ہوں یعنی مر جادین +

باز مخمّر ماہِ آن عارضِ گلگونِ مہوش  
ورنہ خواہی ساختہ بادِ اخسہ و مسکینِ غرب

میں نے کہا کہ اگر کسی سیر جانداؤں جتنا رنگِ گلگون کو نہ چھپا  
ورنہ تو مجھے مشہہ حال مسکینِ غرب بتائے گا

یعنی میں نے محبوب سے کہا کہ تو اپنے ہاند سے دربار کو مجھ سے پوشیدہ نہ کر یعنی مجھے اپنا جلوہ

دکھا۔ ورنہ میں عاشق پریشان حال یہ سمجھو گا کہ تو مجھے اپنی محبت سے باز رکھا جاتا ہے۔

اصداق غلہ ہے کہ جب عاشق کو محبوب کی صورت نا کیجئے تو نہ لگی تو وہ بہت یکس اور غریب

ہو جائے گا +

خواب چھڑنے میں دو دھنی پیدا ہوئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اولیٰ آتش اشتیاق کو دنیا و دلوں کے  
دوسرے یہ کہ خواب سے سن کر زانو در کنار بلکہ بچاے باقی کے بھی اولیٰ آں پر شراب پھر کے  
حافظ و عطا و نصیحت گو مکن ترک ترکانِ ختا بنود صواب  
اے حافظ و عطا و نصیحت کر مگر ترکانِ ختا کا چوڑنا ٹھیک نہیں  
پہلے مصرع کا مکن دوسرے مصرع کے ترک سے متعلق ہے یعنی ترک مکن۔ مطلب یہ کہ  
اے حافظ و عطا و نصیحت جتنی جی چاہے کئے جا مگر عشق عاشقی کے سلسلہ کو چوڑ۔ ترکان  
ختا سے معشوق مراد ہیں۔

تعالیٰ اللہ دولت دارم شب کہ آمد ناگہان دلدارم مشب  
اللہ اللہ کیا دولت آجلی شب مجھ جی ہے کہ بچا یک میرا دلدار ۲ یا  
ظاہری مطلب صاف ہے لیکن حقیقی اعتبار سے شب اصطلاح صوفیہ کر آمین عالم غم کو  
کہتے ہیں کہ یہ حالت فراق سمجھنی چاہیے یعنی تجھ کو عالم غم میں عجب دولت ملی کہ میں نے دفتہ مشاہد  
محبوب حقیقی کا کر لیا۔

چو دیدم روئے خویش سجد کر دم سجد نہ نکو کر دارم مشب  
جب میں نے اس کا چہرہ نورانی دیکھا سجد کیا  
بہال عیشم از وصلش بر آورد رنجت خویش بر خور دارم مشب  
میرے عیش کا دلچسپی اور کھیل سے باریا ہوا  
یہ دونوں شعر مطلع کی توضیح ہیں۔ یعنی جب مجھے حالت ذوق میں محبوب حقیقی کا مشاہدہ حاصل  
ہوا تو میں نے شکر کا سجدہ کیا۔ اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ میں نے اس کو سجدہ کیا اور خدا کا شکر ہی  
آجلی رات نکو کا ہو گیا۔ یعنی میرا کام ٹھیک ہو گیا اور میرا نصیب باریا ہو گیا۔ نصیب سے بھل گیا  
یعنی مراد کو ہو چکا۔

کشت نقش انا الحق بر زمین خون جو منصف ارکشی بر دارم مشب  
خون میں کئے اور بیا نامن کاشت بنار جو آجلی شب مجھے منصف کی طرح داگر پیچھے  
مفسر عارف کمال اور فنا فی اللہ والی تھا۔ منہلو ہے کہ جب اس کو انا الحق کہنے پر سولی دی گئی۔

شاہان مستورستان پر شلیب خالقہ معبود درویشان خراب

مستون گوشہ نشین درست بے صبر خالقہ آباد اور درویش لوگ خراب

مستون سے مراد مستون حقیقی ہے جو ظاہری نظرون سے پوشیدہ سمجھا جاسکتا ہے اورست اسکے عاشق سمجھنے جاہلین جو ہمیشہ بے صبر رہتے ہیں۔ خالقہ زاہدون کا عبادتخانہ۔ اور درویشان ال معرفت۔ خلاصہ یہ کہ خدا کے مست درویش صوفی لوگ خراب عشق اور بے صبر رہتے ہیں۔ زاہدون کا خالقہ آباد سے اس واسطے کہ وہ اس میں عبادت کرتے ہیں۔ اور مستون کی طرح خراب حال نہیں بھرتے

خون دل در جام دیدم از شرک آبرو بہا دوا علم از شراب

خون دل شرک کہو چو میں نے پیا یہ دیکھا شراب سے اپنی آبرو بہا دکر دی شراب سے مراد شراب شون ہے شرک آسٹونکو کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ میں نے کثرت گریہ سے دل کا خون شراب کے پایہ میں دیکھا یعنی اس میں بھی ایک قطرہ گہڑا اور شراب شون کی اپنی ظاہری حیثیت کو بہا دکر دیا کیونکہ جو لوگ شراب معرفت پی لیتے ہیں ان کو ظاہری آبرو کسی کچھ بحث ہی نہیں رہتی

از برائے باوہ سے باید زدن محنت را حد و بحد و حساب

شراب کے لئے مارنا چاہئے محنت کو بے حد و سمجھاپ

باوہ سے شراب طہر مراد ہے اور محنت بے مقصود نفس۔ بحد و حساب کے معنی اذل سے اجتناب کے ہیں۔ مطلب یہ کہ سقاہد و بھم شراباً طہور اکے اعتبار سے اپنے نفس کو ابتدا سے انتہا تک مارنا چاہئے۔ یعنی جن سے نفس بارہ نہ مرگتا تو وہ قیامت کے روز شراب طہور بنے کاسنی تھوگا۔ شراب طہور خدا کے خاص بندوں کے واسطے ہے

نورستان گردانہ محنت دروہ از منی شالیخ نذر شراب

اگرستون کے لڑ کو محنت سمجھ جائی اوسوقت شراب اوتنی آتش بانی چھڑک

یعنی اگر محنت کے مستون کا لڑا شتیاق محنت کو معلوم ہو جائے تو اوتنی سوزش پر بھائی کے خراب چھڑکے اودا دسکا ملے نہ چو کہ شراب آگ کو بھڑکاتی ہے اس سبب سے



زکوہ بھی اپنے مال میں سے زکوہ نکالی۔ یہی وہ بات کہ اس زکوہ کی نوعیت کیا ہوگی یہ اسی اپنی فکر اور ہمت پر منحصر ہے اور مجازی طور پر بوسہ بھی زکوہ ہو سکتا ہے۔ اس سے زیادہ عقل بھی لیکن حقیقی اعتبار سے عاشق زکوہ حقیقی وصال کا خواہاں ہوگا اور بتا رہا ہوگا کہ اس کا بنی حق ہوں یہاں محبوب سے شاہد حقیقی اور مرشد کامل دونوں مراد ہو سکتے ہیں شاہد حقیقی جنکے مراد لینی میں جس اور مرشد کی مراد لینی میں فیض سلوک زکوہ تصور کرنے چاہئیں۔

مے ترسم کہ حافظ محو کر در ازین شور کی کہ در سر دایم شب  
ڈرنا ہوئیں کہ حافظ محو ہو جائے گا اس شور سے کہ میں ات میں پڑھتا ہوں

اس مقطع میں لفظ حافظ کو بجائے مستحکم کے صیغہ واحد غائب میں رکھا گیا ہے مگر اسی حالت میں سمجھنا چاہئے کہ حافظ سے مراد حافظ صاحب کا دل مراد ہے یعنی حافظ صاحب دنیا سے تہن کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا دل اس شور (جذبہ) سے محو ہو جائے کہ جو میں اپنے سر میں رکھتا ہوں۔ جذبہ سے جذبہ محبت تصور کرنا چاہئے۔

صبح دولت میدہ کو جام محوئی آفتاب فرستے ہیں بہ کجا باشد بد جام شراب  
صبح دولت نکلتی ہے کہ وہ جام مثل آفتاب کے اس سے بہت فرستے کوئی ہوگی جام شراب

صبح دولت سے اشارہ اس وقت اور حالت کی طرف ہے کہ جو ساکان کو پیش آتی ہے۔ اور جب ادن پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو گویا صبح کی طرح غفلت کی ظلمت دور ہو کر موافق استعداد کے کشف حقائق ہونا شروع ہوتا ہے۔ جام مثل آفتاب سے دل سالک مقصود ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ وقت احوال جو کہ مشاہدات اور تجلیات الہی کا اقتضاب صبح کی طرح عارف پر نمودار ہوتا ہے وہ دل کہان ہے کہ اس دولت کے قابل ہو۔ یا مرشد کامل کس حکم سے کلاوس کے طفیل میں یہ دولت میسر ہو جائے پس گویا وہ دل مرشد کو جاہز وقت پاکر اپنا عرض حال کرتا ہے کہ اے مرشد اس سے بہت کوئی سا وقت شراب معرفت پلانے کا ہوگا لہذا تو ادن قیوضات کو جو تجھ میں ذہنیت رکھے ہیں ظاہر کر اور اپنے مرید کو فیض پہنچاتا کہ ہر لگ سب تیری بدولت نازل مقصود تاکہ پورے جہان میں۔

خانہ فیشتویش کی تازی و مطرب بندہ گو موسم عیش است دور ساغر عیش شباب  
خانہ بیکر اور ساقی یا مطرب ترانہ گو عیش کا موسم ہے ساغر کا دو شباب کا زمانہ

تو جو قطرے اس کے خون کے گریو اور شہیہ اناحق کا حقش زمین پر نیا بہاؤ کے جذبہ کی صفائی  
لہذا حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ آجکی رات مجھ پر اس جذبہ پر شوق طاری ہو کہ اگر مجھ کو سولی پر چڑھا دیا جائے  
تو منہ تو کی طرح سر پہ خون سے بھی زمین پر اناحق کے نقش بننے لگیں یعنی میں نے اپنے آپ کو  
آجکی رات محبوب حقیقی کے شوق میں اتنا ہی گم کر دیا ہے کہ جتنا منہ تو نے اپنے آپ کو گم کر دیا تھا +

برات لیلة القدر کے بدتم  
رسیدہ طالع بیدارم شب  
لیلة القدر کی خوشی میرے اتہائی کر  
آجکی شب میرے طالع بیدار سے

لیلة القدر سال میں سے ایک رات ہے کہ زمین جہاں الہی کی تجلی اپنے منشا فی بندہ کی حال کی طرف متوجہ  
ہوتی ہے یعنی ان کی سمجھ اور ذہن میں کشادگی کر کے اور ان کو تیز کرتی ہے۔ غرض کہ یہ رات سال کی  
تمام راتوں سے بڑی بابرکت ہے اور اس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت کی برابر ہے۔ لیکن تحقیق  
یہ نہیں ہے کہ وہ رات کوئی ہے بعض کا خیال ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب ہے بعض کہتے ہیں کہ رمضان  
کے آخر عشرہ میں باعتبار طاق کے وہ رات آتی ہے۔ زیادہ خیال ساریسویں کی طرف ہے۔ مگر شک  
یہاں بھی باقی رہتا ہے بعض استیعق ہیں کہ آخری عشرہ رمضان میں طاق تاریخوں یعنی ۲۱ و ۲۲  
۲۵ و ۲۶ و ۲۹ وغیرہ میں سے کوئی رات ہوگی۔ بہر حال حافظ صاحب کا یہ مطلب ہے کہ آجکی رات  
میرا نصیب جا کا یعنی مجھے جہاں محبوب دکھائی دیا تو یہ رات مجھے لیلة القدر کی برابر ہے کیونکہ دوسری رات  
کا سا فوہ اور انبساط حاصل ہو گیا +

بران غرقم کہ گر جو میر و دوسر  
اس ارادہ میں ہوں کہ اگر میرا سر جاوے  
کہ سر پوش از طبق بردارم شب  
لیکن طاق پر ہے آجکی شب سر پوش اتار دوں

طاق پر سے سر پوش اتار دینا بہت ہی حال کہو لہذا :- یعنی مجھے اتنا جوش خوشی اور انبساط کا ہے  
کہ جاے جان جاتی ہے کہ اگر سر کو اٹھا کر ڈالوں۔ اسرار سے مراد اسرار عشق حقیقی ہیں کہ جبکہ ملک  
کبھی غائب نہیں کرنا مگر حافظ صاحب طالت خوشی میں اس کے ظاہر کرنے پر بھی آمادہ ہیں +

نوصاحب نعمتی من مستحقم  
زکوٰۃ حسن وہ حق دارم امشب  
نوصاحب نعمت ہے میں مستحق ہوں  
آجکی رات حسن کی زکوٰۃ دو کہ میں حق کتابوں

صاحب نعمت پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔ چونکہ حسن بھی خدا کی نعمتوں سے ایک بڑی نعمت ہے لہذا میں نے کہا ہے

از خیال لطف می مشاطہ چالاک طبع و ضمیرِ گل خوش میکند میانِ گلاب  
 لطف می خیال کے مشاطہ چالاک طبیعت ہول کی پنکھری میں گلاب کو خوب چھپاتی ہے  
 یا تو مشاطہ چالاک طبع سے صبا مراد ہے کہ جو عروسانِ چین کی مشاطگی کرتی ہے یا مشاطہ چالاک طبیعت  
 کی صفت ہے جو اجسام کو درجہ کمال پر پہنچاتی ہے۔ یعنی گلاب کی لطافت شراب میں سمجھ مینا  
 یہ کام طبیعت کی چالاک کی کا ہے اور ممکن ہے کہ صبا کو اس چالاک کا فائل قرار دیا جائے یعنی صبا  
 یا طبیعت گلاب کی گل میں پوشیدہ کر دیتی ہے۔ مگر یہ اعتبار حقیقی اس شعر کا اور مطلب ہے۔ اس  
 صورت میں خیال کی رخ کو زبردست پڑھیں گے جسکے معنی قصر کے ہیں۔ مے سے کنا یہ  
 ذات باری کی طرف ہوگا۔ اور مشاطہ چالاک طبع اس قدر اسالک مراد ہوگی۔ اوگل سے اس کا  
 دل۔ ہنگل سے اُسکے مقامات میں کوئی مقام مضبوط ہوگا جو سالک کی استعداد اور اراقہ  
 لطیف کا محک ہوتا ہے۔ اور از روئے عشق درویشِ کامل کے اندر پوشیدہ کرنا ہے۔ پس سیرِ سحر  
 شعر کا مطلب یہ ہو جائے گا کہ استعداد سالک مشاہدہ ذات باری میں مضبوط کرتی ہے مگر  
 ارادہ لطف لطیف جو ہر وقت اس کا تحریک کنندہ ہے اس کو اوچا ہے رہتا ہے اور تمنا ہے  
 عشق۔ سالک کے زمین چھٹی طرح پوشیدہ کر دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا دل کسی وقت محبت الہی  
 سیر نہیں ہونے پاتا۔

از پئے تفریح طبع و زیورِ حسنِ طرب خوش بود کہ پیرِ زین جامِ بعلِ ناب  
 طبیعت کی تفریح کیوڑ اور حسنِ طرب کے زیور کیوڑ زین جامِ ہرج شراب کا اچھی ترکیب ہے

تفریح طبع معنی خوش طبعی یعنی دل سے غم و فکر کا دور ہو جانا۔ زین جام سے دل سالک کی طرف  
 اشارہ ہے۔ بعل شراب سرخ یا انگوری شراب کو کہتے ہیں جس سے یہاں بیان اسرارِ عشق  
 و حقیقت قصود ہے۔ بفر شد ہے مریدِ دل سے بیان کرتا ہے۔ نا اور مطلب یہ ہے کہ تفریح  
 طبع یا آرایشِ حسنِ طرب کے واسطے دل سالک کا اسرارِ حقایق سے ملنا اور ان کو سننا سمجھنا اچھا  
 اس سے بہتر اور سکھنے کوئی اور تفریح نہیں ہو سکتی۔

تا شد آن کہ مشتری ز ہا و حافظ را گوش سیرِ ہرم گوش زیرِ گلابِ ناب  
 جبکہ وہ ماہِ دریا و قضا کا دن سے خریدار ہوا ہے ہرم ہرم گوش بایں نازک و از پختی ہے

خانیہ سے ششیش سے سالک کا وجہ ظاہری مراد ہے جو تعلقات دنیا سے بے فکر تہائی سمانی  
اور مطرب دونوں لفظوں سے مرشد کمال کی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ مختلف صفات کی وجہ سے یہ دونوں نام  
اوسکے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً باعتبار بیان انوار کے جس طالب کو وحدہ و سرور تہائی مرشد کے ساقی کہہ سکتے ہیں  
اور لہذا ظاہر لداری اور بندگی بھی یہاں حقائق میں اوسے کو مطرب کے نام سے بھی نامزد کر سکتے ہیں۔ بذلہ سے  
جہاں وہ ہی بیان حقائق ہیں۔ اور دوسرے مصرع میں موعظہ شریعہ سے منہام دریافت مشاہدات و سور غر  
سے فیضانِ صحبت۔ عہد شباب کی زیادتی کمال معصوم ہیں یہ شعر مطلع کے تحت نہیں ہے۔ اور مطلب یہ ہے  
کہ ایسے وقت میں جبکہ تمام دنیا کی باتوں سے بے تعلقی ہے۔ اور مرشد کمال یا دہر یعنی تمام حالات معارف و حقائق  
سے آگاہ کرتا ہے تو اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّث کے حکم سے اپنے پروردگار کی ہدیٰ منو بخا بیان کر کے  
دوسروں کا اشتیاق جڑا۔ اس شعر میں معمول مرادات کا اظہار ہے۔ اور گویا خود اوجہ بانو خوبان کیا گیا ہے۔  
شاہد ساقی پیرت افشانِ مطرب یا کوپ غمزدہ ساقی ز چشمِ میزبانِ مژدہ خواب  
مشق ادرسانی ماتھ جہاں زوال اور بظریہ میزبان ہوا ساقی کا غمزدہ پرستوئی انگلی سے نیند لے گیا  
شاہد ساقی کے سالک و مطرب سے طالب حقیقت مراد ہے مگر مرشد نامہ میں ساقی سے مرشد کمال معصوم ہے۔ میزبان  
سے اشارہ طالبان معرفت کی طرف ہے۔ اور مطلب صرف اتنا ہے کہ جب مرشد کمال نے بیان معارف و حقائق  
میں کمی کی تو طالب لوگ ماتھ جہاں نے ہاتھ پٹے پھرتے تھے اور بادہ خواہان محبت کی آنکھوں سے فکر  
کے سبب نیند بھٹکتی۔ شعر مذکور مرشد کی کم تو جہی پر طابوئی بقرار کیا بیان ہے۔

خلوتِ فاضلِ شاد و حایِ حسنِ منگاہِ انس اینکہ می ہنم بہ بیدار نیست یا ربی خواب  
خلوتِ خاص ہے اور میں کی گدازان کیلئے نرسنگہ مقام خیرہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں بیداری ہے یا خواب  
خلوتِ خاص ہے مرشد کی خاص صحبت مراد ہے اور اس کو اس کیلئے سلسلہ فرمایا کہ باپیش بادستہ شیطان کا  
خوف نہیں ہوتا نیز منگاہ انس اس خلوتِ خاص کی صفت ہے کہ اتنا امن و رحمت نہیں ہوتی۔ اتحاد و  
انسی درو حانی معصوم ہے اور درخت کی مغارت میں مطلب یہ ہے کہ جب مجھے مرشد کی خلوتِ خاص میں  
کسی سوکھا کہنگا نہیں ہے نصیب ہے اور ساتھ اسکے وہ خلوتِ نرسنگہ انسان بھی ہے تو اوسکی خوشی میں  
فنا تے ہیں کہ یا اللہ میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ یا یہ بیداری کی حالت ہے کہ جو جگہ ایسی نعمت غیر مرقبہ  
حاصل ہو رہی ہے۔

جو تیار اور باغ وغیرہ کی رعائین طاہرین - بہشت طوبی و طوبے لہم حسن باب  
 بخس عارضی قد تو بردہ اندیشہ - بہشت اور طوبے اونکے لئے اچھا ٹھکانہ ہے  
 تیری حسرت اور قد کو حسن سے جو پناہ مانگتے ہیں - یعنی حواریانِ کامل کہ تیرے عارض اور قد کی پناہ میں اونکے لئے بہشت اور طوبی کا ٹھکانہ اچھا  
 عارض کی علت کے لئے بہشت اور طوبے کے واسطے قدا یا ہے مقصود اسکا عشق الہی کر کے  
 بہشت میں داخل ہونا ہے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جن کا شقاوت و بوق نے تیرے عارض اور قد کے  
 حسن سے پناہ مانگی یعنی مرگے وہ داخل بہشت ہوئے۔ اور طوبے کے نیچے سیرکان ہیں۔  
 بہا شرح جمالِ دادہ در سرفصل - بہشت ذکر جمیل تو بردہ در ہر باب  
 بہا نے فصل میں تیرے جمال کی شرح کی - بہشت نے ہر باب میں تیری خوبصورتی کا ذکر کیا  
 یعنی یہ فصل بہا تیرے ہی جمال کی شرح ہے۔ اور باغ بہشت تیرے اوصاف و اخلاق کے  
 چمن کا نمونہ ہے۔ مطلب یہ کہ یہاں دنیا میں بھی تو ہی ہے امد و مان عجبیہ میں بھی تیرا ہی جلوہ

ہوگا - ۴

لب لباب میں ترا ہے اسما حقوق نام - کہست ہر جگریش سینہ ہاوی کباب  
 ای (مرشد) تیرے لب ہا میں کہتے حقوق نام - دلریش اوکے سینہ کباب لوگوں پر

پر نہ اکثر اسخون میں اسجگہ بہت سے لیکن جگہ اسی قسم کا صنون اس سے پہلے لے لیا  
 تو حقوق نام ۴ داشت برہا تھا ہے سینہ کباب ۵ مین آچکا ہے اور ہم لوکی شرح ہی میں  
 ہر لکھ آئے ہیں۔ چونکہ مطلب وہ تو تھا ایک سے اسلئے دوبارہ اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ناظرین  
 اس سے قبل کی بھی غزل میں ملاحظہ فرمائیں ۶

بسوخت اس زل زل و بجاہم دل نرسید - ہوا مگر نرسیدی زبختی خوشناب  
 یہ ہوا دل میں گیا اور دل مقصد پر نہ پہونچا - اے سیمبہ نہو بختا تو خوشناب نہ ہوتا

یعنی یہ ہوا بے استعداد دل آتش بھریں میں گیا اور وہی مقصد پر کہ جس سے شہادت مقصود ہے  
 نہ پہونچا یہ ترقی پر ضرور پہونچ جاتا اگر آنکھوں سے اشک گر کر عشق کا حال اظہار نہ کرتا۔ بہتر  
 شہادت کا وہ بل اشد پلے تھے ہیں جو راز عشق کی طرح اظہار نہیں کرسکتے۔ مطلب یہ کہ دل کو



ظاہر انہ رعایتیں بہ مشتری اور ذہرہ میں درمے حافظہ مقصود تھا حافظہ اور کوکوش لفظ کی  
مناسبت ہے۔ ماہ و مراد معشوق مجازی یا مرشد کمال یعنی جب سے کہ مرشد کمال یا محبوب مجازی  
حافظ کے اشعار کو کان و دیکر سنتا ہے تب سے نہرہ کے کان میں ہر وقت رہا پ کی ناکل و ا  
پہنچتی رہتی ہے۔ ماہ و مجازی صورتیں معشوق مجازی اور حقیقی میں مرشد کمال مراد لین گے۔  
لیکن اس مضمون میں نیا وہ ترشاعری کی خوبی ہے اور کوئی ایسا پیدا مطلب نہیں کہ جس کے واسطے  
صاف الفاظ کو استعارات کی کینچ تان بن ڈالا جائے

زباغ وصل تو یا بدیر یا خضر صنوان آب زتاب چر تو دار و شہار و دوزخ تاب  
تیرے وصل کے ہا غسیر بارغ بہت کو پانی ملے تیرے چر کی حرارت سے دوزخ کی آگ کو گرمی پہنچ  
ان شعر میں صرف معشوق کے وصل و بھیر کی تعریف ہے اسلئے اگر معشوق سے ہر دو قسم کی کوئی  
معشوق مراد لے لیں تو شعر کے مطلب میں کوئی فرق نہیں آتا یعنی تیرے بلع وصل سے مٹنے  
صنوان کو پانی ملتا ہے ٹھنڈک پہنچتی ہے۔ اور چر کی حرارت سے دوزخ کی گرمی بھی بچا دیا مٹنے  
لگے گی۔ وصل ایسا اچھا ہے اور بھیر اتنا برا۔

چو چشم من ہمہ شب جو یا بار بعل بہشت خیال نگر مست تو مہیلا نذر خواب  
میری آنکھ تمام رات اند جو یا بار بہشت کے ہے خیال تیری نگر مست کا خواب میں دکھتی ہے  
یعنی جسطرح کہ میری آنکھ تیری نگر مست کا خیال خواب میں دکھتی ہے اسی طرح جو یا بار بہشت بھی  
اسکے خیال میں رہتی ہے۔ مگر چونکہ جو یا بار کو نیند نہیں آتی پس وہ نگر مست کے خیال کو کیسے خواب میں  
دیکھ سکے گی۔ اس کا ایک نسخہ درخشم بھی ہے لیکن صورت میں جو یا بار بلع بہشت خبر اول  
اور مصرع ثانی اسکی خبر دوم مستحکم ہوگی اور لفظ جو یا بار کو بذریعہ حذف کے رات بھر صفت دیا جائیگا  
اور مطلب یہ ہوگا کہ میری دو آنکھیں کثرت گریہ سے جو یا بار بلع بہشت بنی رہتی ہیں جبکہ  
تیری مشتاق نگر مست کا خیال خواب میں لاتی ہیں۔ مخفی نگر سے کہ جو یا بار اور نگر مست کو یہ مناسبت  
بھی ہے کہ با عین نگر مست کی کباروں کے چاروں طرف پانی کی نالی دوڑاتے ہیں تاکہ اسکے  
پہلے آنکھیں پانی میں پھر کر لطیف دوا لاکرے۔ اس اعتبار سے خیال کا لفظ قطعاً غار جڑنا صحیح ہوگا  
لیونکہ اس خیال کے معنی نقشہ یا عکس کے ہیں۔ دوسری صورت خواب و خیال چشم اور نگر مست کی



تو کہی میں بھی نہیں یعنی سب کچھ فانی ہے۔ ان اعتبار سے اگر وہ اون چیز نہیں ہوتا تو فنا ہوتا لیکن چونکہ وہ باقی ہے اس لیے صاف ظاہر ہے کہ سب میں وہ ہی ہے اور کچھ کسی میں بھی نہیں ہے۔

نصیحہ گفت یاد گیر و عمل کر کہ این حدیث زیر طریقت مراد است  
میں تجھے نصیحت کرتا ہوں یاد کر اور عمل کر کہ یہ بات مجھے بہ طریقت سے پہنچی ہے

نہ کہہ بالا شعر کے تحت میں یہ معنی اور مخاطب میں تجھے جو کچھ بتلانا ہوں نصیحت تجھی مرشد کمال کی ہے کہ صاحبِ جگہ ہے اور پھر لطف یہ کہ کہیں بھی نہیں یہ وحدانیت کا اشارت میں جو مجھے پیر نے تلقین کئے ہیں۔

محمود درستی عہد از جہان مست نہا کہ این عجز و عروس ہزار داماد است  
دنیا سے مست نہا و درستی مست ڈھونڈ کہ یہ بڑھیا ہزار خضموں کی جو روسے

یعنی دنیا کی عہد کا اعتبار نہ کرنے اور اس کی دوستی وجود ڈھونڈھ کیونکہ تو کسی کے ساتھ عہد تو نہیں کیا کبھی کسی کے موافق ہوتی ہے۔ اور کبھی کسی کے۔ اگر وفادار ہوتی تو صرف ایک ہی شوہر رفاقت کرتی ہے۔

چہ کو نیت کہ بختیازہ دوش مست خراب سر و ش عالم عظیم چہ خرد ما واد است  
بخت سے کیا کہوں کہ کل مست خراب بختیازہ سر و ش عالم غیب نے مجھے کیا خوشخبری سنائی

بختیازہ سے مراد منزلِ حقیقت اور مست خراب کو مستحکم معنوں میں حافض صاحب نے کہا کہ مجاہدین جو بخت و خرابی تہا تو بخت سے کیا کہوں کہ جو مردہ جانفزا سے ہاں عالم غیب سے پہنچا ہے اور وہ مردہ یہی

کہا سے بلند نظر شاہیازہ نشین نشین تو نہ این کج محنت آباد است  
کہا سے بلند نظر شاہیازہ نشین نشین تو نہ این کج محنت آباد است

تراز کنگرہ عرش میرشد صفر نہ امنست کہ درین دامگہ چہ اقا واد است  
تجھے کنگرہ عرش کی طرف بلانے ہیں نہ امنست کہ درین دامگہ چہ اقا واد است

یعنی محکمہ عالم حبیب قوشہ بنے نندہ کی شاہیازہ بلند نظر اور سرد کو رہنے والی تو ان دنیا کی فانی کو اپنا شین مت سمجھ بیتی ہے نہ کی جگہ نہیں ہے بلکہ تجھے گروہ ملا کہ تعین غرض کے کنگرہ کی طرف بلانے کیلئے آواز دیتی ہیں۔ یہاں اہل بیت کو یہ کی طرف اشارہ ہے واللہ یدعو الیہ اور اللہ فی نوکودار السلام

کی طرف بلایا۔ دار السلام سے مراد جنت ہے۔ اللہ محکمہ بہشت میں بلاتا ہے اور میر کو ملک سامان طیار میں نہیں سمجھتا کہ دنیا میں تجھے یا چیر بسندان سے کہ جو تو اس کا فریقہ ہو رہا ہے۔

مجرم رونا نہیں چاہے تھا +  
 گمان مبرکہ بدور تو عاشقانِ ستمند  
 گمان نہ کر کہ تیرے دور میں عشق مست ہیں  
 خبر ناری ز احوالِ ناپیدانِ خراب  
 گمان نہ کر کہ تیری عہدین عاشقان ہی مست ہیں بلکہ زاہد بھی خراب حال ہو رہے ہیں غلطیہ کہ کچھ عاشقوں  
 ہی سستی موقوف نہیں جو کوئی تیرا عشق کر گیا وہ خراب ہو جائیگا۔ خراب مبنی مست آیا ہے۔  
 مراد بدولت شد یقین کہ جو ہر عمل  
 تیرے لب کے عہدین بھی یقین ہوا کہ گو ہر سرخ  
 پدید میثود از آفتاب عالم تاب  
 آفتاب عالم تاب سے پیدا ہوتا ہے  
 تمام معدنی اشیاء و جہالت کی پیدائش کا سبب سورج ہی اور شاعر و مخالفہ کی کہ معشوق کرخ کو آفتاب ہی اور لب  
 عمل کشیدہ کرتے ہیں لہذا حافظ صبا بطور تجاہلِ عرفانہ فرماتے ہیں کہ بھی اس کے پہلے یقین تھا یا نہ تھا کہ سورج کے سبب  
 عمل جو ہر پیدا ہوتا ہے مگر تیرے لب سرخ اور رخ روشن کو دیکھ کر یقین کلی ہو گیا کہ ضرور آفتاب ہی پیدائش  
 عمل کا سبب کیونکہ تیرے روئے روشن کے نیچے لب عمل نمایاں ہیں +

مہل کہ عمر بہودہ گنہ رد حافظ  
 بجوش و حاصل عمر عزیزا دریا +  
 اور حافظ سستی نہ کر کہ عمر فضول گذر جائے  
 کوشش اور حاصل عمر عزیز کو پا +  
 گویا حاصل عمر عزیز مرتبہ عرفان ہی لہذا مطلب یہی کہ اسے حافظ سستی نہ کر اور عمر عزیز دستِ مفت حاصل کر لے  
 جو شخص کہ کیونکہ زندگی ہی میں انسان کچھ کر سکتا ہے مگر کمال حاصل کر نہکا موقع نہیں رہتا +  
 بیا کہ قصر الِ سحت مست بنیاد است  
 بیا را دہ کہ بنیاد عمر بر باد است  
 آکہ قصر زندگی بہت سست بنیاد است  
 شراب لا کہ عمر کی جڑ ہوا پر ہے +  
 یعنی انسان کے جسم کی بقا نیکیاں فعال سرزد ہونی یا عبادتِ ظاہری یا بخل و طمع اور عبادتِ باطنی یا غفلت و غفلت  
 چاہے ہو بلکہ نہرا محبت ہی اپنی لازم ہے اس کو کہ انسان کی عمر مثلِ صابنِ بلب ہے اور جو کچھ فرشتہ اور انکو غنیمت سمجھ کر شاخصی طرف  
 لو لگاتے +

غلامِ مہتِ آخر کہ زیرِ چرخِ کبود  
 ز سرِ چرخِ رنگِ تعلقِ بندِ آزاد است  
 مہل کی مہت کا قایل ہوں کہ نیلے آسمان کے نیچے  
 جس کسی رنگ سے تعلق قبول کیا آزاد ہے  
 یہ غفلت کی وجہ سے کہ مہینہ کی کہ مہینہ خیرین سے آسمان نگیو گئے بھی پیدا کیں ہیں سب میں سب کا رنگ ہی مگر ہر کچھ

دیکھ (دلیف و زانو)

بکام تاثر مہاندرا کیشِ چن لاسے  
 جب تک لہجے کا مجھ پر سلی ہو گویا  
 دیکھتے ہی مجھے عالمِ کبوتر میں باد است  
 جہان کی نصیحت میرے کان میں ہو گئی  
 یعنی جیوت تک کہ اس کا لب مجھے کامیاب کر لے  
 جیوتی پوسہ نہ دے اس وقت تک اگر تمام جہان  
 بھی مجھے نصیحت کرنے تو وہ نصیحت کان میں ہو گئی  
 تا عدم کی جب پہلی جانا چاہیں تو پہلے  
 اسے ہونہ چاہئے میں تب پھر طرح طرح کے نعمات اس سے صادر ہوتے ہیں بلا ہونٹھ لگائے پہلی  
 نہیں بچ سکتی +

میانِ فکر خدا آفریدہ است از ہنج  
 در میانِ اس کے خدا نے ریت نہ پیدا کی ہے  
 دقیقہ ایست کہ صبح آفریدہ بخشا است  
 یہ باریکی ہے کہ کوئی مخلوق نہیں جان سکتا  
 میان سے کنایہ اس رازِ رازِ لکھنوت ہے کہ جو طالب اور مہلوب کے درمیان ہوتا ہے دقیقہ کے  
 معنی باریکی کے ہیں کہ جب سمجھنا مشکل ہو پس مطلب یہ ہے کہ جو کچھ رابطہ ہے اور محبوب سے ہے اس کو  
 کوئی نہیں سمجھ سکتا کیونکہ وہ ایک باریکی ہے جس کا خلق زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم عالمِ اطلاق سے  
 عالمِ مین کیوں آئے ہیں اور ہم سے اور ہماری اصل سے کیا رابطہ ہے۔

گداے کوئی تو از مرثتِ خلد است  
 تیرے کوچہ کا فقیر آٹھون بہشتوں سے بے پروا ہے  
 اسیر بد تو از سرودہ عالم آزاد است  
 تیری قید کا اسیر و فون عالم سے آزاد ہے  
 یعنی تیرے دے کے فقیر کو کسی نعمت ظاہری کی پروا نہیں اور جو تیرے عشق میں گرفتار ہے وہ دونوں جہان  
 کے غم سے فارغ الہا۔

اگر چہ عشقِ خراب کر دے  
 اس کی ہستی میں زینِ خرابی باد است  
 اگرچہ مجھ عشق کی مستی نے خراب کر دیا لیکن  
 میری زندگی کی بنیاد اس خرابی سے ہے  
 طلب صاف ہے کہ گونجے عشقِ حقیقی نے ظاہرین خراب کر دیا ہے مگر میری دہی زندگی کی بنیاد اسی  
 عشق سے ہے۔ اسلئے کہ عاشقانِ خدامتے نہیں ہیں بلکہ اس جہان تو اس جہان کو نقل ہو چکے ہیں  
 ولا مثال زہید اور جو ریا کرے یار +  
 تیرے غضب میں کردہ است و این داو  
 تیرے غضب میں یہی لکھا ہے اور کچھ ہی دیکھ  
 بیدار و جور سے یا تو پھر مراد ہے۔ یا غائب یار سے کنایہ خدا تعالیٰ کی طرف ہے اور مطلب یہ ہے کہ اسی دل کو

عزم جهان مخور من بہر از یاد  
کہ این لطیفہ بغیر رویاوست  
عم دنیا نہ کہا در یہ میری نصیحت بہول  
کہ یہ لطیفہ عجیب مجھے ایک سافر نے بتلایا تھا  
مسافر سے مراد مرشد کمال ہے اور جتنے لوگ دنیا میں آئے ہیں وہ سب سافری ہوئے ہیں یہی اعتبار ہے  
مسافر ہوا اپنی پچھلے محو میرے استاد نے بتلایا تھا پس میری نصیحت کو کبھی نہ بھولنا چاہیے کہ تجھے دنیا کا عزم  
بہرگز نہ کہنا چاہیے +

رضا بدادہ بدہ در حنین گرہ بکشاہ  
کہ بہن تو در اختیار نکشاہ است  
دے ہوئے پر رنجی و پیشانی کی گڑھ بھول  
کہ میرے ہاتھ سے اوپر در اختیار نکشاہ نہیں ہے  
یعنی جو کچھ حق نے تجھے دیا ہے اس پر رنجی نہ کرنا چاہیے اور سہمی رضا مندی ظاہر کرنا چاہیے اگر زیادہ کی فکر کرے گا تو سوا  
اندوہ و ملاں کے کچھ ہاتھ نہیں آسکا اور خدا کی عطا شدہ شے زیادہ ہاتھ آنا ناممکن ہے مین یا تو  
کچھ اختیار نہیں کرتی یہاں اس لفظ اختیار سے اختیار کلی مراد ہے معنی +

نشان مہر وفا نیست در بسم گل  
بنان بلیل سکین کہ جانی فرما دہ است  
خندہ گل میں مہر و وفا کا نشان نہیں ہے  
اسے غریب بل رو کہ فریاد کی جگہ ہے

بسم گل سے دنیا کے چھپے مراد ہیں او گل کے اعتبار سے بل لائے ہیں جس کو کنایہ انسان کی طرف ہے  
مطلب یہ کہ اگر غریب سافر دنیا کی لذت پر اعتبار کر کے خوش رہتا ہو بلکہ وہ اس طرح کہ اس کی ہمتی میں وفا نہیں ہے  
اس شعر کی دنیا کی ناپائنداری اظہار کی گئی ہے اور بلیل سکین کا نسخہ عاشق بیدل بھی آتا ہے +

حسد میری اسی سست نظم پر حافظ  
قبول خاطر لطف سخن خدا دہ است  
اسے سست نظم حافظ پر کسلے حسد کرتا ہے  
دلی مقبولیت اور لطف سخن خدا داد چیرے  
سست نظم سے گندہ ذہن شخص مراد ہے اور مطلب صاف ہے کہ اگر گندہ ذہن تو حافظ ہی کہہ سکتا ہے  
کہ تا ہی مقبولیت عام اور لطف سخن خدا داد ہے یہ کسی کے بس کی بات نہیں +

برو بکار خود ای و اعطایں فرما دہ است  
بر افتادہ دل از کف ترا جفا دہ است  
اے دعا جانا اپنا کام کر یہ فرما دہتی ہے  
میرے ہاتھ سے دل گیا تجھ پر کیا نصیحت ہوئی  
یعنی اے دعا تو نصیحت کر کے کیوں خود غل کرتا ہے میرے پاس نہ ہی نہیں ہے تجھے اپنی  
بڑی ہے مطلب یہ کہ جب دل ہی نہیں رکھتا تو تیری کیا سنوں +

گناہ ہمیں نہ کوئی عیب ہے +

بادہ نوشی کہ در فوج ریاستے نمود  
بہتر از زہد فروشی کہ در درویشیست

وہ بادہ نوشی کہ حسین کوئی مکر نہو  
یعنی وہ شراب نوشی دنیوی و مجوز کہ ہمارے مرشد کامل کے ساتھ ہوا اس نقوی ریائی سے بہتر ہے

کہ حسین فریب ملا ہوا ہوتا ہے +

بانہ مردان ریاستیم و حریفان نفاق  
آئکہ او عالم سیرت بدین حال گواہ

ہم نہ ہیا کا سیرتین اور نہ نفاق حریف  
وہ جو کہ ہمید سے واقف ہوا اس حال کا گواہ ہے

یعنی ہم ریاستہا میں نہ نفاق ڈالنے والے حریف ہیں اس لئے کہ ہم سیرت و واقف ہر دم ہی ہمارے  
حال کا شاہد سمجھا جاتے ہیں +

فرض انیر و بگذا ایم و جس بکن نسیم  
واخچہ گویند روانست بگویم رسوت

ہم خدا کا فرض ادا کریں کسی گناہ بڑی نہیں کرتے  
جس چیز کو روانست بتلاتے ہیں اس سے جائز نہیں

آدمی کے لئے خدا کی معرفت ضروری بلکہ فرض ہے۔ چنانچہ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ ہم ہی کے ساتھ  
بڑائی نہیں کرتے اور اللہ کا فرض ادا کرتے ہیں۔ فرق یہ کہ شراب کو سب نامہا ترک کرتے ہیں۔ مگر ہم

شراب محبت کو جائز بتلاتے ہیں +

چہ بود کہ من تو چند قدر بادہ خوریم  
بادہ از خون رزناست نہ از خون شکست

کیا خیر ہو کہ اگر میں اور تو چند پیالہ شراب پیں  
شراب انگو رونکے خون کی بنی ہو تھا خون کی تیز

خواجہ صاحب مصنف دیوان عیب جو لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم چند پیالہ شراب کے پیتے تو اس میں  
کیا حرج ہے۔ کیونکہ غراب انگو رونکے خون کی ہے۔ آدمیوں کے خون کی نہیں ہے اور تم لوگ

جب آوروں کی عینیت کرتے ہو تو گویا ایسا جحد کمر این یا حاکم الحما خیر کے اعتبار سے  
اپنے بہائی کا گوشت کھاتے ہو۔ بہر حال عینیت اور عیب جوں کرنے سے شراب پینا اچھا ہے

اس واسطے کہ یہ آدمیوں کا خون تو نہیں ہے۔ اور جو لوگ چھپ چھپ کر پیتے ہیں وہ اپنی بہائیوں کا  
خون پیتے ہیں جیسا کہ کلمہ بالا میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی پیٹھ چھپے وہی

کرے تو گویا اس نے آدمی کا گوشت کھایا +

ہجر با برین یا اول کے عتاب سے مجید مت ہو کیونکہ خدا نے تیری نعمت میں ہی کھلے ہے۔  
یعنی یہ سلام نصاف ہے۔ رونا قافہ وقت چلے کر جب بے انصافی ہوتی ہو۔ اگر عتاب ہے  
تو یہی تنبیہ کے واسطے ہے اور عمل کی سزا ہے نا انصافی چھٹی زین کہلاتی پھر کون رونا ہے  
برو فسانہ مخوان و فسون مردم حافظ کزین فسانہ و فسون بر اسی یاد است  
حافظ جانہ قصہ ٹھہرنا فسون بھونک کہ ایسے قصے اور فسون مجھے بہت معلوم ہیں  
افسانہ اور فسون سے عشق محبت کی طرف اشارہ ہے۔ حافظ صاحب اپنے دل سے کہتے ہیں کہ دل جا  
اپنا کام کر اور مجھے عشق و محبت کے قصے نہ سنا کیونکہ میں حقیقی عاشق ہوں اور مجھے ایسے بہت سی قصے  
و افسانہ معلوم ہیں +

روزہ کی خوشد و عید آمد و دلہا برقا سے بے توجانہ خوش آمد و بایں ہوا  
روزہ بر طرف ہوا عید آئی دل آمد ہے شراب شراب توجانہ میں خوش کرتی ہو گئی چاہے  
ظاہری مطلب صاف ہے کہ رمضان گزر گیا عید آئی دل سینوں میں آمد ہے۔ شراب شراب توجانہ میں خوش  
کرنے لگی پھر کیا دیر ہے وہ چلنا چاہے کوئی مانع پیش نہیں۔ لیکن باطنی مطلب یہ ہے کہ نہ وہ مجاہد  
کا نانا گزر گیا مشاہد توجی صفات کا وقت آیا اور عشق محبت سے دل میں جوش ہوا۔ اب طالب سے  
پورا مرشد ہوا چاہتا ہے۔ اور وقت شادی و مل محبت حقیقی کا آپہونجا اب طلب میل کرنی چاہئے +  
نوبت زہد فروشان گراں جان بگدشت وقت شادی و طرب کردن ندان برقا  
زہد بیچنے والے سخت جان تو بچی نوبت گزر گئی وقت رند و بکی خوشی کرے گا آپہونجا +  
بہلا مصرع رہا کارناہ دن کی صفت میں ہو جو دنیا کی خوشی پر مرتے ہیں۔ دوسرے مصرع میں  
ما شفقان الہی کی وصال کی خوشی کا ذکر ہے یعنی اُن زہد فروش زاہد بکی باری پہنچی جہر طین کر تو تھر  
اب ہماری خوشی کا وقت ہے کہ ہم کو وصال میسر ہو گا +

چہ ملامت بود آنرا کہ چو با ما بادہ خورد این نہ عجب از منت عاشق رند و خطا  
اوسکو کیسی ملامت کہ جو ہمارے ساتھ شراب پیے یہ نہ عاشق رند کے لئے عجب ہے نہ گناہ  
شراب سے مراد شراب معرفت اور رند سے مقصود عاشق صادق ہے یعنی جو شخص ہمارے ساتھ  
شراب معرفت پیے وہ قابل ملامت نہیں ہے اوسے کہ عاشقان صادق کو شراب محبت الہی پینا جائز ہے



وراندرون میں جستہ دل ندائے کسیت کہ میں جو شمع وا و در فغان و غوغا هست  
 میں نہیں جانتا کہ مجھ جستہ دل کے اندر کون سے کہ میں جو شمع ہوں اور وہ مشور و غوغا کرتا ہے  
 یعنی مجھے خبر نہیں کہ میرے دل میں کون کی تین چپ چاپ ہوں اور وہ شور مچاتا ہے۔ مطلب یہ کہ میرے  
 دل میں ہمیشہ محبوب حقیقی مشور و غوغا کرتا ہے اور وہ ہی طرح کے اسباب میں نمودار ہوتا ہے یہ ایک  
 حالت ہے کہ جس نفس کرنے اور سلطان الاذکار شغل کہنے سے سالک کے دل میں کبھی دیک کے  
 سے اوچھان اور گاہی ہر کی آواز کے مشابہ معلوم ہوتی ہے۔

دل پر پردہ برون شد گجائی امی مظر بنال بان کراہین پردہ کار ماہنو است  
 میرا دل پردہ سے باہر ہوا ہے مگر کجائی کہاں ہے بان مدد کہ یہ پردہ مہیا با سامان ہے  
 پردہ سے ناک نام اور تیر صفات بشری مراد ہے۔ مطلب معنی مرشد بنال یعنی اسرار عشق  
 بیان کراہین پردہ سے اشارہ بیان اسرار کی طرف ہے نوک کے معنی سامان کے ہیں۔ مطلب یہ کہ  
 اسے مرشد عشق کے رموز جو تو مجھے چہا تا ہی شاید تو یہ سمجھتا ہی کہ میں ابھی ادن اسرار کے سننے کے  
 لائق نہیں ہوں اب میرا دل کہاں ہو کہ جو پابند تنگ نام تھا میں سب رندی اور پارسانی کو چھوڑ بیٹھا  
 آ اور اسرار حقیقت بیان کر کہ اس بیان سے ہمارا کام بچا ہے۔

مرا بکار جہان ہرگز التفات نبود رخ نو در نظر من چنین خوشش راست  
 جہان کے کام سے مجھے ہرگز غرض نہ تھی تیرے رخ نے میری نظر میں ایسا اچھا منور کیا  
 مطلب یہ کہ دنیا کے کام ہر کسی کی محبت و غرض نہ تھی لیکن جب تو نے اس عالم میں اپنا جلوہ دکھا کر  
 اوسکو اپنے ظہور و آراستہ کیا تو مجھے بھی اچھا معلوم ہونے لگا۔ رخ تو سے نمونہ ہائے قدس قلوب  
 بیچون مراد ہیں۔

سختہ ام ز خیلے کہ می برم شب ہا خمار صد شبہ شہد شرا بخانہ کجاست  
 میں اس خیال سے نہیں ہوتا کہ رات دن شراب پوں خمار سوراخوں کا کہتا ہوں کہ شرا بخانہ کہاں ہے  
 خمار صد شبہ یعنی خمار ازلیہ شرا بخانہ سے مراد عالم عشق ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ عشق محبت کی سختی ہے  
 کہ شب و روز اس کے سودے میں ہوں کسی وقت آرام نہیں پاؤں۔ اور یہ شہدائے عشق کا خمار جو مجھے  
 ازل سے حاصل ہے کسی طرح دور ہو نہ والا نہیں مگر شراب نوشی کے ذریعہ سے دور ہو سکتا ہے۔

این ز عیب است که ز عیب خلل آید  
 و روی عیب چه شد مردم ز عیب کیست  
 عیب چنین کہ اس عیب تو خلل چرباست  
 اور اگر عیب بھی تو کیا حج بنے عیب کون  
 بہر کہتے ہیں کہ شراب پینا عیب نہیں ہے جس سے خلل واقع ہوا اور اگر بالفرض عیب بھی ہے تو کیا مضیقا  
 اس واسطے کہ دنیا میں بے عیب شخص کو ملنا ہے  
 وہم ہو کہ شراب و سہم ہو ہر جگہ شراب محبت ہے۔

حافظ از عشق خط و خال سرگردان است  
 یحییٰ پر کار دل نقطہ دل مابرجات  
 تیری خط و خال کے عشق سے حافظ سرگردان ہے  
 مگر یا نہ پر کار کے نقطہ کے دل ایک جگہ ہے

ذاتے ہیں کہ حافظ تو خط و خال کے عشق میں پرکار کی طرح سرگردان و پریشان ہے لیکن رکنا مرکز  
 اوی جاگہ جو یعنی ہمیشہ تیرے پاس ہی رہتا ہے مطلب یہ کہ گوین ظاہر ادنیٰ کے اسباب میں گرفتار  
 رہتا ہوں لیکن باطن تیری ہی طرف میں خاطر رکھتا ہوں۔ اسکا مخاطب ذات باریقلے یا مرشد  
 کامل دونوں ہو سکتے ہیں۔

جو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست  
 سخن شناس دلبر احتیاج است  
 جب تو عاشق کی بات سنی تو یہ کہ خطا ہے  
 اسے دلبر تو سخن شناس نہیں ہے یا خطا کی ہے

اہل دل سے عاشق مراد ہے۔ اور شنوی مخاطبناصح کو سمجھنا چاہئے۔ دلبر اکا الف ثانیہ جو جسکے معنی  
 اسے دلبر کہ گویا ناصح کے لئے بطور استہزاء استعمال ہوا ہے پس مطلب یہ ہے کہ اسے میرے دوست  
 جسوقت کہ عاشقوں کی باتیں تیرے کان تک پہنچیں تو انہیں بکوش دل سن اور یہ بت کہہ کہ یہ  
 خطا ہے بلکہ جتنا یہ ہے کہ تو سخن فہم نہیں اعلان رموز کو سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔

سرم بدنیا و عقیٰ فروئے آید  
 تبارک اندازین فتنہا کہ در سرام است  
 سرمیرا دنیا اور عقیقہ میں نہیں جھکتا  
 برکت سے اللہ یہ فتنے کہ میرے سر میں ہیں  
 تبارک اللہ کا لفظ اذوقت استعمال ہوتا ہے جب کسی کو بزرگی کے ساتھ یا دارین جیسے کہ تعالیٰ اللہ  
 فتنہا سے ترک کونین بطرف اشارہ کی مطلب یہ ہے کہ میرا سروایتی جناب کے کبھی دنیا یا عقیقہ کیلئے  
 نہیں جھکتا۔ خدا کی شان ہے کہ ایسے ایسے بڑے فتنے میرے سر میں ہیں۔

و آید کہ عاشق کا دل ہمیشہ معشوق حقیقی کی یاد میں رہتا ہے اور اسکی آواز ہر وقت کا نون میں  
 پہنچتی رہتی ہے۔

دیکھتی ہے اور مجھے میرے شوق کا کرنا رہنا ہے پس تو خود جان سے کہ عبادت کا وقت  
 جس سے زہد و پارسانی مراد ہے کو ملتے اور دیکھیں سے و رد و وظائف مقصود میں کسٹھ  
 ہو سکتے ہیں۔ یعنی میں ہمیشہ یاد محبوب میں مستغرق ہوں مجھے سی و ما اور اتقا کی حاجت نہیں  
 نذا ہے عشق تو دو شمع در اندرون داود  
 تیر و عشق کی آواز کل میر کا غمیں پہونچی  
 فضا کی سینہ حافظ مہنوز پر رخصت  
 سینہ حافظ کی فضا بھی تک آواز پر ہے  
 شمع اسبق سے اوپر کے شمع میں یہ مصنون بیان ہو چکا ہے یعنی جب سے حافظ نے آواز  
 حبیب کی البتہ ہر جگہ سنی ہے تو اب تک او کا سینہ غایت شوق قائم بلکہ اسے بہرا  
 ہوا ہے۔ فضا یعنی خلا کہ ہے +

روضہ خلد پرین خلوت درویشان است  
 مایہ محبت خدمت درویشان است  
 بہشت برین کا باغ خلوت فقر و تنگی ہے  
 اور محبت کا مایہ خدمت فقر و تنگی ہے  
 یعنی عارفان حقیقی کی خلوت بہشت برین کا باغ ہوتا ہے پس ایسے لوگوں کی خدمت کرنا گویا محبت  
 و جلالت کی یونچی سمیٹنا ہے +

کنج عزلت کہ طلسمات عجائب ارد  
 فتح آن در نظر ہمت درویشان است  
 گوشہ تنہائی عجیب عجیب طلسمات رکھتا ہے  
 اوس کا کہونا فقر و تنگی نظر کی ہمت میں ہے  
 کنج عزلت سے اشارہ مشاہدات کی طرف کو ہے کہ جبکا حاصل ہونا عزت پر محضر ہے۔ یعنی  
 ذات حقیقی کا مشاہدہ جو عجیب و غریب ہے۔ عجیب و غریب طلسم کا کہونا فقر و تنگی کا طین کے ارادہ  
 اور ہمت پر محضر ہے۔ حاصل اس کا حالت معرفت بیان کرنا یعنی اگر درویش لوگ جاہل تو مشاہدہ  
 کے عجیب و غریب طلسم کو کہول سکتے ہیں۔ اور کوئی شخص اوس کو نہیں جانتا +

مقرر فردوس کہ عنوانش بدریانی است  
 منظری از زمین نریت درویشان است  
 مقرر فردوس کہ عنوان او کی دریانی کرتا ہے  
 درویشوں کی زمین کی نریت کا ایک منظر ہے  
 یعنی قصر بہشت کہ جو اس قدر مرتبہ اور بزرگی رکھتا ہے کہ جسکی دریانی پر عنوان مقرر ہے۔ عاشقان  
 کمال کی نریت زمین کا ایک نظر گاہ ہے۔ حاصل اسکا بزرگی معرفت ہے۔ اور مقرر فردوس  
 کے لئے روضہ عنوان بھی آتا ہے۔

یا مشاہدہ شہادۂ تجلیات سے کہ جو عالم ملکوت و جبروت میں ہے لہذا مجھے تبارک و تہ شہانہ  
عشق با عالم ملکوت کہاں ہیں اور وہاں پہنچنے کا ذریعہ کیا ہے تاکہ اس جگہ پہنچ کر اس غم  
والہ سے رانی پاؤں۔

چلن کہ صومعہ آلودہ شد بخون دلہم گرم ببادہ بشوید حق بدست شمس  
جیسا کہ عبادتخانہ سیر دل کے خون سے آلودہ ہوا اگر مجھے شراب سے دہو تو بہتاری لگی تھی کہ  
صومعہ کی مراد قلب ہے اور خون دل سے مجاہدہ مطلب یہ کہ ریاضت و مجاہدہ حد کو پہنچایا نہ جائے  
کہ میرا عبادتخانہ وجود یا دل خون سے آلودہ ہو گیا ہے یعنی رنگ گیا ہے۔ پس اسے عاشقان کامل  
اگر عبادتخانہ وجود کو بادۂ عشق سے دہو تو بہتاری لگی ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایسا کننا نہیں کام ہے اور طرح  
کہ عاشق کا کام ہمیشہ یا محبوب سے وہاں لگانے کا ہوتا ہے وسیط میں بھی نہیں لگاؤ لگاؤ ہوئی  
ازان پدید کرتا غم عزیز سب دارند کہ آتشے کہ مزید ہمیشہ در دل است  
اسلئے دیرمغان مجھے عزیز کہتے ہیں ایسی آگ کو بھی نہ بجھے ہمیشہ ہمارا دین رہتی ہے

طاہری مطلب صاف ہے باطنی اعتبار سے دیرمغان کا اشارہ مقام عاشقان کی طرف ہے۔  
اور کبھی نہ بچنے والی آگ سے آتش عشق مراد ہے۔ مطلب یہ کہ عاشقان ہی ہمیں اسلئے عزیز کہتے  
ہیں کہ ہمارا تپش عشق کبھی فرو نہیں ہوتی۔ اور ہمیشہ یکساں رہتی ہے۔

چہ ساز بود کہ بواخت مطرب عشاق کہ رفت عمر و مہنوم و مانع پر ز صدا  
کیا بات تھی کہ مطرب نے عاشق نہ لڑائی کی کہ عمر گزشتگی اور ابھی بیل و مانع آواز سو پر ہے  
وہ کیا بات تھی کہ اس محبوب حقیقی نے ازل میں جی ہوئی تھی۔ یہاں تک عمر آخر ہو چکی ابھی تک مانعین  
اوس بات کا طوق بہرا ہوا ہے۔ اس شعر میں البتہ ہر تکبر کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ کہ جو بات  
محبوب حقیقی نے ازل میں ہم پر خون سے کہی تھی وہ اب تک ہم کو کہتی ہے۔ یہ بات ایسی اچھی معلوم  
ہوتی کہ اب تک اس کا لطف کا لون کو ہمیں نہ ہوا۔

خمار عشق تو دہشت اندر و غم بود کجا است وقت عبادت چہ و حاکم دست  
کل کی رات تیرے عشق کا خمار مجھ پر تھا عبادت کا وقت کہاں اور کیا وقت تھا  
دہشت سے مراد فزائل اور مطلب یہ ہے کہ ازل ہی میں تیرے عشق کی آواز کا لون میں

وہ روئے ہے جو شاہان دنیا کا مال کاڑی اور جسکی طلب میں وہ ہمیشہ بہترین اور کما سطر  
درویشان حقیقی کی روئے طلعت میں موجود ہے۔

اے تو اگر مفرط ایندھن خوت کہ ترا سروری در کف ہمت درویشان است  
ای تو اگر اس خوت کو نہ سمجھ کہ تیرے واسطے سروری فقیروں کی کف ہمت میں ہے  
خوت فروتن۔ بمعنی اظہار عظمت و مخز کردن۔ یعنی اے متمول تو اپنی عظمت اور دولت کا اظہار نہ کر  
اس واسطے کہ سروری فقیروں کی ہی پناہ میں ملتی ہے۔ یعنی وجود دنیا جسکی سروری متمولوں کو میسر ہے اولیامہ  
کاہن کی برکت کی برقراری

کنج قارون کہ فرورید و از فقر بہ نور خواندہ باشی تو کہ عیش درویشان است  
خزانہ قارون جو کہ بھی تک فقر میں گھسا جاتا تو نے پڑا ہوگا کہ فقر کوئی دعا کی برکت کو  
یعنی حدیث میں آیا ہے اور تو نے شاید پڑا ہوگا کہ قارون کا خزانہ اس وقت سے اب تک کسی کسی قدر  
زمین کی زمین سمیت سنا جا رہا ہے۔ یہ بات کسی بددعا سے ہوئی درویشوں کی۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام منجی  
بددعا سے قارون کو اپنے گھر اور مال تحت کے زمین میں پہنچا یا گیا۔ عارف باللہ اور پیغمبر تھے لہذا  
اوتھیں اس فقیر کی صفت سے موصوف کیا گیا کہ اس شعر کا مضمون اپنی وضاحت کے واسطے مجبور  
کرتا ہے کہ ہم مختصر سا حال قارون کے متمول اور موسیٰ علیہ السلام کی بددعا کا بیان کریں۔ یہ قصہ  
اسطرح ہے کہ قارون موسیٰ علیہ السلام کے چچا کا بیٹا تھا۔ اس کے پالنے والی دولت تھی کہ خزانہ کی  
کنجیاں ایسے ساٹھ اونٹوں پر بارہو کرتی تھیں کہ اون میں سے ہر ایک ایک ساٹھ من بوجھ بوٹھا  
سکتا تھا ہر ایک کنجی جس سے کہ چاہیں کوٹھریاں خزانہ کی کھلیا یا کر تین وزن میں صرف ایک مثقال  
ہوتی تھی۔ قارون کے اس قدر مال نہ تھا آئے نہ کا یہ سبب تھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام پر توحید نازل ہوئی  
تو حکم الہی ہوا کہ اس کو آب زندہ سے لکھو۔ موسیٰ نے جناب باری میں عرض کیا کہ کیا اللہ یہ کتاب بہت طبری  
مے مجھ میں اتنی معذرت نہیں۔ اس کو آب زندہ سے لکھنے کے لئے اتنا سونا کہاں سے لاؤں گا اس پر  
خدا تعالیٰ نے موسیٰ کو کہنا بتایا کہ ابھی نہیں موسیٰ علیہ السلام نے ایک ثلث اوسکا مارون کو سکھایا  
اور ایک ثلث اپنی بہن کو بتلایا کہ جو قارون کی بی بی تھی اس قارون نے کیا بتائی اپنی زوجہ سے  
اور نیز مارون اور یوشع سے سکھی تھی۔ چنانچہ قارون تانبے سے سونا بنا رہا تھا اور اس نے



اچھے زوشو از پروان قلب سیاہ  
 کہ چیز کہ جسکے پر تو سیاہ قلب زربو جاتا ہی  
 کیما میت کہ در صحبت درویشان  
 کیما ہے کہ جو فقیر و کمی صحبت کی حال ہوتی ہی  
 یعنی وہ شے جو سیاہ قلب کو سونا بناتی ہی کیما ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ کیما فقیر و کمی صحبت کو حاصل  
 ہوا کرتی ہی۔ لہذا موقع پر کیما سے مراد کیما ہے معرفت ہی۔ اور معرفت کی کیما کو سیاہ دل لوگ نکھر کر گندن  
 ہو سکتے ہیں لہذا مطلب یہ ہی کہ معرفت الہی بھی درویشوں ہی کے پاس ہی اور وہ کیما ہی جو سیاہ قلب کو نکلو  
 صوفی بنا دیتی ہے

وانکہ پیشین ہنداج تکہ خورشید  
 وہ چیز کہ جسکے سامنے سورج بھی تاج تکہ کو اوار کرتا کہ  
 کبریا میت کہ در حشر درویشان  
 کبریا ہے کہ جو فقیر و کمی حشر میں ہے  
 مطلب یہ کہ وہ کبریا ہی جسکے سامنے سورج بھی باوجود اہل رفعت و مرتبہ کے غور نہیں کر سکتا فقروں  
 اور اہل اللہ لوگوں کی حشر میں ہی جیسی ان لوگوں کے مرتبہ کے سامنے آفتاب مرتبہ بھی نیچے ہے۔  
 دو لے را کہ نباشد غم از آسب وال  
 بے تکلف بشتد دولت درویشان  
 جس دولت کو کہ فنا اور زوال کا غم نہ ہو  
 بے تکلف سمجھو کہ وہ دولت فقیر و کمی ہے  
 فقروں کے پاس سوائے کملی اور رنگوٹی کے کوئی دولت نہیں ہوتی پس جیہ دولت ہی ان کے پاس  
 نہیں تو زوال کسے ہوگا لیکن یہاں اس ظاہر حال دولت سے غم نہیں ہی بلکہ دولت و معرفت ہے  
 لہذا صاف ظاہر ہے کہ دولت معرفت ہمیشہ باقی رہنے والی لازوال چیز ہے۔ بے تکلف کے معنی  
 اس میں کوئی غم نہیں کے ہیں

حشر ان قبلہ حاجات جہان اندو  
 نہ ازل تا بہ ابد فرصت درویشان  
 بادشاہ جہان کے قبلہ حاجات ہوتے ہیں لیکن  
 ازل سے ابد تک فرصت فقیر و کمی ہی ہے  
 ہر چند کہ بادشاہ مخلوق کے قبلہ حاجات ہوتے ہیں لیکن فرصت درویشوں کو ہی حاصل ہی۔ اسلئے  
 کہ او غمیں سوائے اپنے کسی کی فکر نہیں ہوتی۔ غم دندنہ غم کالا۔ یا بلکہ کہتے کہ فقیر فرصت  
 کے بادشاہ ہوتے ہیں اور بادشاہ او کو فقیر  
 روی مقصود کہ شان جہان و طلبند  
 منظرش آئینہ طلعت درویشان  
 چہرہ مقصود کو کہ جہان کے بادشاہ طلب کے ترستے ہیں  
 اوسکا منظر درویشوں کا آئینہ طلعت ہے

نکاح و خبا پنچہ عورت ایسی ہی ہوئی۔ دوسرے دن صبح قارون نے مجلس عالی اور سلوک علیہ اذکر موسیٰ علیہ السلام کو بھی دعوت کو بہانہ سے بلایا چونکہ عزت کا قبول کرنا ضروری تھا لہذا موسیٰ بھی اس جگہ پہنچا اور اپنی مرتبہ کو موافق تبلیغ احکام شروع فرمائی اور کہنے لگی کہ جو کوئی مجوز نہ کرے تو اس کو سونا زیارہ لگا دی جائے گی۔ اور اگر عیال نہ لگا کرے تو اس کو سنگسار کرنا واجب ہے۔ قارون بول اٹھا کہ چاہے تم ہی ہو۔

جواب دیا کہ مان چاہے میں ہی ہوں۔ حکم خدا میں ہی کا چارہ نہیں۔ پھر کہنے لگا کہ بنی اسرائیل تم پر نونا کا گمان کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ بنی اسرائیل کا گمان مجھ پر بھی نہ ہو گا۔ قارون بولا کہ اس عورت کو لاؤ جب وہ حاضر کی گئی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کی طرف کو موہنے کر کے کہا کہ اسے عورت یہ لوگ مجھ پر اور تجھ پر فعل کا گمان کر رہے ہیں۔ کیا بات ہو۔ تجھ کو خدا کی قسم کھدے۔ موسیٰ کی کبت سے اس عورت پر دردِ توہین کشادہ ہو گیا۔ اور کہنے لگی کہ ابے خدا کے رسول کو شخص تجھ پر ایسا گمان کر سکتا ہے۔ لیکن تجھ کو قارون نے۔ وہ یہ کہ مالک دیا کہ میں تجھ پر یہ کت لگاؤں۔ یہ سنکر قارون خجالت کے ذریعہ میں ڈوب گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نہایت آزرہ ہوئے۔ اور خدا کے سامنے رہ چکا کہ وہ اپنے گئے کہ خداوند اترے آسمان دوستوں کو مفسدیت کا ارادہ کرتے ہیں اپنے دوستوں کے لئے ان پر غضب توڑ۔ اور اترتے حکم خطاب باری ہوا کہ اسے موسیٰ نے زمین کو تیرے حکم میں کر دیا ہے تو جو کام چاہے اس سے لے۔ بعد ازاں موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا نے مجھ کو فرعون کی طرح قارون پر مسلط کر دیا ہے جو شخص میرے پیرو نہیں ہوئے وہ یہ جان سے چلا جائے لہذا سب لوگ چلے گئے۔ مگر وہ شخص کہ جس کو قارون سے بہت موافقت تھی نہ گئے۔ موسیٰ نے زمین سے خطاب کر کے کہا یا احمقین خدا تمہیں وابتلیہم یعنی اسے زمین انکو بکڑے اور سہا بنے قارون ٹھٹھا کر رہا تھا اور پراہٹا لہتا تھا کہ زمین کیسی بکڑ سکتی ہے۔ اچھا اوکی ناگین ٹخنوں تک زمین بچھ گئیں۔ جب قارون کو معلوم ہوا تو فریاد کرنے لگا۔ کہ موسیٰ نے یہ دہ ہی کہا کہ اسے زمین کو بکڑے اور اپنے اندر سہلے اس پر قارون سینہ تک نیلین عرق ہوئی۔ غرض کہ قارون بہتیری سنتِ ماحبت کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مانی۔ اس روز سب کو طلاق زمین حسب حکم خدا ایک آدمی کے قدر برابر قارون کو ہر روز زمین میں گھسیڑ دیتے ہیں۔ دوسرے دن بنی اسرائیل کہنے لگے کہ ہلاکت قارون سے موسیٰ کا مقصد اور کیا ہے۔

بہت سا سونا طیار کر ریا ت بڑی شان اور قبول کی حالت سے اپنی قوم میں ظاہر ہوا۔ لیکن باوجود  
 اس مال دولت کے حکومت اور خلافت میں اس کو کوئی دخل نہ تھا۔ ایک روز اوسے موسیٰ علیہ السلام سے  
 کہا کہ رسالت تمھاری ہے۔ اور خلافت ہارون کی حالانکہ میں تو ریت تم دونوں سے اچھی پڑھتی جانتا ہوں  
 پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ مجھے ان دونوں چیزوں میں سے ایک بھی نہ ملے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ  
 خلافت ہارون کو میں نے از خود نہیں دی ہے۔ بلکہ خدا کے حکم سے ایسا کیا ہے۔ قارون کہنے لگا  
 کہ میں بغیر دلیل کے یقین نہیں کروں گا کہ تم سچ کہتے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا تم اپنا عصا  
 زمین میں گھاڑ دو۔ چنانچہ وہ خون نے ہی کیا فصیح کو ہارون کا عصا نہ تھا اور اس پر اس قدر چل آئے  
 کہ تمام بنی اسرائیل میں تقسیم ہو گئیں۔ کہتے ہیں کہ وہ عصا با دام کا دخت بن گیا تھا اس کو دیکھ کر قارون  
 کہنے لگا کہ تجھ سے جادو گر سے عصا کا بن بن جاتا ہے بعد میں ہی قارون ناراض ہو کر گھر بیٹھ رہا۔  
 چونکہ موسیٰ کی تمام حرکات ارادہ حکم الہی پر مبنی ہوتی تھی اسلئے آپ نے قارون کو کوئی امتیاز نہیں کیا  
 قارون نے قمر کی راہ سے بنی اسرائیل کو موسیٰ کی طرف سے توڑنا شروع کر دیا مگر موسیٰ علیہ السلام اس  
 رشتہ کی وجہ سے کہ جو قارون سے تھا صبر کیے گئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا حکم نازل فرمایا کہ  
 مال میں سے ہر اروان حصہ زکوٰۃ کا نکالنا چاہئے مگر جب قارون نے حساب لگایا تو اس کی پر بھی  
 بیشمار دولت اور سکے خزانہ سے نکلی جاتی تھی۔ کہنے لگا کہ مال تو میرے اپنے دست بازو میں پیدا کیا ہے  
 بنی اسرائیل کی طرح قبطیوں سے نہیں چھینا میں تو کبھی اتنی دولت زکوٰۃ میں نہ دیکھا۔ اور موسیٰ کا دشمن بن گیا۔  
 ایک روز قارون نے بنی اسرائیل کو بذریعہ دعوت اکٹھا کیا اور کہا ہے کہ میں نے قراعت حاصل ہو چکی  
 بعد اوسے کہا کہ موسیٰ نے تم کو اپنا فرمانبردار تو بنایا ہے اب وہ چاہتا ہے کہ تمہارا مال بھی  
 لے لے یہ تو نے جواب دیا کہ تو ہی ہمارا سردار و بزرگ ہی تو جو کچھ کہے ہم وہ تدبیر کریں گے کہ گنا  
 کہ میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے اور میں اسے پورا کر کے تم کو موسیٰ کے ہاتھوں سے نجات  
 دلاؤں گا لہذا ان سبھوں نے قارون کی تعریف کی اور اس کے ہر کار ہو گئے تو ان نے موسیٰ کے  
 مغلوب کرنے کی یہ تدبیر بتلائی کہ بنی اسرائیل میں فلان عورت جو زنا کاری کے لئے مشہور ہے  
 بتلائی جائے۔ چنانچہ یہی کیا گیا اور اس کو بہت سے روپے اور اشرفیاں دینے کے لالچ میں بلایا  
 اور قارون نے ایک طباق بھرو پیر دینے کا وعدہ کیا اس شرط سے کہ وہ موسیٰ کے ہر زنا کا انعام

حبوت عشق اختیار کیا تو اوس وقت جو کچھ کوئین میں ہے سب کو بیکلم صفو دل سے نیست نابود  
کر دیا یعنی ازل ہی میں زہد و تقویٰ سے لوح دل کو دھو ڈالا تھا

مے پڑتا دمیت آگہی از سر قضا کہ بروی کہ شدم عاشق بر روی کہ مست  
شرابے نگارین مجھے قضا کہ ہیکہ آگاہ کروں کہ کسکی صورت پر عاشق ہوا اور کسکی خوشبو سے

مصرع ثانی بیان ہے یعنی اسے مرشد کمال مجھے شراب عشق پیئے کو دے تاکہ تجھے یہ تبارک و  
کرم کی سکی صورت پر عاشق ہوا ہوں اور کسکی بوسے محبت سے مست ہوں اس میں استہقام نکھاری ہے۔ اور مطلب  
یہ کہ میں کچھ نہیں ہوں اور نہ کسی پر عاشق ہوں جو کچھ ہے وہی ہے۔ اس واسطے کہ عشق ایک فعل ہے  
اور قاعدہ کلیہ ہے کہ فعل بغیر فاعل کے واقع نہیں ہوتا پس جب میں نسبت ہوں اور تیرا کوئی  
وجود نہیں اور وجود کا محتاج ہوں تو اپنے لئے مرفض ہستی میں کیسے لاسکتا ہوں جو کچھ ہے وہی ہے

ہمدوست ہمدوست متعص

دجہم لیلی بودہ مجنون شدہ ہنودہ  
بکر کوہ کمست از کمر موراحیا  
لیلی کی مجنون کیا خود ہودہ و خود بودہ  
تا امید از در رحمت مشوا ہی بادہ پر  
پہاڑ کی کمر بیکلہ جیونی کی کمر سے کم ہے  
در رحمت ہی، عاشق تا امید نہ ہو

کمر کوہ سے مراد گناہ کی مقدار اور کمر مور سے وسعت رحمت کی طرف اشارہ ہے۔ اور مطلب یہ کہ اسے  
عاشق خدا کی رحمت بندہ کے گناہوں سے گوہ پہاڑ کی برابر ہوں زیادہ وسیع ہے۔ پس تو اسکی رحمت سے  
تا امید ہو۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ يَخْفِ الْأَنْبَاءُ  
جَمِيعًا۔ یعنی خدا کی رحمت سے تا امید نہ ہو وہ سب کے گناہ بخشد تیار ہے۔ کسی شاعر کا قول ہے

صحیح ہے کہ ان کو کہ عصیان سیر  
جو کہ زمین خرتلی کے مقابلہ میں دریا بہت زیادہ ہے اسی اعتبار سے شاہو کہتا ہے کہ گو میرے  
گناہ جمل درختل میں لیکن تیری رحمت سمندر دامن ہے۔

جان فدا و دہشت باد کہ در بلغ نظر  
جان تیروہن کو قربان کہ ناغ نظر میں  
چمن آسای جہان خشت ازین غنچہ بہ لب  
چمن آسای جہان کی اس ہی جہا غنچہ بہشت ہے  
بلغ نظر سے وجود مراد ہے۔ اور چمن آسای جہان خالق کون مکان۔ غنچہ کا اشارہ دہشت و ترسناک

ہر دو عالمی تاکلاؤں کا باغ اور مکان اور خزانہ جات سب زمین ہی میں سما گئے۔ آئینہ کریم  
نفس فانیہ و بد اظہار مرض یعنی ٹھونس دیا ہمنے اوبسکو اور اوسکے گہر کو زمین میں۔

بندہ آصف عہدیم کہ درین سلطنتش صوت خواجہ علی سیر درویشان است  
میں آصف عہد کا بندہ ہوں اوسکی سلطنت میں صوت خواجہ علی کی اوصفت درویشوں کی ہے

آصف وزیر کا نام تھا یہاں آصف عہدی خواجہ علیہ الرحمۃ نے اپنے زمانہ کا وزیر مراد دیا ہے  
یہ مطلب ظاہری ہے کہ اس عہد کا وزیر صورت سرداروں کی سی اوصفت فقیروں کی رکھتا ہے۔ یہ گویا اوسکی  
تعریف ہے کہ ہم ایسے فقیر حضرت وزیر کے بندہ ہیں۔ معنوی اعتبار سے وزیر سے مراد مرشد وقت ہے  
اور مذکورہ بالا تعریف بھی مرشد کی ہو سکتی ہے یعنی ہمارے پیر کی صورت سرداروں کی مثل ہے

مگر سیرت فقیروں کی مانند  
حافظ اینجا بابا دہ باش کہ سلطان ملک  
ہمہ در بندگی حضرت درویشان است  
حافظ ابجگہ آپ سے کہ سلطان اور شاہ  
تمام درویشوں کی بندگی میں ہیں

درویشوں سے مراد نارغان کامل اور عاشقان وصل ہیں۔ اور مطلب یہ کہ اے حافظ تو اسجگہ  
یعنی مرشد کی جناب میں ادب کرا سوا سطر کہ شان دنیا ملک اس درگاہ کے بندے ہیں، اولیاءوں کے  
رتبہ کے سامنے بادشاہوں کے مرتبہ کی کچھ اصل حقیقت نہیں

مطلب اغاث یمان در از میں است کہ بہ پیمانہ کشتی شہر شرم روز است  
مجھے مرشد کی اور در از میں بیانی نہ ڈھونڈو کیونکہ میں پیمانہ کشتی کے لئے روز کو ہی نام ہو چکا ہوں  
یعنی میں شراب محبت پیوں اور عشق باری کرنے کے لئے روزناست میں ہی شہر باجگا ہوں پس مجھے  
مست سے بندگی اور قول کو پورا کرنے کی امید نہ رکھو۔ کیونکہ بندگی کرنا یا قول کی تکمیل کرنا محموران  
بادہ محبت کے طریقہ میں درست ہی نہیں ہے۔ عاشقوں کو سوا محبوب کے کسی شہد کی یا قول سے

لیا نام  
من ہمانہ کہ و صوفی ختم از ختم عشق  
جا رنگینہ دم کبیر بر سر چہ کہ مست  
میں نے اوسوقت کہ جب بندہ عشق سوچو کیا جا رنگین کہیں تل برجہ چہ کہ سو بودی  
جا رنگینہ دامن فاسی محاورہ یعنی ترک کل کردن یکسر کر معنی تمام کمال مطلب یہ ہے کہ میں نے



محبت کی کہ نہیں ہو نہ  
نظیر دوست ندیدم اگرچہ از مرہ  
ہنام آئینہ ماور مقابل رخ دوست  
مین نے دوست کا ثانی نہ لکھا اگرچہ چاند سورج کے  
یعنی مین نے چاند سورج کے آئینے رخ محبوب کے مقابل رکھے لیکن دوست  
کا ایسا بھی ثانی نظر نہ آیا جیسا کہ آئینہ مین کسی پسینہ کا عکس نظر آتا ہے۔ ممکن نہیں  
کہ کسی چیز کا عکس آئینہ مین نظر نہ آوے مگر خواجہ علیہ الرحمۃ محبوب حقیقی کی  
نظیر پانے کے برابر عکس دکھائی دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ ایسا واحد  
لا شریک ہے کہ ہر ماہ کے آئینوں میں بھی اس کے ثانی عکس کا پتہ نہیں ہے صرف  
اس لئے کہ کہیں ایک کے دونہ ہو جائیں۔ اس سے خدا کی وحدانیت ثابت کی گئی ہے  
نثار روئے تو ہر گل گلچین است  
ہر گل کی تھی جو بنیں ہر تیرے چہ کو قربان ہے  
ظاہری مطلب نے صنم طلب نہیں۔ باطنی اعتبار سے ہر گل اور مرد میں سے محبوبان مجازی اور  
لب جو سے دنیا مراد ہے۔ دونوں مصرعوں میں تو کی صنم محبوب حقیقی کی طرف راجع ہے۔  
مطلب یہ ہے کہ اسے محبوب حقیقی ہر ایک گل و جو دنیا کے چمن میں پھوٹا پھلتا ہے وہ  
تیرے گلچڑے پر نثار ہے اور ہر سرفرد جو سردستان جہان میں موجود ہے وہ تیرے  
قد پر ہند ہے۔ اس لئے کہ وہ فی الحقیقت معدوم ہونے والے ہیں۔ اور دنیا کا حسن  
حسن ظاہری ہے۔ اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ ہر خوبصورت و حسین مخلوق فنا ہو کر واسطہ

عود کرتا ہے \*

مگر تو شانہ زوہی زلف عنبر افشان را  
کہ باو غالبہ گشت و خاک عنبر کو  
شاید کہ تو نے زلف عنبر افشانین شانہ کیا  
کہ ہو غالبہ ساہوئی اور خاک عنبر کو  
یعنی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو نے اپنی زلف عنبر افشان میں شانہ کیا ہے۔ ورنہ ہر وہ چاند لکین  
لہک اور خاک میں عنبرین خوشبو طرح پیدا ہو گئی۔ اور ممکن ہے کہ زلف عنبر کو سے باعتبار  
سارچہ حقیقت کے ہمارا وجود مراد ہو اور شانہ سے فضائل کرم باو غالبہ سے عشق حقیقی

ہے اور اس بیت میں وجود سے خطاب کیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اسے میرے وجود۔  
 میری جان تیرے دھن کے قربان ہو کہ حق تعالیٰ تیرے دھن کے وجود میں میری تعمیل اس  
 بہتر غنچہ نہیں بنایا ہے۔ اور کوئی عضو اس سے خوبی اور مرغوبی میں زیادہ نہیں ہے کہ اس کے منہ سے  
 دل پسند باتیں صادر ہوتی ہیں +

بجز ان گزشتانہ کہ چشم مرصاد زیر این طایم فیروزہ کی خوش نشست

سوا کی اور گزشتانہ کا اسی لکھ کو نظریہ نہ ہو اس طایم فیروزہ کی نیچے کوئی خوش نہیں بیٹھا  
 گزشتانہ سے عاشق کامل مراد ہے کہ تمام عالم سے ہونہ ٹوڑ کر گزشتانہ میں بیٹھے چشم مرصاد کے معنی کوئی  
 وقت و حادثہ اور اسکے دامنگیر نہ ہو جو این طایم فیروزہ سے یہ دنیا مقصود ہے۔ خوش نہ نشست  
 بیکار نہ کر نہ بیٹھا۔ مطلب یہ کہ سوائے عاشق کامل کے کہ اس کو غذا نظریہ سے بچائے۔ کوئی بھی  
 اس دنیا کے غم و آلاموں سے بیکار نہ کر نہ بیٹھا +

حافظ از دولت وصل فی سلیمانی میت یعنی از وصل تو آتش کھنوں با بدست

تیرے وصل کی دولت سے حافظ فی سلیمانی پائی یعنی تیرے وصل سے اس کی تھلیب بھی ہو گئی  
 یعنی تیری دولت عشق کے سبب سے حافظ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا مرتبہ پایا۔ یہ اس سبب سے  
 کہ ہوا تھلین ہی یعنی تابع فرمان ہے۔ لیکن تاہم وصل کے بجائے تھلین اتیک ہوا ہی ہوا  
 تو یا عدم حصول وصل کو جس سے موت مراد ہے ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا۔ چونکہ ہوا حضرت  
 سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمان تھی۔ اسلئے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے +

سر ارادت ما و آستان حضرت دوست کہ ہر جہ پر طایر و ارادت اوست

ہمارا سر ارادت اور بارگاہ دست کی ہیز کہ جو کجہ میر گذر تا وہ او کی ارادہ گذر تا  
 یعنی میں اپنا سر ارادت آستان سے ہرگز نہیں اٹھاؤں گا۔ دوست سے مراد بارگاہ ہے  
 کیونکہ جو کچھ نیک بد خوشی و رنج جھپڑ گذر تا ہے یہ سب اسی کے ارادہ اور مرضی سے ہے  
 میں کہ نہیں ہوں۔ نہ میری کوئی مرضی ہے نہ ارادہ۔ بس میں ہر طرح ماضی رضامند اسلئے کہ  
 دوست کی رضا پر رہی نہ ہتا عاشق کامل ہونے کی دلیل ہو گا۔ سچے عاشق وہی ہیں جو ہر وقت  
 میں محبوب کی مرضی کے جواب دہ رہتے ہوں۔ مرضی مولے کے خلاف چاہتا خامی کی علامت ہے۔

واسطے سب کو کش کا لفظ لایا یعنی شراب معرفت کا گہرا کچھ میری سیر پر نہیں رکھا گیا ہے۔ بلکہ بہت سے مجھے پہلے بھی گزر چکا ہیں جسکے سرور پر شراب معرفت کے برتن رکھے گئے تھے۔ مطلب یہ کہ انہوں نے عشق خدا کیا تھا۔

زبان ناطقہ در وصف حسن اول است      چہ جای کلک پید زبان بیدہ گوست

زبان ناطق اور سکر وصف حسن لال ہے      قلم بریدہ زبان بیودہ گوشت شامین ہو سکتا ہے

یعنی جب بولنے والی زبان خدا کے وصف میں گنگ ہے تو زبان قلم کہ جو کئی ہوئی اور بیودہ گوشت برای نام زبان ہو وہ کس شمار و قطار میں ہوگی اور اسکی تعریف لکھ سکی۔ یہ ظاہری مطلب ہے مگر باطنی کے اعتبار سے زبان ناطقہ کا اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور زبان بریدہ کلک کا کنایہ اپنی طرف۔ اندام مطلب یہ ہے کہ جب تیری وصف میں پیغمبر زبان فخر سلمان کی زبان گنگ تھی۔ لا احمی شفاء علیک انت کما اثنت علی نفسک تو پھر ہم بریدہ زبان بیودہ بندون کی کیا ہستی ہو کہ تیری ثنا کر سکیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔ خود ثنا گفتن زمین ترکناست کابین دلیل ہستی و ہستی خطاست۔

نہ این زبان دل فضا در آتش طلب است      کہ داغدار ازل مجھ لالہ خود روست

کچھ اسی وقت حافظ کا دل آتش طلب نہیں ہو گیا      بلکہ ازل ہی سے خود رولالہ کی طرح داغدار ہے

مطلب یہ کہ حافظ کا دل جسکو تم آتش محبت کا سوختہ دیکھتے ہو آج ہی نیا جلنا شروع نہیں ہوا ہے بلکہ ازل ہی سے سوختہ ہے جس طرح کہ لالہ کہ پھول کا داغ پھول بن نے پر نہیں ہو جاتا بلکہ قدرتی ہوتا ہے اور اسکی پیدائش میں یہ صفت داغ داری و دہشت ہے۔ اسی طرح میں کوئی ایسی عاشق نہیں ہوا ہوں بلکہ روز ازل سے میرا دل عشق محبت کو قبول کئے ہوئے ہے۔ شعرا مبتلا پیش از ظہور جلوہ خانانہ تھا + شمع روشن جب نہ تھی محفل میں بن پر فانی تھا۔

دل سراپردہ محبت اوست      دیدہ آئینہ وار طلعت اوست

دل پردہ گاہ او سکی محبت کا ہے      آنکھ او سکی تجلی کی آئینہ وار ہے

یعنی میرا دل او سکی محبت کا پردہ گاہ ہے اس میں کسی اور کی محبت کی گنجائش نہیں۔ علیٰ ہذا آنکھیں ہی حق جل شانہ کی تجلی کے آنے میں کہ جن میں سوائے او سکر نظر کے اور کوئی غیر خیر منعکس نہیں ہو سکتی

اور مطلب یہ ہو گا کہ محبوب حقیقی جب تو نے اپنی زلف کو فضل و کرم کے شانہ سے سنوارا تو اوّل کا یہ  
نتیجہ نکلا کہ ہمارے باد انہاں نے تیرا غالیہ عشق حاصل کیا اور ہمارے وجود کی خاک کو غنیمت  
ملا۔ اس واسطے کہ ہم عینانِ جہان محبوب حقیقی کی راہ کی خاک میں +

رخ تو نظرِ آمر مراد خواہیم یافت چرا کہ حالِ نکو دقعا و فانیِ نحوست  
تیرا رخ نظرِ آیینِ اپنی مراد پاؤں سکا اس واسطے کہ نیک فال سے اچھا ہی نتیجہ برآمد ہوگا

یعنی جب مجھے تیرے رخ کا نیک سٹون ملائی تو ضرور میری مراد برائیگی اور مقصود کو پہونچ جاؤں گا اسلئے  
کہ نیک فال کا نتیجہ بھی نیک ہی ہوتا ہے۔ مطلب خلاصہ یہ کہ اسے محبوب جب میں حصولِ مراد است  
کیواسطے عالمِ فکر میں تھا تو مجھے اپنے آئینہ دل میں تیرا رخ روشن نظر پڑا پس اب مجھے یقین ہوا

کہ میں اپنی مراد کو جس سے تیرا وصال مقصود ہے ضرور پہونچوں گا +

صبا ز حالِ تنگ ماچہ شرح دہد کہ چون سنگج و رقتاے غنچہ تو پر تو  
ہمارے دل تنگ کا حال صبا کیا بیان کرے کہ شل گلی کے پتوں کو تیرے تہمتی ہوئی۔

صبا سے وعظ و نصیحت گو مراد ہے کہ جو عاشق کے دل کا پریشان کرنے والا ہوتا ہے

لہذا حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ تاصح ہمارا ہمارے دل کا حال کیا جانے۔ ہمارے

دخول کی یہ غایت ہے کہ غنچہ کی پتوں کی طرح ایک تہ دوسری پر جمی ہوئی ہے یعنی اوکل

حال بیان کرنا محیط بقیہ سے باہر ہے کیونکہ عشق ایک ایسی راہ ہے کہ جو اس میں آباد

ہزاروں بلاؤں میں گرفتار ہو گیا۔

نہ میں ہو کوشل اپنی ریزہ ریزہ سوزم پس بسا سرے کہ درین آستانہ سنگ و سبت

میں ہی صرف ان ریزہ ریزہ کوشل تہن ہیں (دیکھا) بہت سے اس آستانہ کے سنگ ہو گئے ہیں

سنگوں یعنی شہرِ آوارہ کی عشتہ باری کی طرف اشارہ ہے دیر سوز و شہرِ آوارہ جس سے منسلک

عشق مراد ہوگی رند شہرِ آوارہ سے عاشق مقصود ہے لہذا خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ کہہ میں ہی

اکیدا اس شہرِ آوارہ کا بادہ نوش نہیں ہوں بلکہ مجھے پہلے بہت سے اکابرانِ اہل اللہ ایسی

سوئے میں کہ جھون نے اسی شہرِ آوارہ سے بادہ عشق محبت پی جو سنگ سواؤں پہر کو کہتے ہیں

کہ جیسے شراب کا گہرا کھا جاے۔ لہذا پتھر سے گہرے کے پتھر کو نشیہ نیا بہت ہی پر معنی ہے

کہ شاید حقیقی کا وصال میسر ہو۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ کا استعمال عام ہے۔  
 دور مجنون گذشت نوبت ماست ہر کسے پنج روزہ نوبت اوست  
 مجنون کا عہد گذر گیا ہماری باری ہو جو کوئی پنج روزہ ہا اوسکی باری آئی  
 یعنی مجنون کے عشق کا زمانہ گذر گیا اور اب ہماری باری ہے۔ غرض کہ دنیا عاشقوں سے  
 خالی نہیں کی ہم سے پہلے مجنون تھا اور اب کھل ہم میں ہم سے بعد کوئی اور ہو گا یہی پانچ روزہ زندگی ہر  
 اور اس میں کوئی نہ کوئی عاشق ہی ضرور ہوتا رہیگا۔ شعر خواہد این چمن از سر و لالہ خالی ماند  
 یکے ہمیر و دود گیرے ہی آید۔ پنج روزہ زندگی کا لفظ قلف بقا کے واسطے آتا ہے اسکی تشریح  
 ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ دوبارہ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

من کہ باشم در آن حرم کہ صبا پردہ دار حرم اوست  
 میں کیا ہوں کہ صبا ہی اوس حرم میں پردہ دار حرم اوست اوسکی ہے  
 ظاہری مطلب صاف ہے باطنی میں صبا سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور مطلب  
 یہ کہ میں کیا چیز ہوں کہ جو تیری معرفت کی حقیقت کو پہنچوں جب سرور کائنات مغرور ہوا  
 محبوب خدا ہی جو تیرے حرم حرم پروردہ دار تیری حقیقت کو پہنچا اور کسب معرفت میں  
 عاجز ہو تو میری کیا مجال ہو کہ میں وہاں تک پہنچوں۔ چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انک  
 میت وانہم میتون یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ہماری معرفت کی حقیقت تک پہنچو کیلئے  
 مردہ اور خلق تیری معرفت کی حقیقت کو جاننے کے لئے مردہ ہیں اور رسول خدا نے  
 اس بارہ میں خود فرمایا ہے کہ ما عرفناک حق معرفتک۔

ملکت عاشقی و گنج طرب ہر چہ دارم زمین بہت اوست  
 عاشقی کی سلطنت اور خوشی کا خزانہ جو کچھ میری پائین ہو یہ اوسکا ارادہ سنو ہے  
 یعنی میں خود کوئی چیز نہیں ہوں۔ یہ اپنا عشق اور از نادہ کا خزانہ اوسنی نے اپنی عنایت سے  
 مجھے عطا فرمایا ہے کیونکہ اوسکا عاشق ہی تو کوئی بلا اوسکے مرضی کے نہیں ہو سکتا۔ ہاں  
 یہ نعمت ہی اوسکو مل سکتی ہے جسکو وہ دنیا چاہے اور چونکہ عشق کے خزانہ سے بڑھ کر اور کوئی  
 مال نہیں اسواسطے عاشق فخر کر رہا ہے۔



کیونکہ عاشق کو سوا کر معشوق کے کسی اور کی محبت و رغبت نہیں ہوتی۔ محبت دل اور آنکھ کے متعلق ہے لہذا ان ہی دونوں کو اس کام کے واسطے مخصوص کیا گیا۔

منکہ سرور نیا ورم بد و کون      گرو نم زیر بار منت اوست  
مین کہ دونو جهان سے سر کینچتا ہوں      میری گردن او سکر احسان کی زیر بار ہے  
دونو جهان سے دنیا و عقبے امراد مین۔ اور مطلب یہ کہ مجھے دنیا و عقبے سے کوئی غرض نہیں  
اس واسطے کہ میری گردن حق تعالیٰ کے احسان کی زیر بار ہے وہ مجھ کو عدم ضرور جو دین ٹاپا  
اور اس نے اپنا عاشق بنایا۔ پس اس اعتبار سے گویا مین نے اپنی آپکو تجربہ مین او بگاہہ پوچھا دیا  
کہ اب او سکر سوا دینا اور عقبی ان دونوں سے مستغنی ہوں اور مجھ کو مین کی پروا نہیں اور  
پروا نہونے کا دوسرا ثبوت یہ بھی ہے کہ جب میری گردن پر اسی ذات واحد کا  
احسان ہوا اور او سکر بار احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتا تو مین کو مین کی کیا پروا کروں  
اس شعر مین خواجہ صاحب گویا عاشق کی استغنا کا حال ظاہر فرماتے ہیں کہ عاشقان صادق  
دنیا و عقبی مین سے کسی کی فکر نہیں ہوتی۔ عاشق معنی ہی اسکر مین کہ او سکر سوا کر معشوق کے  
ماسوا چیز و ناکا کوئی خیال ہی نہو

تو و طوبے و ما و قامت یار      فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

تو اور طوبے اور ہم اور قد یار      ہر شخص کی فکر او سکر ارادہ کو موافق ہوتی ہے

تو کا خطاب زاہد کی طرف ہر طوبی بہشت کو ایک درخت کا نام ہے۔ خوب صورتی کے  
ابتداء پہلوس قامت معشوق کو تشبیہ دیجاتی ہے۔ چنانچہ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ امرا زاہد  
تجھے بہشت مین پہونچکر طوبے کے نیچے بیٹھنے کا خیال ہے اور ہمیں او سکی مقابلہ مین قد یا  
کی فکر جس سے مراد شاہد حقیقی ہے پس اسی اعتبار سے کہ ہر شخص کی فکر او سکر ارادہ پر منحصر ہے  
تو صرف بہشت کا خواستگار ہوا اور ہم خالق بہشت کو جو یان ہیں۔ اس دلیل سے گویا ہماری  
ارادہ کی تجسس کہیں بڑھے ہوئی ہیں۔ واضح ہو کہ اصطلاح صوفیہ مین ہمت ترک مخلوقات  
کے معنی ہیں یعنی او سکر مخلوق کو چھوڑ کر موصل الی اللہ ہونے کی ہمت کرنا پس تیری ہمت  
او سکی مرتبہ امنی ہے کہ طوبی کی طلب کرے اور ہماری ہمت اسی بات کی دلدادہ ہے

قرار دیا جائے جیسا کہ عام صوفیائے کرام کا مذہب ہے۔ ہر گل نو کہ مشد جن آرا ہے اثر رنگ و بو سے صحبت اوست  
ہر نیا پھول کہ جو جن کی رونق بنتا ہے اوس کی صحبت کی رنگ بو کا اثر ہے  
اگر اوست کی فنیہ مرشد کی طرف پھیری جائے اور گل نو سے طالبِ مرید مراد لیا جائے تو یہ معنی میں  
کہ جس طالب و مرید نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ مرشد کی صحبت کا اثر سے حاصل کیا ہے اور  
اگر خدا تعالیٰ کی طرف راجع کی جائے تو یہ کہ جو کوئی پیدا ہوتا ہے اوس میں اوس کا مظہر ہے اور  
اوس کی قدرت کا کمال نظر آتا ہے اس صورت میں گل نو سے ہر نیا ہونا والا شخص اور جن سے عالم  
تعیین و کثرت مراد لیا جائیگا۔

سینہ گنجینہ محبت اوست فقر ظاہر میں کہ حافظ را  
سینہ اوست کی محبت کا خزانہ ہے حافظ کے ظاہری فقیر کو نہ کیہ  
یعنی اگر مخاطب حافظ کے ظاہری فقر پر توجہ نہ کرے اور اوس کو حقیر و مسکین نہ جانے اس لئے کہ وہ اپنی  
سینہ میں خدا کی محبت کا خزانہ رکھتا ہے پس جو شخص ایسے بڑی خزانہ کا خزانہ بنی ہو اوس کو  
فقیر کیوں کہا جائے۔

آن سیرِ چرہ کہ شیرینی عالم با اوست چشم میگون لب خندان دل خرم با اوست  
وہ سبز رنگ کہ شیرینی دنیا کی اوس کو پس موجود ہے خمار آلودہ آنکہہ سبب لبِ خوشی اوس کو ساتھ ہے  
سیرِ چرہ سبز رنگ کو کثر میں جسکے معنی لیج کے لئے چاہئیں۔ اور اسکا اشارہ اس حدیث کے مضمون  
کی طرف ہے وہو انما یلیح و اسخی یوسف حبیبہ غزل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں ہے  
شیرینی سے مقصود نیکی اور خوبی ہے چشم میگون سے صفات قہر یہ لب خندان اور دل خرم سے  
صفات لطف و رحمت مراد ہیں۔ چونکہ یہ مطلع اور اس کے نیچے کا زیب مطلع دونوں قطعہ بند  
شعر ہیں لہذا ہم کو زیب مطلع کا ترجمہ لکھ کر اوس کے ذیل میں دونوں کا مطلب بیان کرنا  
چاہئے۔

آن سیرِ چرہ کہ شیرینی عالم با اوست آن سلیمان زانست کہ خاتم با اوست  
وہ سبز رنگ کہ شیرینی دنیا کی اوس کو پس موجود ہے وہ سلیمان وقت ہے کہ مہر اوست کی ہے

من و دل گرفتہ شویم چه پاک غرض اندر میان سلامت است  
 میں اور دل اگر فنا ہو جائیں تو کیا ہرج ہر ہمیں تو غرض اوسکی سلامتی سو رہتی ہو  
 یعنی میں اور میرا دل اوسکر عشق میں فنا ہو جائیں تو کچھ غم نہیں کیونکہ عاشقوں کا یہی کام ہے  
 لیکن غرض تو اس سے ہے کہ تو سلامت رہو اور کوئی عارضہ یا آفت ہمیشہ آخر حقیقی لحاظ سے  
 دوسری مصرع کا مطلب صاف نہیں ہوتا مگر ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اول تو دیوان ہذا کے  
 شعروں میں دونوں مطلب پائے جاتے ہیں علاوہ برین صوفیائی کرام کو ظاہری معنی سے بحث  
 نہیں ہوتی وہ ہر ایک بات میں وہ ہی نتیجہ نکالتے ہیں جو انکو دل میں ہوتا ہو۔ اور کہیں وہ لوگ  
 صنعت پر بھی صنایع کا اطلاق کر لیتے ہیں اگر یہاں بھی ایسا ہی خیال کر لیں تو دوسری مصرع  
 کے معنی صحیح ہو جائیں گے۔ اور کوئی موقع اعتراض کا نہ ہو گا۔

بی خیال شمسبا و منتظر چشم زانکہ این گوشہ خاص دولت است  
 آنکہ کا منظر بغیر اوسکر خیال کے نہ ہو جو اسواسطہ کہ اس گوشہ خاص دولت ہو  
 یعنی میرا تمام ارادہ اسیاں کر متعلق ہے کہ خیال شاید حقیقی کو پردہ چشم سے جدا نہ ہو اور وہ ہمیشہ  
 اوسمیں پوشیدہ رہے اسواسطہ کہ یہ گوشہ خاص اوسی دولت کا ہو جس کی غیر کے فطارہ کی گنجائش  
 چشم عاشق میں نہونی چاہئے۔

گر من آلودہ دامنم چہ عجب ہمہ عالم گواہ عصمت است  
 اگر میں آلودہ دامن ہوں تو کیا تعجب تمام عالم گواہ عصمت کا گواہ ہے  
 شعر ہذا میں اوست کی ضمیر مرشد کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ کہ اگر میں آلودہ دامن ہو گناہگار  
 ہوں تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے مرشد کامل تو معصوم ہے اور اوسکی عصمت جس سے بیگناہی مراد ہو  
 تمام عالم گواہ ہو جس میں آلودہ دامن ہے اوسکو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا علاوہ اس کے  
 دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ عاشق تمام برائیاں اپنے ذمہ اور تمام بہائیاں معشوق کی طرف  
 منسوب کیا کرتا ہے یعنی جو نیکی ہو وہ اوسکی پہنچی اور جو بدی ہو وہ بھی ملی لہذا حافظ صاحب  
 فرماتے ہیں کہ جب اصل مقصود کی عصمت ثابت ہو چکی تو میری آلودہ دامن کی کچھ ہرج نہیں کر سکتی  
 یہ بات اوسوقت اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے جب عاشق و معشوق دونوں کو ایک ہی اصل

لاہوت یعنی ملائکہ ملا اعلیٰ اور جن وانس سے باشندگان عالم ناسوت یعنی ملا اوتی مقصود ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کمال محبوبی کا خور و خی اور پاک دامن ہی سے متعلق ہے چونکہ یہ دونوں صفتیں ذات آنحضرت میں موجود ہیں پس اس کو بس ہو کر دونوں جہان کو سنبھال کر دل آئین مائل ہو کر اور سب کی ہمت آپ کی ذات پاک سے وابستہ ہو۔ واضح ہو کہ اگرچہ خور و خی اور پاک دامن تمام انبیاء علیہم السلام کی صفت ہو سکتی ہے لیکن بموجب اس ارشاد کہ جو آپ فرمایا تھا کہ انا من نور اللہ والمخلوق کلہم من نوری۔ یعنی میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام خلق میری نور سے پیدا ہوئی ہے یہ صفت خاص کر آپ ہی سے مختص ہے۔

**خال مشکین کہ بر آن عارض گندم گون** . **سراں دانہ کہ شد ریزن آدم با اوست**  
سیاہ تل جو کہ اوس گندمی عارض ہے . اوس دانہ کلمہ جو آدم کا ریزن ہوا اوس کے ساتھ ہے  
خال مشکین سے نقطہ ذات مراد ہے۔ خال مشکین دانہ تل اور دانہ گندم کی جسے حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے نکلوا یا تنہا عاتین ظاہر ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ ظہور ذات الہی مع تمام صفات عارض گلرنگ آنحضرت صلعم سے ظاہر ہویدا ہے۔ کیونکہ یہ اوس دانہ کا جس سے ہم نے نقطہ ذات مراد لیا ہے اور جو کہ آدم علیہ السلام کا ریزن تھا یعنی اوسنے اونکو خطا وار بنا کے جنت سے نکلوا یا اوس خال مشکین کے ساتھ ہے یعنی اسی سبب سے وہ نقطہ ذات مروجہ دل عالمیان ہوا اور تمام کائنات کو اپنی طرف مائل کیا یہاں تک کہ تمام انبیاء و نسل نے کہا تھا کہ یا خدا تو نے ہمارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں کر دیا ہوتا۔

**دلبر مرغم سست کرد خدا یار ان** . **چہ کرم بادل مجروح کہ مرہم با اوست**  
میرزا دلبر کو سست کیا ایسا خدا کے لئے . زخمی دل کو کیا کہ زخمین کہ مرہم اوس کے ساتھ ہے  
یعنی ایسا یار ان طریقت میرے دلبر نے جو آنحضرت صلعم میں اس جہان فانی سے عالم بیت کی طرف رطبت فرمائی اور میں اون سے دور ہو گیا اب میرا دل اشتیاق سے روز و شب طہان رہتا ہے براغم خدا تبارک کہ اس زخمی دل کا مرہم کہاں سے لاؤں اور کیا علاج کروں کیونکہ مرہم تو حضور کے پاس تھا جو جہان سے دار ناتی میں کوچ فرما گئے ہیں۔ کتنے ہیں کہ خواجہ حافظ شیرازی صاحب نے کسی سے بیعت نہیں کی تھی چنانچہ نصیحت میں لکھا ہے کہ اسی سبب

شیرین و مہنون سے اور پیغمبران علیہم السلام مراد ہیں خاتم کا لفظ سلیمان وقت کی رعایت سے آیا ہے اور پہلو مصرعہ کے لفظ بادشاہ کو یہی اسے خاص ربط ہے۔ ہر سے مراد مہربوت ہوگی۔ یہ عرض کر دیا گیا ہے کہ یہ اشعار حضور سرور کائنات کی صفت میں ہیں گو اور انبیاء علیہم السلام ہی پیغمبر وقت ہوتے تھے مگر چونکہ آپ سرور انبیاء ہیں اس واسطے آپ کو حضرت سلیمان سے جو شاہ منشاہ جن و انس بھی تھی اور پیغمبر بھی تھی تشبیہ دینی ہے علاوہ برین آپ کو پشت مبارک پر نبوت کا نشان ثبت تھا جسکو مہربوت کہتے ہیں چونکہ کوئی ایسی صریح علامت پیغمبری کی اور پیغمبر و نبی کی پاس نہ تھی اس واسطے اسکا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا ہے ماوراء زمین حضرت سلیمان علیہ السلام کے نام کے ساتھ انگشتری کے خاص رعایت بھی ملحوظ تھی۔ واضح ہو کہ آنحضرت صلعم کی ذات میں بخلاف پیغمبران ماقبل مثل موسیٰ علیہ السلام۔ عیسیٰ علیہ السلام کے تمام خوبیاں اللہ پاک نے جمع فرمادی تھیں مثلاً موسیٰ علیہ السلام منظر صفات تفریہ تھی اس واسطے اسکی شریعت بمقابلہ اور دن کی شریعت کے زیادہ سخت تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام منظر صفات لطیفہ تھی لہذا اسکی شریعت تمام شریعتوں سے زیادہ نرم تھی۔ چونکہ ہماری پیغمبر آخر الزمان مستجمع الصفات والذات تھے اسلئے آپکی شریعت مبارک سختی و آسانی دونوں پر مشتمل ہے یعنی اعتدال کی صورت رکھتی ہے نہ تو ایسی سخت ہے کہ آپکی امت موسیٰ کی امت کی طرح اسکی تحمل نہ ہو سکے نہ اتنی نرم کہ عیسیٰ کی امت کی طرح لوگ اپنے واسطے طبعاً و احکام بنا کر شریعت کو پیچھا و الدین۔ چنانچہ اسی اعتدال کے اختیار سے خواجہ صاحب چشم نیگون لب خندان دل خرم کے الفاظ لائے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ سبز رنگ طبع کہ عالم کی خوبی اور زیبائش اس سے متعلق ہے ایسا اچھا محبوب ہے کہ از سرتاپا صفات حمیدہ اور اوصاف جمیلہ سے آراستہ و پیراستہ ہو رہا ہے اور تمام خوبیاں لطف و قہر و رحمت و غضب کی اسکی ذات فرخندہ صفات میں مضمر ہیں۔

روح خوبست کمال ہنر و دامن پاک لاجرم ہمت پاکان و غالم با دوست  
صورت اچھی ہنرین کمال دامن پاک بیشک دو عالم کے لوگوں کی ہمت اور کمر ساتھ ہی  
روح خوب کا اشارہ باننا من نور اللہ کی طرف ہے ہنر سے مراد محبوبی۔ دامن پاک کا  
کنا یہ بجا زاغ البصر و ماطع کی جانب سمجھنا چاہئے پاکان دو عالم سے ساکنان عالم



واغم کہ بگذر دز سر جرم من کہ او  
گر چہ پری میشت لیکن فرشته خوست  
من جانتا ہوں کہ وہ میری گناہ سوز رہیگا  
اگر چہ پری و شہر لیکن فرشتہ صلت بھی ہو  
پری کا حسن شہور ہے لیکن چہ وہ عاشق ہو او سکو مصیبت کا سامنا ہوتا ہو اس اعتبار سے خواست معنی پر  
پریوش کا لفظ صفات قہر یہ کہ واسطے آیا ہو اور فرشتہ خو کا صفات غفار یہ کیلئے۔ بگذر دو معنی در گذر  
کرے یا بخند نیو کہ من مطلب یہ کہ گو میرا محبوب یعنی خدا تعالیٰ قہاریت کی صفت بھی ہو صوفی  
لیکن ہوس میں بڑی صفت غفاریت کی ہے اس لیے الٰہی چنانچہ خود فرما تا ہو کہ سبقت رحمتی عطا  
غضب میری رحمت میری غضب بڑی ہوئی ہو کو میں یقین کرتا ہوں کہ وہ تمام تر اہم میری ہی  
جانتا ہوں کہ غفار بھی ہو اور ضرور میری غلامانہ کرامت فرماؤ گا۔

بی گفتگوی زلفت تو دل را ہمیر و  
بار بوی دلکش تو کراوی گفتگوست  
تیری زلفت بڑے دلکو لئے جاتی ہے  
تیری چہرہ دلکش کیساتھ کسکو گفتگو کی مجال ہو  
یعنی تیری زلفت جس سے جذبہ عشق حقیقی مراد ہے بغیر کہ ہنسنے دلکو چہیز لیتی ہو تو پھر کسکی مجال ہو  
کہ جو تیرے رومی دلکش کیساتھ جس سے تمام تجلیات مقصود میں مقابلہ کرے گا۔

عمریت تاز زلفت تو بوی شنبہ ایم  
زان بوی در مشام دل ماہنوز بوست  
ہست گذر کہ ہم تو تیر زلفت کی بو خوشبو نکلی  
وہ بواہی تک ہماری مشام طان میں موجود ہو  
یعنی امی محبوب حقیقی مدت گذری کہ تیری زلفت کی بو جس سے وہ ہی جذبہ عشق مراد ہو ہم تو نکلی ہو  
لیکن ابھی تک ہماری مشام جان میں وہ بو ویسی ہی موجود ہے اور او میں کسی طرح کا تغیر و تبدل  
یا کمی بیشی نہیں ہوئی۔ یہ گویا عاشق کی کچھ کاری کی طرف اشارہ ہو۔

ہمستان وہان کہ ندیم ازو نشان  
مومیت آن بان و نہا تم کہ آن چہ بوست  
وہ وہان بھی ہو کہ میں ڈاؤس کا نشان نہ لکھا  
وہ کربالی ہو کہ میں نے اون بال کو سنا نا  
وہان سے اشارہ نقطہ احدیت کی طرف۔ اور میان سے کنایہ یقین و کثرت کی جانب مطلب  
یہ ہے کہ نہ تو میں نے کہیں ذات احدیت کا نشان دیکھا اور نہ یقین و کثرت ہی کو مستحکم پایا۔  
معشوق کا دہن اور کمر جنگی تعریف میں شعرا مبالغہ سے کام لیتے ہیں حقیقی صورت این  
اس طرح گم کئے گئے ہیں۔

لوگ اونپر طعنہ زنی کرتے تھے۔ کشت مارا دم عیسیٰ مریم با اوست  
 بالکہ اس نکتہ تو ان گفت کہ آن سنگین دل  
 اس نکتہ کو کس سے بیان کیا جائے گا اس سنگین دل کی  
 سنگین دل سے جو کہ معشوق کی صفت ہر ذات بابرکات آنحضرت صلعم باعتبار استغفار اودہو سکتی ہے  
 اور مطلب یہ ہے کہ اس سنگین دل محبوب کو اپنی بے پروائی سے ہم کو معرض ہلاکت میں ڈالائیے  
 یا تو یہ معشوق سے گماں کیا یا ہجر میں مارا با وجودیکہ وہ دم عیسیٰ رکھتا ہے۔ اور اذکی طرح مرد و نکو  
 جلا سکتا ہے چاہے تو یہ تہا کہ ہمارے دل خستہ پر مرہم رکھتا یا شربت وصال سے سیراب فرماتا کیونکہ وہ  
 عیسیٰ نفس ہی پس یہ حال میں کس سے کہوں اور کون یقین کرے گا کہ جو مرد و نکو جلا تا ہے اوی کی  
 مجھے مار ڈالا۔

حافظ از معتقدانست گرامی و ارشاد زانکہ بخشایش پس روح مکرم با اوست  
 حافظ معتقدونین سے ہے اوسکو معزز رکھ  
 یعنی اوی مخاطب حافظ آنحضرت صلعم معتقدون میں سے ہے پس اوسکو خاص طور پر معزز سمجھو اور ان خیال  
 نہ کر کہ اوس کسی سے بیعت نہیں کی اس واسطے کہ بخشایش ارواح مکرم جس سے اشارہ روح بقدر کے  
 فیض کی طرف ہے اوسکو ہمراہ ہے۔ کتاب حبیب السیر میں ایک بزرگ فرماتی ہیں کہ میں نے جب تک شعر  
 حافظ کا نہ سنا تھا میں ہمیشہ اوسکا منکر رہا مگر اس کے سننے پر معلوم ہو گیا کہ حافظ علیہ الرحمۃ بیشک  
 ولی کامل تھے۔

وارم امید عاظمی از جناب دوست کروم خیانتی و امیدم بعفو اوست  
 میں جناب باری تعالیٰ سے لطف کی امید رکھتا ہوں میں خیانت کی اور اوس سے عفو کی امید ہے  
 خیانت بمعنی چوری یا گناہ۔ خیانت کا دوسرا سنہ جنایت ہی ہے اوسکو معنی ہی گناہ کے میں مطلب  
 یہ کہ میں باوجود اس کے گناہگار ہوں مگر بہرہی اوسکی جنایت سے عفو کی امید رکھتا ہوں۔ اوسنے  
 ہم کو عبادت کروا سطر پیدا کیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے ما خلقت الجن والانس  
 الا ليعبدون نہیں پیدا کیا (اللہ نے) جن و انسان کو مگر واسطے عبادت کر چونکہ مجھے کچھ عبادت  
 نہو سکی اسلئے میں ان اللہ یغفر الذنوب جميعا کو حکم پرا دس بخشش کا امیدوار ہوں۔

اوس رات میں واقع ہو تو وہ خدا کے نزدیک قدر کے لائق ہے۔ بعض نے قدر کے معنی تنگی کے لئے ہیں کہ اوس رات کو فرشتوں کی کثرت سے زمین تنگ ہو جاتی ہے یعنی اس قدر تنگ نازل ہوتے ہیں کہ یہ بات کہ شب قدر سال کی کون سے مہینہ کی کون تاریخ ہوتی ہے کسی کو معلوم نہیں۔ بھر حال اس کا تذکرہ ہم اس سے پہلے لکھ آئے ہیں۔ خواجہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ وہ شب قدر جسکی تعریف اہل غلو ت یعنی تنہائی میں بیٹھ کر عبادت کر نیوالے لوگ کیا کرتے ہیں یہی شب اسو اسطو کہ آج کی شب محبوب وصال محبوب حاصل ہو۔ دوسرا مصرع بطور استعجاب ہے یعنی اگر خدا یہ کونسی ستارہ کو تاثیر دے گا کہ مجھ کو ابھی شب وصل محبوب حقیقی حاصل ہوا۔

تا بگسوی تو دست نامزایان کم رسد ہر ولی و حلقہ در ذکر یارب یارب بست  
نامزایان کو نکالنا تیر کی گیسو تک کم پہنچتا ہے ہر ویش حلقہ میں یارب یارب کا ذکر کر رہا ہے  
نامزایان سے ظاہر پرست لوگ مراد ہیں جو عشق سے بہرہ مند نہیں ہوتے۔ گیسو کی رعایت سے  
حلقہ کا لفظ لائے ہیں مگر اس حلقہ سے فقیر و ن کا وہ حلقہ مراد ہے کہ جس میں ذکر و شغل کیا جائے  
یارب یارب سے مقصود فریاد کرنا یا انصاف چاہنا ہے اور مطلب یہ کہ ہر ولی عاشق جو کہ حلقہ  
گیسو کی محبوب میں ہے وہی دعا کرتا ہے کہ یا خدا ظاہر پرستوں کو تیری گیسو تک جس سے عشق مراد ہے  
دسترش ہونے پائے۔

تشنہ چاہ زخندان تو ام کز ہر طرف صد ہزارش گردن ز بطوق غنغبت  
تیر کی چاہ زخندان کا پیاسہ مہوین کہ ہر طرف سے او کی بطوق غنغبت کے پیاسہ ہزار جانوں کی گردن میں  
غنغبت سبب زخندان کو کہتے ہیں اور نیز اسکو بھی جو مرغ کی گردن پر لٹکتا رہتا ہے۔ معشوقوں کے  
ٹھوڑی پر جو گوشت کا حصہ خوبصورتی کے ساتھ معلوم ہوتا ہے اسکو بھی غنغبت ہی بولتے ہیں  
یعنی اگر محبوب میں تیر کی چاہ زخندان کا پیاسہ ہوں اسواسطے کہ بسو ہزار جانوں کی گردن میں اوس  
تیر کی زخندان کے طوق غنغبت کے نیچے موجود ہیں۔ تشنہ کا دوسرا نسخہ غفر کہ ہے چاہ کی  
رعایت سے تشنہ اور غرقہ دونوں کا مطلب نہیں ہوتا ہے  
تاب خمی بر عارضش میں کافاقب گرم رو در ہوائ آن عرق تابست ہر فرشتہ بست  
او کی عارض کو پسینہ کی تاب مثل آفتاب تیز کر دیکھہ جب تک اس عرق کی ہوائ میں یہ ہر روز چمکے ہے

دارم عجب نقشِ مخیاں کش کہ چون رفت از دیدہ ام کہ دم بدش کا رشت و بست  
 تعجب کہ او کی خیال کا نقش کیوں نہ گیا میری آنکھوں سے کہ اونکا کام ہر وقت ہوا کہ  
 یعنی امی محبوب میں تیرے نقشِ خیال سے تعجب میں ہوں کہ باوجود اسکے کہ میری آنکھیں ہر وقت  
 دہونا بگونا کرتی رہتی ہیں یعنی روتی رہتی ہیں اسپر ہی تیرا نقشِ خیالی میری دلوں نہ دہلا اور اتنی  
 سبب ابی اشک جو میری دیدہ گریبان سے جاری رہتی ہے اس نقش کو منٹ کر صاف نہ کر سکی۔  
 چندان گریستم کہ ہر آنکس کہ برگزشت در دیدہ ام چو دید روان گفت این چہ جست  
 میں اس قدر روایا کہ جو شخص میری پاس ہو کر گذرا میری آنکھوں میں جب آنسوؤں کی ٹپک ٹپک کیا ماری  
 مطلب یہ کہ امی محبوب میں تیرا اس استغنا سے جو تو مجھ پر روا کرتا ہی اس قدر روایا کہ جو شخص میرے  
 پاس ہو کر گذرا اوسنے کہا کہ یہ تیری کیا عادت ہے یعنی تو نے رو کر اپنا بہہ حال کیا ہے۔ تو کا نسخہ  
 جو بھی ہے جسکے یہ معنی ہو گا کہ میری پاس آنے والے شخص نے کہا کہ یہ ندری کیسی ہے۔  
 ماسہ جو گوی بر سر کوی تو با حستیم واقف نشد کسی کہ چہ کو لیست این چہ جست  
 ہمنو سرانند گنبد کے تیری کوچہ میں نثار کیا کوئی شخص واقف نہوا کہ کیسی گنبد کا کوہ کون کوہ  
 یعنی امی محبوب میں نے تیرے خدمت و اطاعت یہاں تک کی کہ سر کو تیری راہ میں فدا کر دیا اسپر ہی  
 کوئی شخص آگاہ نہوا کہ یہ کوچہ کون سا ہو اور اسکی گنبد کون سا سر ہو یا یہ کہ میں نے سر کو گنبد کی طرح  
 سہان عشق کے وقف کر دیا اور کوئی اوس سے آگاہ نہو سکا۔

حافظ بہت حال پریشان تو لے . برپا زلف یار پریشانیت نکوست  
 حافظ حال کہ ہاتھ سے پریشان تو ہے لیکن زلف یار کی یاد میں تیری پریشانی اچھی ہے  
 مطلب یہ کہ امی حافظ کو تو نے اپنا حال پریشانی و سرگردانی سے ابتر کیا ہے لیکن چونکہ یہ پریشانی  
 شاہد حقیقی کے عشق کی وجہ سے ہے اسلئے یہ بہت اچھی ہے کہ سبب طبعی کا ہے۔ حافظ سے قلب شکم  
 مراد ہے اور پریشانی کیلئے شرح میں طبعی کا لفظ رکھا گیا ہے۔  
 ان شب قدر کہ کوئد اہل خلوت امشبست یارب این تاثیر دولت از کد این کو کبست  
 وہ شب قدر جسکو اہل خلوت شبِ کثر میں برات ہے یا اللہ دولت کی یہ تاثیر کون سے ستارہ سے ہے  
 شب قدر کہ معنی شبِ غرت یعنی جو شخص کہ اوس رات کو عبادت کرے خدا کو عزیز ہو جائے یا اگر کوئی عمل

اور کوئی شخص اپنی مذہب کو ترک نہیں کرتا۔  
 آنکہ ناوک بر دلم از زیر چشمی سب زند  
 قوت جان حافظش در خند و زیر لب  
 وہ کہ تیر میر کو از زیر چشمی سے مارتا ہے  
 اس کو حافظ جان کی قوت و کی زیر لب قسم کو  
 ناوک زیر چشم سے تجلی ذاتی قہاری مراد ہر جو عاشقوں کی فنا کا سبب ہوتی ہے اور چندہ زیر لب ہر  
 تجلی جمال کہ جو ان کی حیات بخش ہے۔ مطلب یہ کہ وہ جو حافظ کے دل پر در دیدہ نگاہی ہے اور بار بار  
 یعنی تجلی قہاری سے کشہ کرتا ہے اور جس سے فنا مراد ہے اوسکی زیر لب قسم میں بقا موجود ہے  
 ممکن ہے کہ تجلی جمال سے سرفراز کر مرتبہ بقا کو ہو بخا دے۔

سینہ ام ز آتش دل در غم جانانہ بسوخت  
 آتش بود در بخانہ کہ کاشانہ بسوخت  
 میرا سینہ دل کی آگ سو غم جانانہ میں جل گیا  
 اس گہ میں آگ تھی جسے مکان کو پہونکا  
 یعنی میرا سینہ اوس آگ سو جو میری دل میں تھی سوختہ ہو گیا آتش دل سے آتش عشق مراد ہر  
 یہ آگ عجیب آگ تھی کہ جنو ابو گہ کو جلا دیا۔

تنم از واسطہ دورے دلبر بگذاخت  
 جانم از آتش ہجر رخ جانانہ بسوخت  
 تن میرا دوری دلبر کی وجہ سے گہل گیا  
 جان میری ہجر جانان کی آگ سو جل گئی

طلب صاف ہے تشریح طلب نہیں صرف عاشق اپنی مجوری کا اظہار کرتا ہے۔  
 ہر کہ زنجیر سز زلف پر روی تو دید  
 شد پریشان دلش برین دیوانہ بست  
 جس کسی نے تیر سز زلف پر روی زنجیر دیکھی  
 پریشان ہوا اور دل اوسکا مجہ دیوانہ پر جلا  
 یعنی جس شخص نے تیری زلف زنجیر کو دیکھا خود پریشان ہو گیا اور مجہ دیوانہ پر دل سوختہ کیا

کہ یہ عجیب مصیبت میں گرفتار ہے۔  
 سوز دل میں کہیں آتش اشکم دل شمع  
 دوش برین ز سر ہر چو پروانہ بسوخت  
 سوز دل کو دیکھ کہ تیری آتش اشک شمع کا دل  
 کل محبت سو مجھ پر شل پروانہ کو سوختہ ہوا  
 یعنی میری دل کا سوز اور اشکوں کی گرمی کہ یہ کہ شمع کا دل بھی میری سوختگی سے اس طرح  
 جل گیا کہ جس طرح خود شمع پر پروانہ تار ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ میری دل کا نور اور انگوٹھی  
 گرمی یا سقد بڑی ہوئی ہے۔



گرم رو یعنی تیز رو یعنی پسینہ کی تاب جو اس معشوق کو عارض پر واقع ہوئی ہو اور سکودیکہ آفتاب  
بزرگی مان رہا ہے اور اس پسینہ کی محبت جتنک کہ دل میں موجود ہے ہر روز زیادہ ہی مناسب ہے  
کہ یہ عادت اسکی رخسار پر واقع نہو۔

اندر ان کو کہ برشت صبا بند زین باسیلیمان چون ایم من کہ موم مرکب  
اس حلقہ میں کہ صبا کی نشت پر زین رکتم ہین سیلما کی مانند چیلون میں کہ لبر لک چوٹی ہو  
مرکب کا اشارہ مرہ عاشقان کی طرف ہے اور سیلیمان کا موم بستی کی جانب موم کی مراد بود  
مطلب یہ کہ اگرچہ میں اون عاشقوں کو گروہ میں ہوں جو ہوا کو نالغ فرمان کر لیتے ہیں یعنی خوارق و  
کرامات کے مظہر ہوتے ہیں تاہم بود انسان کا وجود بہت ضعیف ہے اور سیلیمان کیسا نہ کہ جو محبوب  
حقیقی ہے مہسری نہیں ہو سکی یعنی میں انا الحق کا دم نہیں بہر سکتا۔

شہسوار من کہ آئینہ دار روی دوست تاج خورشید بلندش خاک نعل مرکب  
میرا شہسوار کہ چاند اسکر رخ کا آئینہ دار ہے خورشید بلند کا تاج اسکو مرکب کی نعل کی خاک کہ  
یعنی خورشید بلند کا تاج میری شہسوار کے گہوڑے کے نعل کی خاک ہو اور چاند باوجود اس حسن و  
جمال کے اسکا آئینہ دار۔ آئینہ دار مو تراش کو کہتے ہیں اور یہ تمام جملہ معترضہ شہسوار کی  
صفت سمجھنا چاہئے۔

آبجوانش ز متقار بلاغت میچکد زلغ کلاک من باخ ایزد عالی شربت  
آبجیات اسکی متقار بلاغت سے ٹپکتا ہو میرا زلغ کلاک من کیا عالی شربت ہے  
اس شعر میں گویا حافظ صاحب اپنی قلم بلاغت رقم کا وقت کر رہے ہیں قسم خدا کی کہ میرا قلم بھی کتنا  
عالی شربت ہے جس سے آبجیات شربت مراد ہو باعتبار اسکو کہ حقیقی عاشق تھا نہیں  
اور چونکہ حالات عشق و حقیقت بذریعہ قلم تحریر ہو رہے ہیں اسلئے قلم کو آبجیات کا ٹپکنا بیان کیا۔  
من نخواہم کرد ترک لعل یار و جام می ز ابدان معذور دازیم کہ انیم مذہبست  
میں لب لعل یار و جام می کو ترک نہ کروں گا انہذا ہر معذور سمجھو کہ یہ میرا مذہب ہے  
مطلب یہ کہ انہذا ہر مجھے اپنی غلط و نصیحت سے معاف رکھو میں ہرگز اس محبوب حقیقی کی  
آرزو و لطف یا اسکو بوسہ کی تمنا یا اسکو عشق و محبت کو نہ چھوڑوں گا اسواسطے یہ میرا مذہب ہے

خرقہ زہد مرا آب خرابات بسر خانہ عقل مرا آتش خمخانہ بسوخت

میری زبیر لبا میں نے خرابات کی آبرو کھوئی میری خانہ عقل نے آتش خمخانہ کو جلایا  
خرابات سے مراد حالت عشق ہے اور آتش خمخانہ سے کنایہ شراب کی طرف ہے جس سے  
شراب عشق حقیقی مقصود ہے مطلب یہ کہ میرے زہد و تقویٰ نے عشق و محبت کی آبرو  
کھو دی اور خانہ عقل نے جس سے دماغ مراد ہے عشق کو جلایا یعنی جب عشق ہوتا ہے  
تو عقل نہیں رہتی اور اگر عقل سے کام لیا جائے تو عشق فہر ہو جاتا ہے لہذا خواجہ صاحب  
زہد و پارسائی سے عشق کی آبرو زیری اور عقل سے اس کا خانہ دماغ سے نکل جانا یا سوخت  
ہو جانا ظاہر فرما رہے ہیں۔

ترکِ افسانہ بگو حافظ و می نوش دی کہ تحفیم شب و شمع بافسانہ بسوخت

اگر حافظ قصہ کو تمام کر لیں کہ تو توڑنی شراب پی کہ ہم رات کو سو ہی نہیں اور شمع افسانہ سو جلیگی  
افسانہ مراد اہل ظاہر کی گفتگو سے ہے۔ اور شراب نوشی سے وہی عشق و محبت  
عبارت ہے۔ شمع سے مقصود شمع نہ لگی۔ اور مطلب یہ کہ اے حافظ اہل ظاہر کی  
گفتگو ترک کر یہ بے فائدہ ہے اور کچھ دیر عشق و محبت کی باتیں ہونے چاہئیں تاکہ رات کو  
جس سے عمر مراد ہے کچھ دیر آرام کر لیں یعنی عشق حقیقی کرین اس بیفائدہ گفتگو سے  
جس کا اشارہ دنیا و مافیہا کے جھگڑے کی طرف ہے کچھ حاصل نہیں ان جھگڑوں میں  
ساری عمر بسر ہو جاتی ہے اب اس کا وہ بیان کرنا چاہیے۔

زاہد ظاہر پرست از حال آگاہ نیست در حق ماہر چہ گوید جامی ہیچ اگر اہم نیست

ظاہر پرست زاہد ظاہر کی حالت سے واقف نہیں ہے جو کچھ ہمارے دین کو اوس سربازان کی ضرورت ہے  
یعنی یہ زاہد ظاہر پرست کہ جو ہمارے حال سے واقف نہیں ہے اور عاشقوں کے  
رہتے کو نہیں سمجھا جو کچھ بھی ہماری نسبت کہے اوس سے بُرا نہ ماننا چاہیے اسو اسطر  
کہ جب وہ ہم سے آگاہ ہی نہیں تو ناواقف کے کہنے کا برا ماننا کیا ہے گویا وہ  
بوجہ عدم واقفیت کے ہمیں برا کہنے میں معذور ہے۔

چون پيالہ دلم از توبہ کہ کردم مشکست  
توبہ کر کے سو میرا دل مثل پيالہ کے ٹوٹ گیا  
چون صراحی جگر م بی می و پیمانہ خست  
اور صراحی کی طرح جگر میرا شراب پیمانہ کی خست گیا

مطلب یہ کہ جب میں نے شراب عشق سے توبہ کی تو میرا دل مثل پيالہ کے ریزہ ریزہ ہو گیا اور  
جس طرح کہ صراحی بغیر شراب کے خشک ہو جاتی یا سوکہ جاتی ہے اسی طرح میرا جگر بغیر شراب  
کے سوکہ گیا۔ یعنی جے اگر آرام ہے تو پيالہ نوشی میں ہے۔ بلا کو نوشی کے میری تراوت  
جگر جو اسائش کافیہ ہے کہان می نوشی سے وہی عشق و محبت مراد ہے۔

ناجرا کم کن و باز آ کہ مرا مردم چشم  
جگر اکم کر اور باز آ کہ میرے مردم چشم نے  
خرقہ از سریدر آورد و بشکرانہ بست  
خرقہ سر سیاہ تار ڈالا اور شکرانہ میں بونختہ ہوئی

اس موقع پر ماجرا سے مراد وا غلط کا و غلط و نصیحت ہے مطلب یہ کہ اس وا غلط تو مجھے نصیحت  
کی گفتگو کر اور اس سے باز آ یعنی مجھے عشق و محبت سے مانع نہوا سو اسطے کہ میری مردم چشم نے  
شرم کا برقعہ اتار بھینکا ہوا اور عشق کے شکرانہ میں جل کر خاک ہو گئی ہے۔ خرقہ از سر  
بدر آوردن فارسی محاورہ ہے جسکے معنی بے شرم ہو جانے کے لئے جاتے ہیں اور نیز ممکن ہے  
کہ اس شعر کا مخاطب معشوق ہو اور یہ مطلب ہو کہ اے معشوق بائیں نہ بنا اور مجھ پر رحم فرما کہ  
میرے حال زار کی طرف متوجہ ہوا سو اسطے کہ میں تیرے عشق میں بے شرم ہو گیا ہوں۔

آشنائی نہ غریب ست کہ دلسوز منست  
چون من از خویش بر تم دل بریگانہ بست  
جو میرا دل سوز بردہ آشنائیں بلکہ غریب ہے  
جب میں آپو میں نہا تو یگانہ کا دل جلا

وہ شمع کہ جس کا دل شفقت ہم خیالی کی وجہ سے مجھ پر جلا میرے آشنایا دوست نہیں ہے  
بلکہ میری طرح غریب ہے اور قاعدہ کلیہ ہے کہ غریب کا بعد در غریب ہی ہوتا ہے سو اسطے  
وہ میری دل سوز نبی گو شمع بگانہ تھی یعنی میرے دوست نہ تھی بلکہ غیر تھی تاہم جب  
آپے میں نہا اور سرگردان بیا بان حیرانی ہوا تو غیر کا دل ہی میرے خیال سے بہر آیا  
یعنی شمع نے میری دل سوزی کی وضاحت ہو کہ اس دیوان کے بعض سخنیں  
یہ شعر۔ سوز دل بین کہ ز بس آتش اشکم دل شمع + کے نیچے لکھا ہوا ہے۔ مگر مطبوعہ دیوان  
میں کہ جو عام ہے اور جس سے ہم شرح لکھ رہے ہیں بہین پر ہے۔

چیت این صفت بلند و سادہ بیا نقش

بہت سے نقوش کی شاوہ صفت بلند کیا چیز ہے

صفت بلند سے آسمان مراد ہے۔ سادہ اسکی صفت۔ بسیار نقش کا لفظ باعتبار بسیار بن اور

ستاروں کے لئے ہے۔ یا بسیار نقش سے عبارت حوادث سماوی ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ یہ

جبرج ہمارے کیا شے ہے جسکی طرف تمام غیر دشراور نیکیاں بدیاں منسوب کیجاتی ہیں۔ اگر نظر غور دیکھا جائے

تو یہ بھی اویسی کے حکم کا ثاب ہے کہ رات ان گردش کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے اختیار میں ہوتا تو کیوں سرگردان

پہتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایسا معجزا اسکی قدرت کا ہے جسکو کوئی دنیا کا عقل نہ عقل کے زور سے حل

نہیں کر سکتا۔

صاحب دیوان ماگویا میدان حساب

کاندین طغر نشان حسیبہ للہیت

ہمارا صاحب دیوان گویا حساب نہیں جانتا کہ اس طغرا میں حسیبہ للہ کا نشان نہیں ہے

صاحب دیوان سے مراد محبوبا اور طغرا کا کنا یہ عشق محبت کی طرف ہے۔ طغرا اس پیچیدہ خط کہتے ہیں

کہ جو شاہی فرمان پر بنا ہوتا ہے۔ دیوان لوگ جو اس فرمان کو جاری کرتے ہیں تو عزیز رعایا کے واسطے

حسیبہ للہ کا حفظ لکھ دیتے ہیں۔ یہ نشان عفو اور معافی کا سمجھا جاتا ہے۔ لہذا مطلب شعر کا یہ ہے

کہ ہمارا صاحب دیوان یعنی محبوب ہم غریبوں اور پاسبانے عاشقوں پر مہربانی اور التفات نہیں کرتا۔ یعنی

اوسکے فرمان پر حسیبہ للہ کا نشان نہیں ہے جس سے عفو پایا جاتی ہے اس اعتبار سے وہ گویا احسان

سے ناواقف ہے۔

ہر کہ خواہد گویا و ہر کہ خواہد گو پرو

گیر و دار حاجب دربان ہین درگاہ

جو آتا ہے کہہ دے کہ آ اور جو کہ جانا چاہے کہہ دے

بکڑ بکڑ پر وہ دلہا اور دربان اس درگاہ میں نہیں ہے۔

درگاہ سے مراد درگاہ معشوق معینی ہے اور اس کا مخاطب برشد کامل کو سمجھنا چاہیے مطلب یہ کہ

اسے مرشد جو یہاں آنا چاہے یعنی عشق کرنا پسند کرے اس سے کہے کہ عشق کو عشق کر

اور جو یہاں سے ہٹنا چاہے تو اس کو بھی خوشی سے چلا جانے دے کیونکہ اس بارگاہ میں کسی کے

آنے جانے کی واسطے کوئی روک ٹوک یا پردہ چوکی نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو کوئی حصول معرفت کرنا

چاہے اوسکے واسطے مانع نہیں۔ اور جو نکرنا چاہے اوسکو مجبور نہیں کیا جائے گا۔

در طریقت ہر چہ پیش سالک ناید خیر است و صراط المستقیم امی دل کسی گمراہ نیست

راہ طریقت میں جو کچھ سالک کو پیش آوے وہ اچھا ہے اور دل کوئی سید پرستہ میں پڑ کر گمراہ نہیں ہوتا۔ طریقت ہر چہ چار منزلوں میں کی ایک منزل ہے یعنی شریعت و طریقت اور حقیقت اور معرفت یہ چار منزلیں ہیں انہیں میں سے طریقت ہی ہے۔ لہذا خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اسے دل را و طریقت میں سالک کو جو پیش آئے وہ اس کے واسطے اچھا ہی ہے کیونکہ سب وہ سید ہے راستہ ہمارا ہے تو اس کے بکنے کا اندیشہ نہیں ہے یہ گویا منزل طریقت کی تعریف ہے کہ اس میں چلنے والا گمراہ نہیں ہوتا۔

تا چہ بازی رخ نماید بیدی خواہیم ز اندر شطرنج رندان اجمال شہ نیست

دیکھیں کہ بازی کیا بخندیتی ہم پیدل تلین گے بساط شطرنج رند و سپر مجال شہ کی نہیں ہے اس شعر میں پیدل اور پنج شاہ اور بازی شطرنج کے الفاظ ایک ہی رعایت سے آئے ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی بیدق و جو کو میدان عشق میں دوڑائیں گے یعنی عشق باری کرین گے اور پھر دیکھیں گے کہ کیا معاملہ پیش آتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس میں ہمارے لئے کوئی روک ٹوک نہ ہوگی کیونکہ کسی کی مجال نہیں ہے جو عاشقان صادق کو شہ دے یا اونکارا بستہ روکے۔

این چہ استغناست یا رب این چہ اور حاکمست کاین نہ زخم تہا نیست مجال آہ نیست

یا رب کیا بڑی پروائی ہے اور کیا حکم حاکم ہو کہ ان پوشیدہ زخموں پر آہ کی بھی مجال نہیں ہے قاعدہ کلیہ ہے کہ تکلیف پر کراہا کرتے ہیں لہذا خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ یا رب یہ کیا قدرت ہے کہ باوجود اس اندرونی تکلیف اور زخموں کی بھی ہم کراہنے کی مجال نہیں رکھتے۔



و عزت کی طرح نہیں رہا کرتا۔ شیخت ہی گویا ایک قسم کی دولت ہو جسکو دولت عزت کہہ سکتے ہیں۔  
آن پیک نامور کہ رسید از دیار دوست

و نامور قاصد جو کہ دوست کے شہر سے آیا  
خوش میدہد نشان جمال و جلال

یار کے جمال و جلال کا اچھا پتہ دیتا ہے  
جان داو مشن بزرگہ خجالت ہی برم

اس خوشخبری میں جان دیکر بھی نادم ہوں  
یہ تینوں شعر قطعہ بند ہیں۔ اسلئے ہم ان سب کی شرح ایک ہی جگہ لکھ دیتے ہیں۔ مطلع میں پیک نامور سے

حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں، دوست کا اشارہ حق تعالیٰ کی طرف ہے۔ خط مشکبار سے کلام مجید مقصود ہے  
دوسری شعر میں یار سے کنایہ خدا کی طرف جمال سے صفات رحیمہ جیسے آیات کریمہ ان اللہ عفویم سراجیم

وَ اِنَّ اللّٰهَ لَذُو فَضْلٍ عَلٰی النَّاسِ اور جلال سے صفات قہر جیسے آیات کریمہ ان اللہ بَشَدِیْدُ الْعِقَابِ  
و یَوْمَ یُؤْخَذُ بِالْوِاْصِی وَاَلَا قَدْ اَرَمَ عَزَّوَجَار کا اشارہ ان آیات کی طرف ہے ان اللہ لَقَوٰی یَعْنٰی

وَلَا اِلٰهَ اِلاَّ اَنَا وَلَهُ الْکُبْرٰیَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ مطلب یہ کہ جبرئیل علیہ السلام جنہوں نے درگاہ حضرت  
سمیت سے نزول فرمایا وہ اپنی ساتھ مکر و نفس شیطان سے پناہ پانے کا تعویذ جان یعنی قرآن لائے

پس وہ قرآن جمال و جلال رب العزت کا بہت عمدہ پتہ دیتا ہے۔ اور اس کے عَزَّوَجَار کی دلچسپ حکایت  
سناتا ہے۔ تیسری شعر میں حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اس خوشخبری سننے پر اپنی جان تک حوالہ

کر دی۔ لیکن پہر بھی شرمسار ہوں کہ ایسی خوشخبری کا کوئی معاوضہ مجھے نہ ہو سکا کیونکہ میری جان بہت ہی  
مہم حیات کا نقد میرے پاس تھا جو میں نے اوپر نثار کر دیا۔ واضح ہو کہ پیک نامور کا اشارہ جبرئیل

کی طرف ہے وہ مبتدا موصوف ہے اور رسید از دیار اس کی صفت و اور دوسرا مصرع اس صفت کی  
تکمیل سمجھنا چاہئے۔ پس اس صورت میں جمال و جلال کا نشان دیدی والا اور حکایت کرنا والا جو دوسرے

شعر میں آیا ہے وہ کلام مجید ہے۔ تیسرے میں حافظ صاحب اپنی بے بضاعتی کا حال بیان فرماتے ہیں  
کہ گو میں نے جان تک دیدی تاہم شرمسار ہوں کہ مجھے کچھ نہیں دیا گیا۔ یعنی مجھ

ایسی خوشخبری تھی کہ جس کے سننے کا معاوضہ جان عزیز کا دیدینے سے ہی نہ ہو سکتا۔

ہرچہ بہت از قامت ناساز و بی انعام است      ورنہ تشریف تو بر بالائی کس کوتاہ نیست  
جو کچھ ہر وہ ہمارے قد کی نازیبا بی او غیر موزونیت ہے      ورنہ تیرا خلعت کسی شخص کے جسم پر تنگ نہیں ہے  
یعنی تیرا لطف عام اور فضل و کرم سب کے واسطے یکساں ہے۔ یہ ہمارا ہی قصور ہے کہ ہم عمل سے اپنا آپکو اور سکا  
سزاوار بناویں یا نہ بناویں یہ نفع و نقصان محرومی استحقاق کفر و اسلام۔ خیر و شر جو کچھ واقع ہوتا ہے بندہ کی  
ہی استعداد پر منحصر ہے اس میں خدا کے عام الطاف کا کچھ قصور نہیں۔ چنانچہ وہ خود ظالم مجید میں فرماتا ہے۔  
دَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ فَلَا تَلُمُوهُنَّ يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اللَّهُ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ  
ظلم نہیں کیا بلکہ خود ان کے نفسوں نے اوپر ظلم کیا نہ اللہ تعالیٰ نے اوپر ملامت کی مگر وہ اپنے نفسوں  
ہی سے ملامتی بنے۔

بر در میخانہ رفتن کار یک رنگان بود      خود فروشان را بکوی می فروشان نیست  
میخانہ کے دروازہ پر جانا یک رنگوں کا کام ہے      می فروشوں کے کوچہ میں خود فرو شوں کا کیا کام  
مطلب یہ کہ میخانہ عشق کے دروازہ پر جانا اور اسکی طلب کرنا اونکا کام ہے جو خودی اور خود بینی ہو گذر کر  
سلفاق و ریا سے پاک صاف ہو گئی ہوں اور بہت و نیست کے رنگ میں یک رنگ ہوں۔ خود پرست و  
خود بین لوگ کوچہ عشق میں نہیں جاسکتے اسواسطے کہ اظہار کراست اور دعویٰ خودی کرنا عاشقان کامل کا  
کام نہیں ہے۔ اس کوچہ میں وہی قدم رکھ سکتا ہے کہ جوان سب عیبوں سے پاک و صاف ہو۔

بندہ پیر خراباتم کہ لطفش دایم است      ورنہ لطف شیخ و زاید گاہ بہت و گاہ نیست  
میں پیر خرابات کا بندہ ہوں کہ اسکی مہربانی ہمیشہ ہے      ورنہ شیخ و زاید کا لطف تو کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا ہے  
پیر خرابات سے مراد مرشد کامل ہے۔ مطلب یہ کہ میں مرشد کامل کا بندہ ہوں کہ جب کا لطف ہمیشہ مسترشدوں کے  
شامل حال رہتا ہے۔ یہ شیخ و زاید کا لطف نہیں ہے کہ کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ یعنی ان کے وعظ  
و نصیحت کبھی اثر کرتی ہے اور کبھی نہیں کرتی۔

حافظ ارب بر صدر رہ نشین ز عالی ہمتی است      عاشق دروی کش از بذر حب مال جاہ نیست  
اگر حافظ صدر نشین نہیں ہوتا یہ اسکی عالی ہمتی ہے      درویش عاشق کو مال و جاہ کی طمع نہیں ہوتی  
یعنی اگر حافظ مشیخت کو صدر پر نہیں بیٹھتا اور دعویٰ کشف و کرامت نہیں کرتا تو یہ ناقص ہونے کی دلیل نہیں ہے  
صوت اسکی عالی ہمتی ہے اسواسطے کہ وہ عاشق درویش ہے۔ اور درویش پایا ہوا عاشق کبھی دولت

ماہیم آستانہ عشق و سر نیاز  
ہم پر اور آستانہ عشق اور سر نیاز  
اس شکرین لفظ "دیدہ باید" محذوف ہے۔ مگر دوسرے مصرع کے تائید سے اس کا پتہ چلتا ہے مطلب صرف  
یہ ہے کہ ہم میں اور آستانہ عشق سے اور ہمارا سر نیاز حمزہ یکے کے خواب خوش دوست کے ہلو میں عین غیب  
ہوتی ہے یا نہ کہ۔ اس واسطے کہ زائد کو اپنی عبادت پر گنہگار ہے اور ہمارا۔ سر تسلیم خم ہے جو مرنے والے میں آئی

والا سوز ہے +

دشمن بقصدِ حافظ اگر دمِ زند چاک  
دشمن اگر حافظ کے قتل کا قصد کرے تو کیا خوف  
منت خدائے را کہ نعم شمسار دوست  
خدا کا احسان کہ میں دوست سے شکر گزار ہوں

اس میں لفظ دشمن محذوف مانا جائے گا۔ یعنی اگر دشمن میری ہلاکت کا ارادہ کرے تو میں نہیں ڈرتا اور اگر  
دوست ایسا قصد کرے تو بھی پروا نہیں کہ اس کی جفا مجھے عزیز ہے یا اس کے احسان سے شکر گزار ہوں

زلفت ہزاروں کی تار مو بہ لبست  
تیرے لطف کے ہزاروں ل ایکیاں کے تار سے باند  
راہ ہزار چارہ گراں چار سو بہ لبست  
ہزاروں عقلمندوں کی راہ چار طرے سے رکی

زلف سے جذبہ عشق یا عالم دنیا مراد ہے۔ یکے تاروں سے جذباتِ الفت کا کوئی جذبہ یا لغات دنیا کی  
کوئی نعمت معصومہ ہے۔ چارہ گراں کے معنی ہونیا رکھ لئے گئے ہیں۔ مطلب یہ کہ اسے محبوب میں ہی تنہا تیرے  
جذبہ عشق میں گرفتار نہیں ہوا ہوں بلکہ ہزاروں عاتقوں کو تو نے اپنے ایک اشارہ سے والد و شہدا

بنایا ہے۔ یا یہ کہ ایک میں ہی دنیا کے بھندے میں نہیں پہنچا ہوا ہوں بلکہ بہت سے صاحبانِ دل  
اور ہونیا را کی نعمتوں میں سے ایک نعمت کے لئے دنیا کے بھندے میں پہنچے ہوئے ہیں جن کی کہ  
ہزارا ہین اہلین سے غلو کی موجود ہیں۔ مگر وہ نہیں نکلتے یعنی دنیا کو چھوڑ کر معرفت و حقیقت پر غور نہیں  
کرتے اسلئے اون پر گواہ و سب راہین تہ ہیں +

تا عاشقان ہجو شمشیر و ہر جان  
تا کہ عاشق اس کی خوشبو پر جان دین  
بخشود نافہ و در ہزار زو بہ لبست +  
نافہ کو کہولا اور ہر آرزو کا دروازہ بند کیا

نافہ سے مراد تجلیِ جمال ہے جو اولیٰ اول سالک کے اوپر نازل ہوتی ہے۔ اور مطلب یہ کہ اسے محبوب  
حقیقی تو نے اول تو اپنے جمال کی تجلی سے عاشقوں کو سرفراز فرمایا بعد ازاں اسے چھپا لیا۔ اس

سیر سپہر دور مقرر را چہ اختیار  
در گردش اندر حسب اختیار دوست  
آسمان کو گردش اور چاند کو چکر پر کیا اختیار  
اختیار دوست کے بموجب گردش میں ہیں  
مطلب یہ کہ اسے سالک کمال اور مصیبت و بے خبر جو افلاک کی گردش سے پیش آتی ہے معلوم ہونا  
نہیں چاہیے۔ اس واسطے کہ سیر سپہر اور چاند کی گردش اور ان کے اپنے اختیار سے نہیں ہے بلکہ ان کی  
تمام حرکات اس قادر مطلق کے اختیار میں ہیں۔ کیونکہ تمام ستاری اسی کے محکوم اور تابع فرمان ہیں  
اس واسطے اگر کوئی جو آسمان کی نشانیات کرے تو گویا وہ اس کی بیثبات کرتا ہے جسکے اختیار میں حدود  
آسمان ہی نہیں گویا علم نجوم کا مادہ ہے +

شکر خدا کہ زہد و محبت کا ساز  
بر حسب عاست ہمہ کار و بار دوست

خدا کا احسان کہ محبت کا ساز کی مدد سے  
دوست کے تمام کاموں کو حسب عاست پانا ہوں  
الحمد للہ کہ یہ میرے محبت کا ساز کی امداد سے دوست کے تمام کام میرے مدد کے موافق ہیں۔  
گرا و فتنہ ہر دو جہان باہم زند  
ما و چراغ چشمہ رہ انتظار دوست  
اگر فتنہ کی ندھی دونوں جہان کو ادھڑے  
تو ہی ہم درہم چشمہ دوست کی اینٹا رکڑی ہوئے

چراغ کے واسطے باد کا لفظ لائے ہیں اور زمانے میں کہ اگر حوادث و آفات دونوں جہان پر حاوی  
ہو جائیں تو بھی ہم ایسے جگے عاشق ہیں کہ اسکی پروا نہ کریں گے اور ہر چشمہ کا چراغ جو دوست کا انتظار

کریا ہے کسی فتنہ کی ضرورت سے گل ہوگا  
کحل الجواہر میں آراے نسیم صبح  
زبان خاک نیکبخت کہ شہر گنہگار دوست  
اوس خاک نیکبخت سے کہ جو دوست کی پہنچا رہی ہو

کحل الجواہر سرمد کو کہتے ہیں۔ مگر نہاں اوس سے حقایق الہی کی باتیں مراد ہیں۔ نسیم صبح مرشد کے لئے  
آریا ہے اور خاک نیکبخت عاشق کے واسطے مطلب یہ کہ اسے نسیم صبح دوست کی ملاقات سے پہلے  
وہ خاک نیکبخت جیسے ہو کر کہ اوس نے گزرا کیا ہو تو اب نے ہمراہ اور لانا کہ میں اپنی آنکھوں میں اوس کا سر گنگاؤں  
یعنی اسے مرشد کمال معشوق کی لطفاً آمیز باتیں کہ جو عاشقان صادق کے لئے تھے اوسے فرمائی تھیں  
مجھے کہتا کہ بن خوشی سے اوسکے عشق میں دل دیدوں۔ اوس خاک کو جیسے ہو کر محبوب گذرے  
نیکبخت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے

مراحمی سے سالک کا وجود اور خونِ خم سے شرابِ محبت مراد ہے۔ نغمہ مشہور لفظ قتل اوس آواز کو کہتے ہیں کہ جو شراب لٹھ پاتے وقت شیشہ کے گلے سے نکلتی ہیں۔ مگر بیان فصاحت و بلاغت کی طرف گنایہ ہے۔ یعنی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اوس محبوب حقیقی نے یا اوس کے عشق نے وجود عاشق پر کیسا اثر کر دیا ہے کہ باوجود ایسی فصاحت و بلاغت اور ہر طرح کی زبان دانی کے عارف جب مرتبہ عرفان پر پہنچتا ہے تو گونکا ہو جاتا ہے۔ یعنی اوسکو اسرارِ حقائق بیان کرنیکی مجال نہیں ہوتی۔

وانا چودید بازی این چرخِ حقہ باز ہنگامہ باز چید و در گفتگو بہ سبت  
مردمان نے جب اس چرخِ حقہ باز کی طرف دیکھا ہنگامہ باز چید اور دروازہ گفتگو کا بند کیا  
وانا سے سالک مراد ہے اور وہ ہی چپ ہونیکا مضمون ہے جو شعر مذکورہ بالا میں بیان ہو چکا۔  
یعنی جب سالک نے اس شعبہ بازی آسمان کو جس سے حالت دنیا کا تغیر تبدیل نظم و نسق مقصود ہے  
ملاحظہ کیا تو اسے کچھ کہنا سننا موقوف کر کے اپنے دہن پر خاموشی کی مہر لگالی۔ حقہ باز یعنی  
شکوئے چوڑنے والا۔

مطرب چہ انخمہ ساخت کہ در زمرہ سماع براہیل وجد و حال در نای ہو بہ سبت  
مطرب نے کیا نغمہ کیا کہ حلقہ سماع میں اہل وجد و حال پر مائے ہو کا دروازہ بند کر دیا  
مطرب کا اشارہ مرشدِ کامل کی طرف ہے نغمہ ساخت سے مقصود تلقین کیا یا بیان فرمایا اہل وجد و عاشقان  
صادق اور نای ہو سے مراد اظہار اسرارِ عشق ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر مرشدِ کامل تو نے کان میں کیا پہونکدیا  
کہ عشاقوں کے حلقہ میں اونپر دروازہ مائے ہو کا بند ہو گیا۔ یعنی اسرارِ معرفت سے کوئی بہرہ بھی  
وہ نہیں بتلا سکتے۔ اور وہ چپ ہوئے ہیں کہ گویا نہیں زبانِ مومنہ میں۔

حافظ ہر آنکہ عشق نور زید و وصلِ خواست احرام طواف کعبہ دل بی وضو بہ سبت  
اے حافظ جس کسی نے عشق تو نہ کیا اور وصل چاہا طواف کعبہ دل کے لئے بے وضو احرام باندھا  
اے حافظ جس شخص نے عشق نہ کیا اور وصل کی امید رکھی یعنی موفت کو بلا عشق کے حاصل کرنا چاہا تو  
گویا اوسنے اوسکی طرح محض فضول اور بے ڈھنگا کام کیا کہ جو شخص کعبہ کے طواف کے لئے  
بے وضو احرام باندھ لے۔

مطلب یہ کہ بلا عشق کے موفت نہیں مل سکتی۔

استغنائے گو یار و ازہ آرزو کا بند کر لیا ہے۔ شاید یہ ظاہر کر کے پوشیدہ کرنا اس واسطے ہے کہ عاشق کو بھی طلب ہو جاوے اور وہ ذوق شوق مشاہدہ سے اپنی جان شیریں کو تجھیر فدا کرے۔

شید از ان شدم کہ نگاری چو ماہ نو ابرو نمود جلوہ گری گزرو بہ نسبت

میں اسلئے شیدا ہوا کہ ماہ نو کی طرح ایک نگاہ سے ابرو دکھلایا جلوہ گری کی مونہ چھپایا

یعنی میری شیفگی کا سارا سبب یہ ہے کہ اوس محبوب حقیقی نے مانند ہلال کی اپنی تجلی کو ظاہر کر کے اظہار کیا اور پھر اپنا مونہ چھپا لیا اس دکھانے اور چھپانے میں سوائے اسکے کوئی مطلب نہ تھا کہ ہلکے سے

از خود رفتہ بنا کر عشق میں سرگشتہ و خیران بنا دیا ہے۔

ساتی بچند رنگ می اندر پیالہ رخت این نقشہا نگہ کہ چہ خوش کدوبہ نسبت

ساتی نے کئی طرح سے شراب پیالہ میں بوٹی ان نقوش کو دیکھ کہ کیسے اچھو کہ دین باندہ میں

مَقَامُ دِلْمُ شَدَّ أَبَا طَلْحُوں اَلْکَلَّ کے اعتبار سے ساتی کا کتنا یہ محبوب حقیقی کی طرف ہے۔ می سودہ تجلی

مراد ہے جو سالک کی بخود ہی کا سبب ہوا کرتی ہے۔ پیالہ کا اشارہ دل کی جانب۔ این سے تجلیات جمال

اور کدو سے سالک کا وجود مقصود ہے۔ مطلب یہ کہ شاید حقیقی نے انوار متلونہ کے ساتھ دل عاشق پر شہود

فرمایا۔ ان نقوش کو کہ تجلیات گوناگون کے سبب سے کدو پر نقش وجود یا دل سالک پر بخود ہی میں

دیکھ کہ کیسے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ اس طور پر گویا حافظ صاحب اوس حالت خاص کا اظہار فرما رہے ہیں

جو سائب کو باطنی کیفیت میں پیش آتی ہے۔ اگر پہلے مصرع کو یوں پڑھیں کہ ساتی بخندہ رنگ می اندر سالہ رخت

اور اسوقت ساتی سے وہی شاہد حقیقی مراد لیں۔ خندہ سے تجلی رنگ می سے پر تو وجود جو تمام اعیان ممکنہ پر

محیط ہے مقصود سمجھا جاوے اور پیالہ سے اعیان ثابتہ تصور کریں تو یہ مطلب ہوگا کہ ساتی نے اپنے

پر تو وجود سے ممکنات میں گوناگون پیرایوں میں اپنا جلوہ دکھایا ہے۔ اور تمام یہ نقش جس سے

طرح کی شکلیں مراد ہیں عارفان کامل کے دلوں پر ماند ہے میں یعنی اونکو ہر نقش سے اوسے کا جلوہ

دکھائی دیتا ہے اور سب میں وہ ہی نظر آتا ہے۔

یار بچہ سحر کرد صراحی کہ خون خم بانغمہای قلقلش اندر گلوبہ نسبت

یار بچہ صراحی پر کیا جادو کر دیا کہ خون خم نے قلقل کے غمون کو اوسکے گلے میں باندھا

یار بچہ کا یہ تعجب۔ صراحی پر سحر کرنے کا فاعل ساتی ہے جس سے وہ ہی شاہد حقیقی مقصود ہے



میں نو شتم نامہ از شرح حال خود لے . . . در دوسرا بشد نمودن پیش این بر کم دوست  
اپنے حال کی شرح کا خط تو لکھتا ہوں لیکن اس سے زیادہ دوست کو تکلیف دینا در دوسرے  
یعنی میں اپنا حال تو دوست کو خط میں لکھے دیتا ہوں لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ یہ دوست کی تقدیر  
کا باعث ہوگا۔

بیل میں سوئی وصال و قصد سو فراق ترک کام خود گرفتہ تار بآید کام دوست  
میری خواہش وصال کی طرف اسکا قصد فراق کی جانب میں اپنا مطلب چھوڑا ہوں مگر وہ اسکا قصد پورا ہو  
مطلب یہ ہے کہ ہم جنب عالم اطلاق میں تھے تو گویا ہمکو وصال محبوب حاصل تھا اور جب عالم کثرت  
میں آئے اور غالب عصری کی فید میں مقید ہوئے تو فراق ہو گیا۔ لیکن یہ فراق اسی کی مرضی  
کے مطابق تھا یعنی اوس نے جب ہمکو اپنے آپ سے جدا کر کے یہاں بھیجا تو اس سے معلوم ہوا  
کہ محبوب کا قصد فراق کی جانب تھا۔ گو ہماری خواہش وصال ہی کی تھی یعنی یہ چاہتے تھے کہ وصال  
سے الگ ہوں مگر چونکہ عاشق بہر حال میں محبوب کی مرضی کا جویاں رہتا ہے۔ بسکے ہم نے غالب  
کو قتل کر لیا اور اپنے مطلب کو اوس کے قصد کے مقابلہ میں ترک کر دیا۔ بعضوں نے اسکی شرح  
اسطرح کی ہے کہ جب عارف خلوت و مراقبہ میں جو کہ بلند وصال کے ہونا پسندتوں ہوا اور اسوقت ہون  
اذان دے تو اسکو چاہئے کہ خلوت سے نکھرے نماز ادا کرے۔ اور غامذات مشاہد کو چھوڑ دے  
اسطرح کہ با اوس نے وصال کو ترک کر کے فراق کو گوارا کیا۔

گردہ دستم کشم درویدہ بچو تو تیا خاک راہ کان مشرف گرد و از اقدام دوست  
اگر میرے ہاتھ میں آج بھی تو آنکھوں میں نہ رگہ کاؤں . . . خاک راہ کی جو دوست کے قدموں سے مشرف ہوتی ہو  
خاک راہ سے مراد عاشق صادق۔ اقدام جمع قدم جس سے کیا یہ فضل کی طرف ہے مطلب یہ کہ جو عاشق  
فضل شاہد حقیقی سے بہرہ واز اور اسکے وصل سے ممتاز ہوا ہو اگر میری نظر پڑ جائے یعنی مجھے  
مل جائے تو اس کو آنکھوں میں نہ بھادوں اور ایک دم بھی الگ نہ کرنے دوں۔

حافظ اندر در غم میوز و با دریاں ساز ترا نگہ در مانے نذر در در و دریاں دوست  
اے حافظ در غم میں جلیا اور اسکا غلج نہ کر اسلئے کہ یا رکھ لا علی در کوئی علاج ہی نہیں کیا  
یعنی اے حافظ تو دوست کے غم میں جلیا اور اسکا کوئی علاج نہ کر اسواسلئے کہ عشق کا کچھ علاج

دہلا

مرحبا ای یک مشتاقان به پیغام دوست      تاکہ من جان از سر غبت فدای نام دوست

ای مشتاقون کے قاصد شاہاش دوست کا پیغام سنا      تاکہ من جان کو غبت سے دوست کو نام تر کران

یک مشتاقان سے وار غیبی یا موت مراد ہے مطلب یہ کہ اسے وار غیبی یا موت تو میرے محبوب کا پیغام

تہ کہہ کہ اوس نے میرے حق میں کیا کہا ہے معنی میری طبیعت کب ہوگی اور کب وصال نصیب ہوگا تاکہ

میں خوشی سے جان کو اوس کے نام پر قربان کر دوں۔ اس سے حالت شوق ظاہر کرنا مقصود ہے۔

والہ و شیدا است با ہم چو بلبل در قفس      طوطی طبعم بر شوق شکوایا دام دوست

میشہ بلبل کی طرح قفس میں بیقرار و شیدا ہے      میری طوطی طبع کی شکوہ اور با دام دوست غرق میں

لفظ طوطی طبع اضافت تامل ہے جس سے مراد ہے شکر سے لب تصور کرنے چاہتے ہیں جس سے لطف

دوست کی طرف اشارہ ہے با دام چشم کیلئے آیا ہے لیکن اس سے مقصود مشاہدہ ذات میں۔ مطلب یہ کہ

میری روح دوست کی مہربانی اور مشاہدہ ذات کی شوق ہے جو اس کو عالم اطلاق میں حاصل تھا۔

پس وہ اس جہد غفیری میں اسی طرح میرے پاس پہنچنے کے لئے بیقرار ہو رہی ہے کہ طبع بلبل

بجہرہ میں گل کے پاس پہنچنے کے واسطے بیتاب ہو کر رہی ہے۔

زلف او دم آو خاش دا نہ ان امن      بر امید دانہ افدا دم اندر دام دوست

اوسکی زلف خال ہو اوس کا تل دانہ اور میں پرند ہوں      دانہ کی امید سے ہم بار کے دام میں پھنس چکے ہیں

رعایت لفظی ظاہر ہے زلف سے جذبہ مراد ہے اور دانہ سے جمال۔ قاعدہ ہے کہ پرندوں کو دھوکہ

دینے کے واسطے جال کے نیچے دانہ ڈال دیتے ہیں لہذا مطلب یہ ہے کہ میں نے محبوب کا عشق

وصال کی امید پر کیا ہے اور اسی دانہ کی بدولت دام میں گرفتار ہوں۔

بہر رستی بنگر تا ز صبح روز حشر      ہر کہ چون میں ازل کی غم خورد ارجام دوست

بستی سے روز حشر کے صبح تک سر نہ اٹھاؤں گے      جو شخص کہ میری طرح ازل میں ایک کہوٹا کو کرجام آپ کے

ازل یعنی روز الست۔ جرمہ کا اشارہ ذوق مشاہدہ کی طرف۔ جام سے روی محبوب مراد ہے۔ مطلب یہ کہ

جس کسی نے میری طرح ازل میں روئے محبوب کا مشاہدہ کر لیا ہے۔ اور اوسکی کیفیت کو محسوس کیا ہے

وہ قیامت تک بھی اس سستی سے جس سے عشق مراد ہے کبھی سر نہ اٹھا سکا یعنی اوس کا شوق

دیدار قیامت تک بھی کم نہ ہوگا +

بہنی اوس پر سچو کے دھڑ جانے پر میری دریا سے چشم سے آبِ سو و مکی رو جاری ہوئی ۔ اور  
اوس رو سے بنا کا طوفان آیا :

از مائے فنا دم چو آمد شبِ حیران در درو بماندیم چو از دستِ دوارِ فتن

بہشت ہی مغموم ہوئے جب شبِ حیران آئی در دست ہو گئی جب دوانا تھ سے جاتی ہی  
از مائے افتادن ۔ فارسی محاورہ گرفتار غم داندہ شدن ۔ دوا سے مراد شاہدہ محبوب کہ عاشق کے  
در پستی اس سے اچھی کوئی دوا نہیں ہوتی ۔ حبوت سے کہ شاہدہ محبوب حقیقی نے مجھے اعراض

کیا ہے میں جبری مضیبت میں گرفتار ہوں ۔

دل گفت وصال بدعا باز تو انی یا عمر سیت کہ عمر مہم در کارِ دعارِ فتن

دل نے کہا کہ اوسکا وصال عاسی ہو سکتا ہی مدت ہوئی تمام عمر دعا کے کام میں فتن ہو گئی

یعنی ایک دیر سے دل نے مجھے کہا کہ تو دعا مانگ شاید کہ دعا سے وصال ہو جائے بس مدت ہوئی  
کہ میں برابر دعاے وصل کئے جاتا ہوں یہاں تک کہ دعا مانگتے مانگتے عمر گزر گئی ۔ مگر چونکہ اوسکی بات  
بے نیاز اور اوسکی جناب مستغنی سے میرے دعا کا کچھ اثر نہوا ۔

احرامِ حرم بندیم کہ آن قبلہ نایں ست در معی چہ کوشیم کہ از مر وہ صفات

ہم کیا احرام باندہ ہیں کہ یہ جگہ قبلہ نہیں ست سعی میں کیا کوشش کریں مر وہ صفاتی خصلت لی

احرام باندہ تھا ۔ کسی نیک کام کی نیت کرنا ۔ قبلہ جاے نماز جس سے یہاں ذاتِ شاہد حقیقی مراد  
مر وہ و صفات کہ معظّمین و وہابین ۔ مگر صفا کے معنی صفائی کے بھی ہو سکتے ہیں ۔ لہذا حافظِ صفا  
ذرا تے ہیں کہ ہم معبود حقیقی کے طواف کے واسطے کیا احرام باندہ ہیں اور کیا سعی کریں کہ ہم  
دل سے صفاتی تجلیات کی مفقود ہو گئی سے گمراہانِ مر وہ سے دل مبارک مقصود ہوگا ۔

دی گفت طہ از سرِ حشر چو مراد یہ بہات کہ درو تو از قانونِ شفا رفت

کل طبیب نے حشر سے چھوڑ دیا کہ اس آئینوں کہ تیرا درد شفا کے قانون سے باہر ہے

قانون و شفا یہ دونوں نامِ طب کی کتابوں کے ہیں جو بوعلی سینا نے علمِ طب میں لکھی ہیں ۔ اور قانون  
شفا کے معنی قاعدہ شفا کے بھی ہیں ۔ اس شعر میں یہ دونوں لفظ دو معنی ہیں ۔ طب یہ کہ کل طب میں  
مرشدِ طریقت کے پاس جو طبیب ہے گیا تو اس نے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جبری حشر سے انوس کرے

ی نہیں در دکھا علیحہ راحت ہوتی ہے۔ مگر عاشق کو راحت و آرام کہاں کہاں جاری کی دوا کرنا یعنی راحت و آرام جانتا ایسی ہی غیر ممکن ہے جسے کہ اخروٹ گو گند پر رہنے کی کوشش کرنا۔

**آن ترک پر بچہ کہ دوش از برکت** : آیا چہ خطا دید کہ از راہ خطا رفت

وہ خوبصورت ترک کیل میں ہلوسو چلا گیا۔ آیا کیا خطا دیکھی کہ خطا کی راہ سے گیا۔

یہ غرض قیض و ازومات کے وقت کہی گئی ہے۔ پر بچہ سے کہنا یہ تجلیات صوری لبطرف ہے۔ راہ خطا

افصافت بیانہ۔ ترک کی قوم چونکہ خوبصورت ہوتی ہے اسلئے ترک سے مراد عشق حقیقی ہے۔

مطلب یہ کہ وہ مشاہدہ تجلیات صوری کا کل منقطع ہو گیا نہیں معلوم کہ مجھے کیا خطا ہوئی جس کے سبب

محبوب حقیقی نے اپنے مشاہدہ تجلیات کو منقطع کر دیا۔ خطا یا غما ایک لایت کا نام بھی ہے۔ مگر سموع پر

اس سے عشق کی دوری اور اسکی کم التفائی معصوب ہے۔ اگر راہ کے معنی سبب کے لئے جائز

نہر و خطا کے معنی گناہ کے ہونگے۔ اسلئے کہ خطا بکسر معنی گناہ ہے۔ یہ حواہ صاحب کی شاعری

میں صفت ہے کہ وہ دوستی الفاظ لاتے ہیں۔

**تافت مرا از نظر آن چشم جهان بین** کس واقف مانیت کہ از دیدہ چہ رفت

جب میری نظر سے وہ چشم جهان بین دور ہوا کوئی واقف نہیں کہ میری آنکھوں سے کیا کچھ گیا

حسینم جهان بین یا نور جهان بین۔ نو چشم جس سے جهان نظر آتا ہوا اور اس سے مراد وہ ہی محبوب ہوگا۔

کہ جسکے سبب عشق کی آنکھوں میں روشنی ہوتی ہے۔ یعنی حسوت سے کہ میرا معشوق نظروں کے

آگے سے غائب ہو گیا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کے جوہر میں نے کس قدر گریہ و زاری کی

یعنی کیا کچھ آنکھوں سے گرایا۔ یا یہ کہ اوکی روشنی جاتی رہی۔

**ہر شمع زلفت از گدراش عشق جا بسوز** آن دود کہ از سوز جگر بر سر رفت

ہر شمع بزم عشق جا بسوز کی گدراش وہ تکلیف پہونچی جو سوز جگر کے دھوئیں سے ہمہ پیش آئے

یعنی عشق کی آگ سے جو کہ میرے سوز جگر پہونچی ہوگا اس سے وہ تکلیف ہوئی کہ جو شمع کو بھی نہونتی

ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ آتش عشق نے مجھے ہرے جگر تک کو جلا دیا۔

**سیلاب سریشک آمد طوفان طارت** دور از رخ تو دمبدم از گوشہ چشم

سیلاب شکر کا آیا ابد بلا کا طوفان گئی میری آنکھ کے گوشہ سے تراخ دور ہو جا پر دمبدم

کے معنے سردارِ تخت کے ہیں۔ لہذا حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھ شاد گداس کی گنجہ کا ستم بہن خدا کا شکریہ کہ میں ان ظاہری بادشاہ یا فقیر سے علاقہ نہیں سمجھتا۔ میرا بادشاہ صرف دوست کے درسی خاک سے اور اس ہی مرشدِ کمال مرادیا جا بگا جبکہ بادشاہ کے سنی سردارِ تخت کے عرض کرنا ہو گئے  
**عرضِ رنجِ دنیا نامِ صالِ شہماست** **جز این خیالِ ندامتِ خدا گواہ نیست**  
 میری سجد اور بیخاندہ سے عرضِ تیرا وصال ہے خدا گواہ کہ سوایِ خیالِ کنے میرا کوئی خیال نہیں  
 مطلب صاف ہے جو صرف یہ ہی کہ آیا مسجد ہو یا بیخانہ مجھ سے کبھی تیرے ہی وصال سے عرض ہی یعنی مسجد بھی تو ہی ہو۔ اور بیخانہ میں بھی تو ہی کعبہ و دیر میں ایک ہی منہم کا جلوہ ہی اس بات کا خدا شاہد ہے کہ میری عرض ہر دو جگہ وصال محبوب سے ہے نہ کسی اور چیز سے +

**مرا کہ اسے تو بونِ رسلطنت خوشتر** **کہ دلِ جور و جفا کی تو غرو چاہ نیست**  
 مجھے تیرا فقیر ہونا سلطنت سے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تیری جور و جفا کی ذلت میری عزت اور عظمت کی عطا یعنی ای محبوبِ حقیقی میرے کو تیری در کی گدائی دنیا کی سلطنت سے بہتر ہے اس واسطے کہ تیرے جور و جفا کی ذلت ہی میرے واسطے عزت اور عظمت ہی کا باعث ہوگی +

**مگر یہ تیغِ اجل خمیہ کبرسم ورنہ** **رمیدن از درِ دولتِ رسم و راہ نیست**  
 ہاں تیغِ اجل سے خمیہ اکہتر نا ہوں ورنہ در دولت سے بھاگنا میرا طریقہ نہیں ہے  
 مطلب یہ کہ صرف تیغِ اجل ہی میرے خمیہ کی جس سے حالتِ عنقریب مراد ہی دور بیان کا مٹی ہے ورنہ عاشقوں کا دستور نہیں ہے کہ وہ دیدہ و دانستہ معشوق سے جدا ہوں۔

**از ان زمان کہ بر آستانِ نامِ دم رو** **مرا ز مسندِ خورشیدِ ملکِ گاہ نیست**  
 اس وقت سے جب کہ میں نے تیری بلین پر پونہ رکھا ہے مسندِ خورشید کی بلندی میری ملکِ گاہ ہے  
 یعنی جب سے میں تیرا عاشق ہوا ہوں تب سے آفتاب کی مسند بلندی میری ملکِ گاہ ہو گئی ہے اس سے عاشق حقیقی کا رتبہ ظاہر کرنا معصوم ہے +

**گناہ اگرچہ نمود اختیارِ ما حافظ** **تو در طریقِ ادب کوششِ گو گناہ نیست**  
 اسے حافظ اگرچہ گناہ پر ہمارا اختیار نہیں ہوتا تو طریقہ ادب میں کوشش کر اور کہہ کہ میرا قصور ظاہر ہے کہ کوئی فعل بلا ارادہ و مرضی فاعل حقیقی کے نہیں ہوتا عجبی صفا تو کمرِ برگ نہ خندِ درختِ بلبلدا

کہا کہ تیرا درد شفا کے قانون سے باہر ہے یعنی مجھے آرام نہیں ہوگا۔  
 اسی دوست پر سیدن حافظ مقدمہ زبان میں کہ گویند کہ از در خفاوت  
 اسے دوست حافظ کا حال پوچھنے کو اوس سے پہلے آ کہ لوگ کہیں نہ تو جہان گزر گیا  
 اوس قبض و ارادت کی طرف اشارہ ہے کہ اسے دوست یعنی اسے مشاہدہ تجلی تو حافظ کو اوسکو  
 مرنے سے پہلے اپنا جلوہ دکھا اور جب وہ مر گیا تو پھر کیا فائدہ

منہم کہ گوشہ میخانہ خانقاہ من است دعا ی پریشان و رو صبح گاہ من است  
 میں ہوں کہ شرابی نہ کا کونہ میری خانقاہ ہے پریشان کو دعا دینا میل صبح کا وظیفہ میری  
 میخانہ سے مراد عالم عشق۔ پریشان مرشد کمال کے واسطے آیا ہے اور مطلب یہ کہ میں زہد و ریاضت  
 برہیز کر کے اور خانقاہ سے جو کہ عبادت کا ظاہری لوازم ہے جدا ہو کر مقام عشق میں بیچھ گیا ہوں  
 اور میخانہ کو خانقاہ سمجھ کر اس میں سکونت پذیر ہوں۔ میرا وظیفہ مرشد کمال کی دعا گوئی ہے۔  
 جو میرے ساتھ بنائے عشق میں سلوک ہوا ہے۔

گرم ترانہ چنگ و صیوح نیست چہ پاک نوا میں سحر آہ عذر خواہ من است  
 اگر میرے پاس ترانہ چنگ و صیوح کا نہیں ہے تو یہ فکر سحر کے دفت آواز آہ میری عذر خواہ ہے  
 ترانہ چنگ سے مراد زہد و پارسائی اور صیوح سے مقصود معشوق مجازی ہے۔ یعنی اگر میں ناہد  
 و متقی نہیں بنا ہوں۔ اور نہ میں نے مجازی عشق قبول کیا ہے تاہم مجھے کچھ خوف نہیں اسلئے کہ  
 سحر کے دفت جس سے فردا سے قیامت مراد ہی میری آہ جاسوز میری عذر خواہ ہوگی۔ فلا صہ یہ کہ  
 میرا عشق ہی اس روز کسی زہد و عبادت تکبے کی عذر خواہی میری طرف سے کر لیتا۔ نظم

جو مجنون شد بخلوت خانہ خاک دعا آمد برو از حضرت پاک  
 کہ اسے مجنون تپہ آدردی بدرگاہ برآمد دل مجنون کیے ۵۶  
 کہ جہنم شوریلے در سرفروہ کجا بروا سے کار دگر گرم بود ملت  
 ز بادشاہ و گدا فارغ غم محمد ملت گدا کے خاک در دولت بادشاہ  
 احمد شد کہ میں بادشاہ اور فقیر سے فارغ ہوں دوست کو دروازہ کی خاک میری بادشاہ سے

لفظ بادشاہ دو فظوں سے مرکب ہے باد یعنی تخت اور شاہ یعنی سردار اس محاط سے بادشاہ



ناشکری غنی اس غرض سے غلام نے اوس کو کروا نہ بتلایا کیونکہ مجھے خرپوزہ کے کروے  
میٹھے سے سخت نہ تھی بلکہ اوس غایت محبت سے غرض تھی جو آپ مجھ پر مہذول فرما رہے تھے اگر میں  
کروا بتلاتا یا موتہہ بناتا تو یہ سب ادب کے خلاف اور اوس مہربانی سے بہت ہی بعید تھا جو آپ میرے  
اوپر کرتے ہیں۔ بادشاہ نے آیا ز کو سینہ سے لٹکایا۔ ہمارا مطلب یہ کہ اگر کم از کم بندہ خدا کے طریقہ  
ادب میں اتنی ہی کوشش کرے جتنی کہ آیا ز محمود کے ادب میں کرتا تھا تو کچھ شک نہیں ہے کہ وہ خدا کے  
نزدیک و سکا اتنا ہی پایا لو جائے جتنا کہ محمود کو آیا ز پایا ہو گیا تھا۔

لعل سیراب خون تشنہ لب یارین است از نئے دیدن او دادن جان کا مست  
لعل سیراب خون کا پیا میری یار کا لب ہے اس کے دیکھنے کی واسطے جان دینا میرا کام ہے  
یعنی لعل سیراب خون کی پیاسی کیا چیز ہے۔ وہ میرے یار کا لب ہے جس کے دیکھنے کے واسطے جان  
کہو دینا میرا کام ہے۔ اسی وجہ سے لب یار کو لعل سیراب اور خون کا پیاسہ کہا گیا کہ جب عاشق  
اوس کو دیکھتا ہے تو جان کہو دیتا ہے۔ اس تقریر سے گویا لب معشوق عاشق کے خون کا  
پیاسہ ہے۔

شمر از ان چشم سیہ دیش و شرکان باز ہر کہ دل دن او دید در انکار است  
اوس چشم سیہ اور شرکان دراز او کو شمر ہو جو کہ جس شخص نے اوس کا دل بجا دیکھا اور بھلا کر کیا  
مطلب یہ کہ جس کسی نے اوس محبوب کی دلربائی کو پایا ہے اور باوجود اس کے مجھے انکار کیا ہے  
یعنی میری حالت موجودہ کو بناوٹی سمجھتا ہے تو اوس کو اسی چشم سیہ اور دراز شرکان کی شمر ہوئی  
چاہے یعنی اوس محبوب کی جب یہ صفات ہیں تو ان کے کس طرح کوئی بچ سکیگا۔  
اُردو محاورہ میں جن موقعوں پر منکلا و سرکش کے لئے یہ لفظ بولتے ہیں کہ اسے فلان تجھے اویسی چیز  
کا حوالہ ہو وہی مطلب اس جگہ لفظ شمر سے سمجھ لیجئے۔

سایان حیرت بند رواں مسکان سرکوه شامہ سیرست کہ منہ لگے دل در دست  
اسی شامہ سیرست ایسا بند رواں مسکان سرکوه ایک شامہ سیرست جو کہ میری محبوب کے ہنسی کی جگہ پر  
سترچین سے مراد سالک ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اسے سالک اور حضرات اور خیالات کا  
سایا کہ جو محبوب کے حضرات اور خیالات کے علاوہ ہیں۔ دروازہ دل سے نہ بچا کہ وہ

جتنے اچھے اور بڑے کام بندہ سے سرزد ہوتے ہیں وہ جب اس کی ارادہ اور اختیار سے ہوتے ہیں پس اچھا جب فریاد تین  
 کہ اگرچہ کوئی شاہ ہمارے اختیار ارادہ میں نہیں ہوتا مگر ہم ادب کا مقتضایہ یہ ہے کہ ہم بڑے کا نوکروں کی طرف منسوب کریں  
 اور اچھوتوں کو خدا کی طرف صل عہدہ ہے کہ جو اپنی خطا کا اقرار کر دے اور سمجھے کہ یہ برائی فعل میں تھے نہیں کیا بلکہ یہ سمجھ  
 تو بہ کر کے بڑے کی فاعل میں ہی ہوں۔ یہ اقرار جرم طریقہ ادب کا ہے جو عہدیت کی فاعل میں اور گناہوں کی فاعل  
 کا سبب ہوگا۔ محمود و ایاز کا عشق مشہور ہے مگر یہ عشق بیوجہ تھا۔ محمود ایاز پر صرف اس کی فرمانبرداری اور شکر  
 گزاری کی عاشق تھا۔ چونکہ عوام انسان اس مجید سے خردار نہ تھے اس لیے وہ اس جمع کو بادشاہ کی محبت کا سبب  
 جانتے تھے۔ ان کے تبارکین سلطنت نے بادشاہ کے منصوبہ میں عرض کیا کہ آپ کے بہت کے غلام ہیں اور ان میں  
 فرزندِ آدم ایک قسم کی مصیبتیں موجود ہیں۔ ایاز کہ جو خیر سے خوب صورت بھی نہیں ہے حضور ان کو اس قدر کیوں پسند کرتے  
 ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ جو ایک صفت میں ایاز میں پاتا ہوں وہ ہے کہ تمام غلام جی سب صفوں کو ملا کر بھی اس کی  
 برابر نہ کر سکتے۔ ان کے لئے کہا کہ میں اس کا حقین بخیرہ دلا سکتا ہے۔ بادشاہ نے سب غلاموں کو اور ایاز  
 کو بھی بلا کر کہا کہ ہر غلام اپنے ہاتھ میں ایک ایک پیالہ پانی کا لئے ہے چنانچہ بنے اس کی تمیل کی۔  
 بادشاہ نے حکم دیا کہ ان پیالوں سے سب پانی پیتے سب نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ  
 ہر شخص اپنا اپنا پیالہ زمین پر دے چکے۔ یہ حکم بھی سب نے بجا یا اب بادشاہ نے ہر ایک غلام سے  
 الگ الگ پوچھا کہ تو نے پیالہ کیوں توڑا سب نے کہا کہ حضور کے حکم سے توڑ دیا۔ مگر جب ایاز سے  
 دریافت کیا گیا کہ تو نے پیالہ کیوں توڑا عرض کیا کہ حضور ہوا۔ ان سب کو حضرت کر کے بادشاہ  
 نے ان لوگوں سے کہا کہ تم نے دیکھا ایاز میں یہی صفت ہے جس میں عاشق ہوں۔ یہی طریقہ ادب ہے  
 جس کا اس شعر میں مذکور ہوا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے۔ ان کے تبارکین محمود کی پاس کابل سے تحفہ میں خربزہ آئی  
 بادشاہ نے ایک ٹوکری میں سے ایک خربزہ اٹھالیا۔ چونکہ ایاز پر خاص محبت تھی اس لیے چھری سے  
 کاٹ کر پیلے اس کو کھانا شروع کیا۔ ایاز نے اس خربزہ کی قاسن کو جو بادشاہ نے اس کو دی تھی مرہ سے  
 کہا ہا۔ بادشاہ برابر خربزہ کھلاتے رہے ایاز اس کو اپنی جی طرح کھاتا تھا کہ بادشاہ کا جی بھی اس کی  
 کھانے کو چاہا۔ مگر جب سے کھلی قاسن اپنے منہ میں ہی تو معلوم ہوا کہ وہ نہت ہی ابہر مرقعاً و تلخ تھا۔  
 اس کی تلخی ایسی ناگوار گذری کہ فرزا او گلہ دیا اور تعجب سے کہا کہ ایاز تو برابر کھائے کھلایا اور تو نے  
 یہ نہ کہا کہ یہ خربزہ کڑوا ہے۔ ایاز نے عرض کیا کہ خربزہ بیشک کڑوا تھا۔ مگر ایسا کہنے میں بادشاہ کی

باغبانِ محبوبِ ناز و نوشِ مران      کابِ گلزارِ نوازِ اشکِ گلزارِ منست  
 انو باغبانِ نسیم کی طرح مجھ پر دوازہ دینہ بگا      کتیرے گلزارِ مین پانی میرے اشکِ گلزارِ سانسِ ہر  
 باغبانِ بمعنی محبوبِ حقیقی جو تمام عالم کا صانع ہو اور مطلب یہ کہ امرِ محبوبِ مجھ کو نسیم کی طرح  
 اپنی باغِ وجود سے محروم مت رکھ اسلئے کہ تیری معشوقیت میری عشق سے پیلا ہے بلا مخلوق کو خالق  
 یا بغیر مر بوب کر رہ نہیں ہو سکتا یا بالفاظِ دیگر بوبیتِ اپنی مر بوب کو اور خالقیتِ اپنے مخلوق کو  
 چاہتی ہو اسی دلیل سے تیری صفتِ معشوقیت اپنی عاشق کو بھی ضرور چاہیگی۔ پس مجھے اپنی باغِ  
 وجود سے محروم نہ کر۔

شریتِ قند و گلابِ لبِ یارِ مفرود      ز گس او کہ طیبِ دلِ بیمارِ منست  
 قند و گلاب کا شریت میری یارِ لب سے فرمایا      او سبکی ز گس چشمِ میری دلِ بیمار کی طیب ہے  
 لب کا کٹنا یہ لطف کی طرف ہو ز گس سے مراد ز گس چشمِ بیمار کا لفظ اسکی رعایت سمجھنا چاہیو۔ اس کے مرشد  
 کامل مقصود ہر یعتے میں نے دلِ بیمار کو اپنے مرشدِ طریقت کی مہربانی و اللطاف کو سپرد کر دیا ہے  
 سوائے لطفِ محبوب کہ جس سے نفختِ فیہ من و وحی کی طرف اشارہ ہوا و کوئی چیز نہیں  
 جو کہ عاشق کو گشتِ تکی اور سہرا سبکی ہجر سے نجات دے۔

آنکہ در طرزِ غزلِ نکتہ بہ حافظِ آمخت      یارِ شیرینِ سخنِ نادرہ گفتارِ منست  
 جس نے کہ طرزِ غزلِ گوئی میں حافظ کو نکتہ سکھایا      (وہ) شیرین اور نغز گفتارِ میرا بار ہی ہو  
 یعنی صرف محبوب کی توجہ اور اللطاف سے حافظ کو غزلِ گوئی اور شیرینِ گفتارِ منست  
 آیا ہے اسلئے کہ اسکا محبوب بھی ایسا ہی نادر گفتار اور شیرینِ سخن ہے۔

روزگارِ نیست کہ سودا کو تباہِ منست      غمِ این کارِ نشاطِ دلِ عکینِ منست  
 زمانہ ہوا کہ میرا دینِ تبون کا سودا ہے      میرے دلِ عکین کا کام اس خوشی کو کہ این غمِ گناہ ہے  
 یعنی مدتِ گزری کہ معشوقان کا عشق کرتا میرا مذہب ہو اور عشقِ بازی میری مدد کی تفریح ہو گئی ہو اگر  
 تبون سے عارفانِ کامل مراد ہیں تو یہ مطلب ہو گا کہ مدتِ ہوئی جسے میں عاشقانِ کامل کی  
 طلب میں ہوں اور گویا ایسے لوگوں کا طلب کرنا میں نے اپنا شیوہ کر لیا ہو پس جو کہ غم و درد اس  
 طلب میں مجھ پر ہو چکا ہے وہ میری مدد کی عین تفریح کا باعث ہے۔

شاہراہ ہے اور کیسی شاہراہ کہ میرے محبوب کی گزرگاہ یا نزرگاہ سمجھنا چاہیے۔ دلچسپ ہو کہ دل ہی  
عشق کا مقام ہے اس اعتبار سے اس کو دوست کی نزرگاہ قرار دیا جاسکتا ہے کہ رخت سے ہستی  
موجود محض ہو۔ اس صورت میں یہ معنی ہونگے کہ اسے میرے بہار کے تہلنے دہلنے یعنی اسے  
ساک راہ طریقت ہستی موجود کو برے اعمال کی آلائش سے بچا کہ یہ مقام تجلیات دلدار ہے۔ این  
یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شاہراہ اوی کا نام ہے جس میں سب لوگ چل سکیں۔ دیکھو شاہراہ قرار دیکر اس میں  
ہو کر اسباب لیجانے کی ممانعت کیوں کی جاتی ہے۔ اس کا یہ جواب ہے کہ شاہراہ میں جب حاکم یا بادشاہ  
گزرتا ہے تو عام لوگوں کو ادس وقت چلنے کی ممانعت کر دیتے ہیں۔ پس خواجہ صاحب کا مطلب یہ  
ہے کہ شاہراہ نفس ہے اس میں اس دشمن کی جسے میں بادشاہ یعنی محبوب گذر کرنا چاہتا ہے۔ اس واسطے  
بادشاہ کو گزر کرنے کی شاہراہ میں سے عام کے گزرنے کی ممانعت کر دینی۔

بہتہ طالع خوشیم کہ دین محظوظا عشق آن لولی ہرست خریدارین است

اسے نصیب کا غلام ہوں کہ اس محظوظا میں اور عشق ہرست کا عشق میرا خریدار ہے۔  
لولی ایک قوم کا نام تھا اور حافظ صاحب کی معشوقہ "شلیخ نبات" بھی اسی قوم کی تھی مگر اسکا  
ترجمہ معشوق کیا گیا ہے۔ اور معشوق سے مراد محبوب حقیقی ہے مطلب صاف ہے۔ یعنی  
زہے نصیب کہ اس محظوظا میں محبوب کا عشق ہی خود میرا خریدار ہو رہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ

ہر کام میں رہا ہے \*

طلبہ عطر گل و برج عنبر افشانش فیض یک شمشیر بوی خوش عطارین است  
گل کا طلبہ اور اداؤں کا عنبر افشان ڈنڈہ ایک شمشیر بوی خوش عطار کی خوشبو کا ہے  
عطار کا کہنا یہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ کتب سیر میں مرقوم ہے کہ گل شریخ  
حضرت کے عرف سب ایک شمشیر پیدا ہوا ہے طلبہ عطر گل اور برج عنبر افشان سے مراد  
معشوقان مجازی ہیں جن میں مطلب یہ ہے کہ محبوبان ظاہری جو حسن جمال میں کمال کہتے ہیں۔  
اور دیکھتے ہیں سے آراستہ و ہر اس شمشیر میں امین ایک شمشیر برابر بوی خوش عطار کی خوشبو  
کے کہ جو تمام کائنات کی پیدائش کا سبب ہے۔ یہ تمام خوبصورتی حسن اوی خوشبوتی اور حسن کا  
سبب کہ جزو سمجھنا چاہیے کہ جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تھی \*

امی بارالہا وہ کتبہ مقصود کہ جس سے محبوب اور تجلیات مشاہدات مراد ہو کسی زیارت گاہ کو کہ آدمی  
راستہ میں یعنی راہ طریقت میں جو کانٹے ہیں وہ میری لئے پھیلی کے پھولوں کی مانند ہیں۔ مطلب یہ کہ  
جو تکلیفیں راہ عشق میں ہیں وہ زیارت محبوب کر شوق میں میرے واسطے سراسر آرام گاہ  
کا حکم رکھتی ہیں۔

یار ما بایش کہ زیب فلک زینت دہر      انصہ روی تو و اشک چہ پروین مست  
یار ہمارا ہو کہ آسمان کی زیبائش زمین کی زینت      تیری چاند سی کلہری اور میری اشک پروین ہو کر  
مطلب یہ کہ امی محبوب میرے ساتھ موافقت کر اور ہمدوم و مونس ہو کہ آسائش فلک اور زیبائش  
دہر تیری حسن رخ کو ظہور سے اور میری اشک باری محبت سے جو تیری فراق میں سہمے ہوئی ہے  
اس سے حافظ صاحب فرمیشوق سے آسمان کی زینت اور عاشق سے زمین کی زیبائش ثابت کی ہے  
حافظ از حشمت پرویز و کر قصہ مخوان      کہ لبش جرء کش خسرو شیرین مست  
حافظ پرویز کی حشمت کا اور حال بیان کر      او سکا لب جرء کش میری خسرو شیرین کا ہو

پرویز نوشیروان کو پوتے کا نام تھا اور اوسیکو خسرو بھی کہتے ہیں۔ یہ بڑا الو الغرم بادشاہ ہوا ہے  
شیرین اوسکی معشوقہ تھی مگر اسموٰق پر خسرو شیرین سے محبوب حقیقی مراد ہے اور مطلب صرف یہ ہے  
کہ احوال تو پرویز کی حشمت کا زیادہ حال بیان کر اوسکی کچھ حقیقت نہ تھی اس واسطے کہ پرویز  
میرنجی خسرو شیرین کا جرء کش تھا۔ لفظ شیرین خسرو کی رعایت سے لائی ہیں۔ جرء کش اوسے کہتے ہیں  
جسکے پاس خود شراب پی کر تو کچھ نہو مگر خانہ میں پینے والا توڑی سی سی اوسو بھی چکا ہوا ہے۔

امی شاہ قدسی کہ کشد بند نقابت      وی مرغ بہشتی کہ وہد دانہ وایت  
امی شاہ قدسی کون تیرا بند نقاب کھولنے      اور امی بہشتی چڑیا کون تجھ دانہ پانی ہے  
شاہ قدسی سے مراد محبوب حقیقی یا مرشد کامل ہے اور مرغ بہشتی سے بھی یہی مقصود ہے اور  
یہ غزل حالت فہن ذار دات میں یا جدائی مرشد میں کہی گئی ہو یعنی امی شاہ قدسی تو مجھ سے کہہ پھر  
اور مونہ چہانے لگا وہ کون ہے کہ جو تیری رکاوٹ اور کچا وٹ دور کرے اور تیرے  
رخ سے نقاب اٹھو دوسرا مصرع پہل کی توضیح ہے۔ مطلب یہی ہے جو عرض کیا گیا بعض عالموں کا  
قول ہے کہ یہ غزل خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنی زوجہ منکوحہ کو چل جانے پر جب کہ وہ حافظ

وین کی مرتبہ چشم جان منست  
نیر کر رخ کرد بیکر کدول کی آنکھیں درکارین  
یعنی رو کر محبوب کر دیکھنے کو چشم حقیقت میں ہونی چاہئیں میری آنکھیں جو کہ جان میں ہیں یعنی  
کثرت اور وہم و خیال پر لگ رہے ہیں اور انکو یہ مرتبہ کیسے حاصل ہو سکتا ہو محبوب حقیقی کو تو  
وہ ہی آنکھ دیکھ سکتی ہے جو مرتبہ وحدت پر پہنچی ہوئی ہو۔

تامر عشق تو غنیمت سخن گفتن کرد  
خلق را اور دربان محبت و منست  
جس کو کہ تیر عشق نے بھلو سخن دان کی تعلیم دی ہو  
مطلب یہ کہ جس کو تیر عشق نے بھلو شعر و سخن کی تعلیم کی ہے جب سے تمام خلق میری توصیف  
اور تعریف کرنے لگی اس اعتبار سے یہ میری تعریف جب تیر عشق کی بدولت ہو رہی ہے  
تو گویا تیری ہی تعریف و توصیف میری نہیں۔

دولت فقر خدا با من از رانے دار  
کین کرامت نسیب شمت و تکلیف منست  
فقر کی دولت کو امیر و واسطہ از رانے کو در  
کہ یہ کرامت میری تکلیف و شمت کا سبب ہو  
یعنی امیر خدا تو بیکسی اور فقر کی دولت کو میری واسطہ سے مستا کر دے اس واسطے کہ یہ کرامت یعنی  
فقر ہی میری شمت اور مرتبہ کا باعث ہو مجھے دنیا کی تو انگری نہیں چاہئے جبکہ میں فقر ہی

کی دولت کو اوپر ترجیح دیتا ہوں  
واعط شمع شمس اس غنیمت کو مغروش  
شمع شمس اعط اس غنیمت گوی کو نہ بیج  
و اعط سے مراد نفس ہے شمع یعنی کو تو ال یا حاکم شہر جسکا اشارہ عقل کی طرف سمجھنا چاہئے  
سلطان سے مقصود محبوب حقیقی شمع شمس و اعط کی صفت ہو۔ لہذا مطلب یہ ہے کہ اسے  
نفس نصیحت فروش نہ بنے بلکہ عقل پہنچاتی ہو اور تیری منزلت کرنی ہے پس تو مغرور مت ہو  
اس واسطے کہ دل حق سبحانہ تعالیٰ کا منزل گاہ ہے۔

یار بیان کعبہ مقصود زیارت کیست  
کہ مغیلان طریقش گل و نرسین منست  
یارب یہ کعبہ مقصود کس کا زیارت گاہ ہو  
کہ اسو سکر راہ کی خار میری لہو پہلی کو کھول دین



ہیں جو تیر کہ تو نے دل عاشق کی طرف مارا وہ غمزہ کی بدولت خطا کر گیا (شانہ پر نہ لگا) دیکھئے کہ تیری عقل اب کہاں تدبیر اسکے واسطے سوچتی ہے۔

ہرنالہ و فریاد کہ کردم شنیدی پیداست نگار کہ بلند است خجاست

جونالہ و فریاد میں نے کیا وہ تو نے نہ سنا اس سے معلوم ہوا کہ تیری بارگاہ عالی ہے مطلب صاف ہو کہ جو کچھ نالہ فریاد عاشق نے تیری حضور میں کیا او سکو تو نے نہیں سنا اس سے ظاہر ہے کہ تیری درگاہ بڑی اونچی ہے اور وہاں تک اس کی گریہ و زاری کی صدا نہیں پہنچتی۔

ای قصر دل افروز کہ منزل گہ اُنسے یارب نکنا و آفت ایام خراب است

ای قصر دل افروز تو محبوب کا منزلی گاہ ہو خدا کرے کہ ایام کی آفت سے خراب نہ ہو قصر دل افروز سے محل محبوب کی طرف گنا یہ ہے جس سے مشکل نے اپنا دل مراد لیا ہوا اس بمعنی محبوب یعنی امیر سے دل تو محبوب کی مقام کی جگہ یا اس کی منزل گاہ ہے اسلئے میں پابستا ہوں کہ خدا کی لایزال زمانہ کی خلل اندازی سے کوئی آفت تجھ پر نہ لائے اور تجھ کو ہمیشہ پیش آباد رکھے۔

دورست سر آب دین باد یہ ہمدار تا غول بیابان تقریب بسر است

ہو شیار رہ کہ اس میدان سپانی دور ہے تاکہ غول بیابانی تجھ کو سراب سے دھوکہ نہ دے غول بیابان جنون کی قسم سے ایک جن ہوتا ہے کہ مسافر کو راستہ سے ہٹا کر تاہی سراب و سکو کہتے ہیں کہ پیاسے مسافر کو دور سے ریت مثل پانی کے نظر آدے اور جب اس کی پیاس پہنچیں تو معلوم ہو کہ یہ پانی نہیں اس کو سراب بولتے ہیں یہ مشہور لفظ ہے یعنی اس باد یہ معرفت میں منزل مقصود دور ہے ہوشیار رہ کہین ایسا نہ ہو کہ غول بیابانی (جن سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جن کا ظاہر درست اور باطن بد ہو) تجھے سراب کا دھوکہ نہ دین اور ممکن ہو کہ اس غول بیابانی کو نفس و شیطان مقصود ہوں اس صورت میں ہی قریب قریب وہی مطلب ہوگا یعنی امیر عاشق راہ عشق میں قدم رکھ کر حاصل پر قناعت نہ کر اسلئے کہ اپنی منزل مقصود دور ہو چونکہ اس راہ میں نفس اور شیطان وغیرہ کہ بہت سی آفتیں ہیں مبادا وہ تجھے دغا و فریب سے دھوکہ دین اور تکمیل معرفت سے باز رکھیں۔

صاحب کسی بات پر ناراض ہو کر اپنے والدین کے گھر کو چلی گئی تھی لکھی ہے اور اس خوشامد نے طلبی کو اس غزل کا سب سے اخیر مصرع ظاہر کرتا ہے جو یہ ہے کہ  
**خوابم بشداز دیدہ درین فکر جگر محور** **کانخوش که شد منزل آسایش و خواب**  
 اس فکر جگر سوزین میری آنکھوں میں نیند اور گئی کہ کون سے آنکھوں تیری منزل آسایش ہوئی ہو  
 ایسے ہی محبوب جس سوز سے کہ تو مجھے دور ہو گیا میری آنکھوں سے نیند اس فکر میں جاتی رہی کہ کون سے  
 آنکھوں میں تو نے قیام پکڑا ہے اور کمان تیری جائے آسایش ہے یعنی مجھے جدا ہو کر تو نے  
 کس جگہ ظہور کیا ہے۔

**درویش نمی پرسی و رسم که نباشد** **اندیشہ آمرزش و پروائی صواب**  
 توفیق و کمون نہیں پہنچتا مجھے ڈرنے کے ۔ تجھے فکر بخشش اور ثواب کی پروا نہیں ہو  
 مطلب یہ کہ توفیق و کمون کی حالت کی پریشانی نہیں کو تیا یا ان کی حال زار کی طرف توجہ نہیں ہے میں  
 ڈرتا ہوں کہ شاید تیرے دل سے فکر بخشش اور پروا کی ثواب بر طرف ہو گئی ہے کیونکہ ثواب  
 کمائی والے فقیر و کمون کی حال پر مہربانی کیا کرتے ہیں۔

**راہ دل عشاق زو آن چشم خماری** **پیدا است ازین شیوہ کہ مست شراب**  
 دل عشاق کی راہ کو اسی چشم مست کو لیا اس شیوہ سے ظاہر ہے کہ تیری شراب مست ہو  
 دوسری مصرع کے معنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شراب جب خود مست نہیں ہوتی بلکہ مست  
 کر خیالی ہوتی ہے تو شراب کو مست کیونکہ کہا اس کا جواب یہ ہے کہ شراب سے یہاں وہ ہی چشم  
 معشوق حرا ہے جو پہلے مصرع میں آیا ہے چونکہ چشم محبوب میں ایک طرح کی مستی پائی جاتی ہے  
 اس لئے اس کو مست کہا گیا علاوہ اس کے کہ شراب خود مست نہیں ہوتی مگر اس میں نشہ کی خاصیت تو ہے  
 پس باعتبار اس کے کہ کسی چیز کی عفت خود اس کے قائم مقام سمجھی جائے شراب کو اس میں نور نہیں  
 ہی مست کہنا چاہو گا کہ جب اسی چشم بھی مراد نہ لیجائے ۔ راہ دل عشاق زدن بسنے  
 بقرار ساختن دل را۔

**تیر کہ زدی بر دلم از غمہ خطا رفت** **تا باز چہ اندیشہ کند را کی صوابیت**  
 وہ تیر کہ جو تو نے میرے دل پر مارا غمہ خطا کیا تو اب دیکھو تیری عتاب را کی کیا کر لگاتی ہے

باتین کر کے معشوق کے خیال میں مستغرق ہو جا اس واسطے کہ ان تفکرات دنیا کا ہوا اس کوئی کوئی  
حالات نہیں یہ وہ دوا ہے کہ عشق و محبت کے بندوں نے تجربہ کر کے اس مرض کیلئے مقرر کر لی ہے  
اور اس کی ساتھ طبی موثر بھی ہوتی ہے۔

ایک قصہ میں نیست غم عشق و این عجب از ہر کسی کہ می شنوم نابکر رست  
غم عشق کا ایک قصہ ہی زیادہ نہیں تعجب ہے جس کسی سے کہ سنتا ہوں مکر نہیں ہوتا

یعنی غم عشق وہ ہی ایک قصہ ہے مگر تعجب یہ کہ جس کسی سے سنتا ہوں وہ دوسری طور پر بیان کرتا ہے  
اور ہرگز تکرار نہیں پائی جاتی ورنہ قاعدہ یہ ہے کہ ایک ہی قصہ کو اگر دو شخص بیان کریں تو وہ مکرر  
ہو جائے گا گوشہ نشین گوشہ میں صومۂ دار صومۂ میں عابد لوگ مسجد میں عاشق خرابات میں اپنی اپنی  
دریافت کو ترجیح دیکر ہی ایک قصہ عشق مختلف طور پر بیان کرتے ہیں چاہئے تو یہ تھا کہ بیان میں تکرار  
ہوئی مگر جس سے سنتا اس سے نیا ہی مضمون معلوم ہوتا ہے۔

از آستان پیرمغان حیرانم دولت درین سر او کشتایش درین رست  
پیرمغان کو آستانہ سرین کئے سر کینچون اسی گہر میں دولت اور اس درین کشتایش زونچو

یعنی جبکہ دولت کو نین و سعادت دارین پیرمغان کے در سے کہ جس سے مرشد کامل یا معشوق  
حقیقی مراد ہے وابستہ ہو تو کس لئے اس دروازہ سے الگ ہو کر محروم سعادت نہوں بلکہ جسکو  
لازم ہے کہ اپنا رخت اس در پر رکھ کر بہین کا ہو رہوں۔

وئی عہدہ داد و صلح و در شراب داشت امروز چہ گوید و باز شہ در سرست  
کل مسعودہ وصل کا لیا اور سرین عشق نکلتا تھا (دیکھو) آج کیا کہتا ہے اور اس کو خیال میں کیا آتا ہے

وئی بمعنی روز گذشتہ جس سہیاں روز بیعتا مراد ہے۔ وعدہ واصل ان فی الجنة لقاء اللہ  
للمؤمنین حق امروز سے مقصود نشاء دنیا مطلب یہ کہ مجھے محبوب حقیقی نے روز ازل میں  
جبکہ عشق کا سودا رکھنا تھا وصل کا وعدہ کر لیا ہے اب نہیں معلوم کہ دنیا میں اس کا ارادہ کیا ہے  
آیا وہ حسب وعدہ اپنے دیدار سے فیضان فرما کر اپنے وعدہ کو پورا کرتا ہے یا نہیں چنانکہ سعادت  
شقاوت اس کو اختیار میں ہے پس اہل سعادت و دیدار سے فائز ہوتے ہیں اور اہل شقاوت محروم  
میں نہیں جانتا کہ حالت غصہ میں وہ بھگو اہل سعادت میں سے قرار دیا گیا اہل شقاوت میں سے ہے۔

تا در رہ پیری بچہ آئین و کرامی دل باری بغلط صرف شد ایام شبابت  
ایدل دیکھیں کہ تو بڑا پلڑا کو راستہ میں کس طرف سے چلتا ہو جبکہ تیری جوانی کے دن غفلت میں تمام ہو گئی  
دل کو لئے تنہی سے بے پنے ایدل تو نے ایام جوانی کو غفلت اور سستی میں گزارا اب بڑا پلڑا آیا ہو دیکھیں

تو ان ایام پیری کو کیسے گزارتا ہے اور کیوں نگرہ کر رہا ہے لطف کن و باز کہ خسرا ہم ز عتابت  
حافظانہ غلامی ست کہ از خواجہ گزند

حافظ غلام نہیں ہے کہ مالک ہو بہا گے مہربانی کر اور لوٹ آگے تیری غصہ سے خرابی ہو رہا ہو  
مطلب صاف ہے تشریح طلب نہیں شعر ہذا کی تخریج کا سبب اسی غزل کے مطلع میں لکھ آؤ ہیں  
باغ مرا چہ حاجت سر و صنوبر است شمشاد سایہ پرور من از کہ کمتر است  
میرزا باغ کو سر و اور صنوبر کی کیا حاجت ہو میرا شمشاد سایہ پرور کس سے کم ہے

باغ سے وجود خود اور سر و صنوبر سے معشوقان مجازی مراد ہیں۔ شمشاد سایہ پرور سے مقصود مردِ نکال  
یا شاہدِ حقیقی ہے مطلب یہ کہ مجھ کو معشوقان مجازی کی کیا ضرورت ہے جبکہ میرا شاہدِ حقیقی باہرِ نکال  
اؤں کو بطرح کم نہیں بلکہ ہر آئینہ باعتبارِ نایب غلبت پاکیزہ اور جمالِ دلربائی کے بدرجہا بہتر اور خوشتر ہو  
پس اؤں کو مقابلہ میں باغ وجود کو کسی سر و صنوبر کی حاجت نہیں۔

ای نازنین پس توجہ مذہب گرفتہ کت خون ماحلال تر از شیر نادرست

ای نازنین لڑکھونڈے کون مذہب اختیار کیا ہو کہ تجھے ہمارا خون شیر نادر سے زیادہ حلال ہو  
یعنی ای محبوب میرے تو نے کون سا مذہب اختیار کیا ہے کہ تو ہماری قتل کے دھبے ہو اور مصال  
نہر فرار نہیں کرتا۔ گویا ہمارا قتل تجھے شیر نادر سے زیادہ حلال ہے کہ اسطور پر بیابان کا نہ عشاق کا خون  
کرنا ہو جبکہ کسی مذہب میں خونِ حلال نہیں قرار دیا گیا۔ نیز ممکن ہے کہ نازنین پس سر و بطور  
استنزا ناصح نصیحت گو مراد ہو اور خون کونے سے اس کا نصیحت کرنا تصور کیا گیا ہو اگر یہ مان لیا جائے  
تو ادھر کے شعبے اس کا ربط قائم ہو جائے گا اور مطلب یہی ٹھیک نکل آئے گا۔

چون نقشِ غم ز دور بینی شراب خواہ شخصِ کردہ ایم و مدا و امقررت

جب قے عداست غم کو دور کر دیکھو تو شراب مانگ ہمیں شخصِ کردہ ایم و مدا و امقررت ہو  
یعنی اگر عاشق اگر تجھ پر اذات غم و الم اور تعلقاتِ دنیوی ہجوم کرائیں تو مجھ کو پانی کی عشقِ محبت کی

نہ نوا لاہو اور کسی فنا ہوگا۔ اس اعتبار سے جب عاشق کو فنا نہیں تو عاشق کو ہی فنا ہوگی۔  
 درکومی باشکستہ دلی میخیزد و پس بازار خود فروشی از ان سوی دیگرست  
 ہمارے کوچہ میں صوفی شکستہ دلی ہی خریدی جا سکتی خود فروشی کا بازار یہاں سے اور طرف ہو  
 انہو نفس کو ہدایت ہو کہ اس عاشق بچار کو تو ہر وقت گرمجوشی عشق سے عظمت کا اظہار کیوں کرتا ہے  
 کوچہ عاشقی کو وہ ہی لوگ خریدتے ہیں یعنی عشق و محبت کرنے میں کہ جو شکستہ دل ہوں اور دل ہی  
 نہ کہ تو ہوں خود فروشی کا بازار از اور طرف ہر بازار عشق میں عاشق سوائے شکستہ دل کے اور کچھ نہیں خرید  
 سکتا۔ خود فروشی کی گنجائش یہاں نہیں ہے۔

نقل ہے کہ کسی بادشاہ کی بیوی کا ہاتھ ٹوٹ گیا اور اسکے باندہ نے کھو اسطے جراح کو بلایا گیا خیر کو  
 جراح ایسا خوبصورت تھا کہ گواہوں نے ٹوٹے بازو کو توپچی باندھ لی مگر شہزادی کا عضو عفو اپنے  
 عشق کی ہنسریب توڑ ڈالا یعنی وہ دوسرے عاشق ہو گئی چند روز میں جب اسکے ہاتھ کو آرام ہو گیا  
 تو جراح نے آٹا ہنر کر دیا۔ اس کے کچھ ہنر کی عجب ہمت اور ہر شے کی جگہ کو کچھ عشاق ہی سمجھ سکتے ہیں  
 اچھا ہاتھ کو آرام ہوا کہ دلدار کی صورت کو ترس گیا اور نیم ہل کی طرح ٹپنے لگی مجبور اپنی زو  
 داہ کو ہلا کر اور جھنجھوٹا جسم اور بیان کیا اور اس کا علاج بھی پوچھا۔ اس نے کہا کہ اسکا علاج  
 اگر ہو سکتا ہے تو میں ہر شے کرنا چاہتا ہوں لیکن پھر توڑ لوجہ پنجہ ہی کیا گیا کہ شاہزادی نے ہاتھ توڑ لیا اور  
 تب اپنی بیوی کا ویدار دیکھ کر ایک شے بھیجی جا رہی کہ ہاتھ توڑ کر معشوق پایا۔ لہذا دل جو تمام  
 اعضاء کا بادشاہ ہے اگر دیکھ سکے اس دن اول توڑی تو کہیں جا کر دوسرے محبوب حقیقی کی تمنا کے در نہ رہے  
 دل نہ بیوہ نہ چٹ خیال باطل بیٹہ و ایک عاشق صادق کی ہمت شہزادی کی ہمت سے کی طرح  
 کر نہیں ہو سکتی۔

حافظ طیفہ شاخ فہائیت نکلتو کش میوہ دلینہ از شہد و شکرست  
 حافظ تیر قلم ہی کیا عجیب شاخ نبات ہے کہ اسکا میوہ شکرست و شکر زیادہ دل پسند ہے

قلم کا صنعت شاخ نبات جو توڑ جاتا ہے اس کا میوہ کلام حق شاخ قلم کا میوہ یعنی اشعار جو بہت ہی  
 دلچسپ ہیں مطلب صاف ہے کہ یہ حافظ تیر قلم سے وہ اشعار نکلتے ہیں کہ جوشہد و شکرست نہ زیادہ  
 شیرین ہیں۔

ما ابروی ففت قناعت نسیبم      باپا دشتہ گوی کہ روزی قدرت

ہم فقر و قناعت کی ابرو نہیں کہوتے      بادشتہ سے کہو کہ رزق تو تقدیر کا ہے  
کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اوس زمانہ کہ بادشاہ نے حافظ صاحب کو بلایا تھا۔ حافظ صاحب خود تو نہ گئے  
مگر شعر لکھ کر بھیج دیا کہ ہم فقیر بادشاہوں کی پاس جانے سے اپنی فقر و صبر کی ابرو نہیں کہوتے جبکہ روزی رازق کی  
ہاتھ پر تو ہیں بادشاہ کی کچھ پروا نہیں۔ شعر درپہ شاہوں کہ نہیں جائز فقیر اللہ کے ہر سر جان رکھتے ہیں

سب ہم وان قدم رکستہ نہیں      عیش یکن کہ خال رخ ہفت کشور

شیراز آب کنی وان باد خوش نسیم      اوسکو عیب نہ لگا کہ ہفت اقلیم کرخ کا خال ہے  
شہر شیراز نہر کن آباد اور وہ ٹھنڈی ہوا  
ظاہری طور پر تو حافظ صاحب اپنی وطن شہر شیراز اور رکن آباد نامی نہر جو اوس میں بہتی اوس کو کنارہ کہ  
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کو ہفت اقلیم کے رخ کا خال بتلاتے ہیں گویا اپنی جائز سکونت کی تعریف  
کر رہے ہیں کہ وہ ساتوں ولایت کرخ کا تل ہے مگر باطنی اعتبار پر یکن آباد سے عشق اور خال سے  
زیبا عیش کشور سے شام عالم مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اسی میری وجود کو منکر جس سے عشق محبت  
کی نہر جاری ہے اور وہ انفاس جو کچھ ہی ہوا کی طرح اوس سے نکل رہی ہیں تو ایسی شو کو  
وجود کی حقارت سے نہ دیکھ گو وہ حقیر ہے تاہم اوس سے تمام عالم کی زیبائش ہوتی ہے اور گویا  
وہ ہفت کشور کے رخ کا خال ہے۔

فوق است اب خضر کہ ظلمات عالم است      با آب مالکہ اش اللہ اکبر است

آب خضر سے فوق ہے کہ اوسکی جگہ ظلمت ہے      ہمارے آب سے کہ اوسکا مخرج اللہ اکبر ہے  
آب سے عشق اور خضر سے مجاز میں عاشق مراد ہے ظلمات سے عبارت قابل غصہ کی کہ جو  
حقیقتاً کیفیت ہے۔ اللہ اکبر شیراز میں ایک پہاڑ کا نام ہے کہ اوس سے بے چشمہ جاری ہے  
بعض نے لکھا ہے کہ اللہ اکبر اوس چشمہ کا ہی نام ہے غرض کہ اس سے مقصود ذات بیچون  
یا لطیف زبان ہے کہ جو دل سے نکلتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہمارا اور عاشقان مجاز کے عشقوں میں بڑا  
نفاذ ہے اس لیے کہ مجازی عاشق صورتوں کے عاشق ہونے میں جو محض کیفیت شے سے  
منی ہیں اور آخر میں سرگل کر خاک ہو جائیں والی ہیں اور ہم ذات ایزد بیچون پر عاشق ہیں جو سب کا



مقام عیش میسر نہیں شود بے رنج بلی بکرم بلاستہ اندر وزارت

بغیر رنج کے درجہ عیش کا میسر نہیں ہوتا بلی کا عہدِ بلا کے حکم پر وزارت بائد ہاتھا

یعنی مقام عیش جو کہ وصل ہی بغیر رنج اور ٹھائے میسر نہیں ہوتا بمصادق اس مثل کے عشق تمام الممتنعہ والبلاء عشق تمام مخنوں اور مصیبتوں کا سبب ہے لہذا وہ ملکہ جو رازل کو فالوٹی کر اقرار سے

اختیار کی گئی تھی مقام عیش تک پہنچائیگی بلا سے بلا عشق مراد ہو۔

بہست نیست مرغانِ ضمیر خوش میباش کہ نیست سر انجام ہر کمال کہ بہست

موت حیات سر بخ نہ کر خوش دل رہ کیونکہ انجام ہر کمال کا جو کہ موجود ہی نیست ہی ہے

بہست نیست سو غنایا فقر زیست یا موت مراد بین اور دوسرا مصرع بھی صعود و هبوط کے اعتبار پر کہ جو چیز پیدا ہوئی ہو وہ مرنے کے لئے ہے اس بات پر دلیل ہے کہ کسی مخاطب کو جو کئی خوشی اور موت کا غم ملے بلکہ ہر وقت

خوش رہ کیونکہ یہ ضرور ہونیوالی بین اور غارت وہی ہے جو ان باتوں کی پرواہ نہ کریں

شکوہ آصفی واسپ باد و منطلق طیر بیاورفت و از ان حج اجہ ہر طرف بہست

دیدہ آصفی ہوا اگر گور می پسڑیوں کر بولی بیکار گئی اوس سے خواجہ کی کوئی فائدہ نہ اٹھایا

آصف حضرت سلیمان علیہ السلام کو وزیر کا نام تھا مگر اسبکہ شکوہ آصفی سے خود حضرت سلیمان کی طرف

اشارہ ہے یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کہ جن کا تمام عالم بین و بدبہ تھا ہوا اگر گور می پر سوار ہوتے

پرندوں کی بولیاں سمجھتے تھے نتیجہ میں سب برباد ہو گیا اور خواجہ کو یعنی سلیمان علیہ السلام کو

اوس سے کچھ نہیں حاصل ہوا۔

بال و پر مروارہ کہ تیر پر تابی ہوا گرفت زمانی ولی بنجاک شست

بال و پر سے راہ میں نہ اور کہ تیر چھوٹا ہوا کچھ دیر ہوا پر رہتا ہی لیکن پھر خاک پر پڑتا ہے

بال و پر سے دنیا کا مال و جاہ مراد ہے پر تاب یعنی پوری قوت سے تیر پہنکنا یعنی دنیا کے اسباب

شوکت میں گمراہ اور مغرور اور اپنی عمر حیات فانی پر فریفتہ ست ہو گیا تو نہیں دیکھتا کہ پر تاب کیا ہوا

یعنی زور سے پہنکا ہوا تیر اگرچہ کچھ دیر ہوا میں بلند پروازی کرتا ہی لیکن آخر کار پھر خاک ہی پر اگرتا ہی

یہی تو اپنا حال سمجھ کہ چند روزہ جوانی اور شوکت و دیو می جو تجھے مغرور کر رہی ہے ایک دن یہ بھی تیر کی طرح

خاک پر پڑگی اور موت تجھ کو مٹی میں ملائیگی۔

شگفتہ شد گل حمرا و گشب بلبل مست صلا کی سرخوشی امی عاشقان بادہ پرست

گل سرخ کھلا اور بلبل مست ہوا امی عاشقان بادہ پرست یہ خوشخبری کی علامت

معنوی طور پر گل حمرا سے ظہور صنوعات و مشاہدات تجلیات مراد ہے۔ بلبل سرخ عاشق کامل مطلب ہے کہ عشق و محبت کا گل سرخ کھلا پس امی عاشقان بادہ پرست یہ خوشخبری سنو اور دُور دُور کر شراب محبت پو لینے بلبل و ارانی گل جس سے طلب حقیقت مقصود ہر تار ہونے کو موجود ہو جاوے

اساس تو یہ کہ در محکمہ جو سنگ نمود بدین کہ جام زجاجی چگونہ آتش شکست

تو بہ کی بنیاد کہ جو مضبوطی میں پتھر کی طرح تھی دیکھ کہ جام شیشہ نرا دسکو گس طرح توڑ ڈالا

جام و صراحی سے شراب یعنی ذکر سبب و لہذا دہ سبب جس سے عشق مراد ہے اور مطلب یہ کہ میری توبہ جو مضبوطی میں تپہ سے کم نہ تھی۔ اور سی طرح نہ ٹوٹی دیکھ کہ وہ شیشہ کی طرح تھی جس کا کنا عشق کی طرح آسانی سے ٹوٹ گئی یعنی میں نے شراب محبت پہنچی شروع کر دی ہر شیشہ سے تپہ کا توڑنا قابل لحاظ ہے

بیار بادہ کہ در بار گاہ استغنا چہ پاسان چہ سلطان چہ ہوشیار و چہ

شراب لاکہ بنے پتہ و اس سرکار میں کیا چوکیدار کیا شاہ کیا ہوشیار کیا مست (سبب ابرین)

یعنی امی حافظ شراب نوشی میں جس سے عشق و محبت کی طرف کنایہ ہو کوشان رہ وہ عشق حقیقی ہوا مجازی تو

عشق کو جاکو کہ محبوب کی استغنا کو سامنہ مومن و کافر فرمان بردار گناہگار نیک و بد سب برابر ہیں

کیونکہ وہ کسی کا محتاج نہیں موافق آیت کریمہ ان الله غنی عن العالمین پس جس کی کو سرفراز کرتا ہے

بلا کسی سبب علت کو سرفراز کرتا ہے اور جس کو پکڑتا ہے اور سکو واسطے ہی کسی ظاہری سبب کا ہونا

فہروری نہیں یہ صرف اسکی شان استغنا کی و کبر بانی ہے چاہے دم بہر میں فقیر کو بادشاہ کر دے چاہے

چشم زدن میں شاہ کو گدا بنا دے

ازین رباط و در چون ضرورت چیل رواق طاق معیشت چہ سر بلند و چہ پست

اس دور کر مسافرانہ ہر جگہ کوچ کی ضرورت ہے تو ایوان معیشت کیا اور سہا کیا بچا

رباط مسافرانہ رباط و در سے دنیا مراد ہے کیونکہ اس میں ایک درسی آنا و درسی جانا ہوا کرتا ہے

یعنی جبکہ یہاں سے جانا ضروری ہو تو آرام کی گزری یا تکلیف سے دونوں برابر ہیں اس واسطے کہ اس آرام و تکلیف کو بوجہ اس کے کہ دنیا نا پائدار ہے کچھ پائدار ہی نہیں۔

باندہا جو اور سب تصورات جو عاشق کی آرزو کا مرکز ہو تو میں ایک جگہ بیان کر دے ہیں۔

برو امیر زار و پروردگشان خود گیر کہند اوند جز این تحفہ ہمار و زالست

ایراہر جا بلا کشون پر عیب جوئی نکر کہ ہکورد زازل میں اس تحفہ کو اور کچھ نہیں دیا گیا

یعنی اگر وہ غلط یا نامصح جا اپنا کام کر عاشقون اور مصیبت زدوں پر عیب نہ لگا کہ ہکورد زازل میں سو گیا

اس عشق و محبت کی تحفہ کو اور کچھ عطا نہیں فرمایا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ عاشقون کو بلا کشی اور مصیبت

روز نیشاق کو ہی لگتی ہے تیری عیب جوئی سے کچھ نہیں ہو سکتا۔

انچہ اور نخت بہر پیمانہ مانوشیدیم اگر از نحر بہشت ست و راز بادہ ست

جو کچھ اوستہ پیمانہ میں دیا ہے یا سہنے لیا اگر شراب ظہور ہو تو کیا اور جو شراب ست ہو کیا

اسلم کہ اگر شراب بہشت جس سے عشق حقیقی مراد ہوا تو اسے ہماری پیالہ (استعدان) میں اونڈیل دی تو پی

گئی اور اگر شراب ست یعنی عشق مجازی دیا تو لایا عرض جو کچھ مانوشی نے دیا اور اول ہی سے دیا ہی

ہم نے اپنی طرف سے کوئی بات قبول نہیں کی۔

خندہ باہم می وزلفت و کر گہر نگار امی بسا تو بہ کہ چون تو بہ حافظ شکست

جام شراب کیا تنہی اور مشوق کی زلف کر گہر نے امی مخاطب بہت کو گوئی تو بہ کو حافظ کی تو کبھی طوطا

خندہ منہ بخی ہام می روی محبوب زلفت کر گہر جذبہ عشق سے بختی ایزدی اور جمال سرمدی کو جذبہ عشق

طرف متکدی بہتد کر عشق نہیں کیا بلکہ نجد ایسے بہت کر لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہی۔

نہراچہ سورت بار و دیو کی تو بہت کشاد کار من اندر کر شہنا کی تو بہت

بیکہ نہراچہ دیو و دیو کی صورت پیدا کی تو تیری کرشمہ و سریری کار کشادگی کو دہشت کیا

ولر با کا فلانہ کی صورت ہم سے جس روز کہ خدا فی تیری دیو کی صورت بنائی تو او سینو قست

میرزا کا سر انجام تیری کرشمہ سے متعلق کیا خلاصہ یہ کہ تیرا اور میرا متعلق ازل سے ہے

کہ آج سے تیرا ہے۔ یہ نثر حضرت رسول مقبول کی نصیحت میں ہے۔

ہزار سرچشمن را بخاک گردانند زمانہ تا قصبے کش قبا کی تو بہت

ہزار سرچشمن کو خاک میں گھسا دے گا زمانہ سے پہلے تیری زمانہ کا کو پیشی کو باندھا

سرفہین سے ہزار سرچشمن کو خاک میں گھسا دے گا زمانہ سے پہلے تیری زمانہ کا کو پیشی کو باندھا

یعنی اللہ تعالیٰ مقصود ہے

زبانِ کلالتِ حافظ چہ شکر آن گوید کہ تحفہ سخنش میسر بند دست بست  
حافظ تیر زبان قلم او سکا کیا شکر کرے کہ بولگ او سکر سخن کا تحفہ ہاتھوں ہاتھوں جو ہاتھوں  
مطلب صاف ہے کہ امی حافظ تیر قلم کی زبان خدا کا شکر کیا ادا کر سکتی ہے کہ او سکی لکھو ہو ہر اشعار  
شائق ہاتھوں ہاتھ لیجاتے ہیں یعنی قدر کرتے ہیں۔

زلزلتِ آشفتمہ و نغمی کردہ و خندان لبست  
پیرین چاک و غزل خوانِ صراحی در دست  
زلزلتِ پیشانِ عرفناک مبتسم لب اور دست  
پیرین چاک غزل گاتا ہوا ہاتھ میں صراحی  
نغمش عریضہ جو و لبش افسوس کنان  
نیم شب مست بہالین میں آمد نشست  
آدھی رات کو مست میری سرے آن کر بیٹھا  
انگھیں لڑائی گریوالی اور او سکر افسوس کر نیوالے  
سرفراز گوشت من اور دہا و از حزمین  
گفت کا مری عاشق شوریدہ من خوابت  
سہیر میری کان کو پاس لایا اور انگھیں آواز ستے  
عاشقی را کہ چنین بادہ شبگیر دہند  
کما کہ امی میری پیشان عاشق تجھ کو بند آگئی  
کافر عشق بود گر نو دبا دہ پرست  
جس عاشق کو کہ ایسے شبگیر شراب دین  
اگر شراب نوش نہ تو کافر عشق ہے

یہ ہر چار شعر سلسلہ وار ہیں لہذا ہم سب کا مطلب سی جگہ بیان کرتے ہیں یعنی میرا محبوب زلف  
پیشان کہ ہو چہ چہ پر عرق مستے مبتسم لب پیرین دیدہ جو متا جہا متا ہاتھ میں صراحی غزل گاتا ہوا  
مخمور سر سرگین انگھیں لب سوا فوس کرتا ہوا غرض کہ جنینی باتیں معشوقوں کے متعلق ہیں اون سب کو  
ساتھ آدھی رات کو کہ جو عارفون کے مشاہدہ کا وقت ہوتا ہے میرے سر ہانڈا کر بیٹھا گیا اور  
اپنا مونہ میری کان کے قریب لا کر اوس ملول آواز سے جو عموماً ایسے وقت معشوق بنا لیا  
کرتے ہیں کہنے لگا کہ امی پرانے عاشق تجھ کو ہمارے عشق کا ریت سود عوی ہے اور اس وقت غافل  
سوتا ہو معشوق کو نیند نہیں آئی او کی انگھیں دیدہ اگر محبوب کو انتظار میں بیٹھا کھلی زبانی میں پھر  
تو کیوں ہو گیا جس عاشق کو بادہ شبگیر جس سے مشاہدات نیم شبے مستصوفوں میں پلا دین اور وہ نہ  
پچھے نوجا نیو کہ وہ کافر عشق ہے یعنی جس عاشق کو ایسے مشاہدات میسر ہوں اور وہ اگر  
عشق میں سامی نہ تو سمجھنا چاہیے کہ شکر عشق ہے مطلب یہ کہ عشق جسے محروم ہے او سکو  
بوری عشق نہیں پہنچتی۔ ان شعروں میں حافظ صاحب نے مجازی کے پیرایہ میں حقیقی مشاہدہ کا سامان

اور اسکر حال زار پر توجہ فرما۔

تو خود حیاتِ گرہودی کی زمانِ وصال  
خطا نگر کہ دل میدرو فای تو بست

ای زمانہ وصال تو خود دوسری زندگی تھا  
اس خطا کو دیکھ کہ دلتی تجھے وفا کی امید باندھی

مطلب یہ کہ ای زمانہ وصال تو زندگی کی طرح بی وفا تھا یعنی جس طرح کہ زندگی بی وفا ہوتی ہے  
اسی طرح تو بھی بی وفا نکلا تھوڑی دیر رہا تو اس اعتبار سے گویا بخیاں بی وفائی تو خود دوسری  
زندگی تھا پس دلی قصور پر غور کر کہ اس نے تجھے وفا کی امید رکھی یعنی دل نے غلطی کی اسکو  
تجھے ایسی امید نہ رکھنی چاہی تھی۔

ہم از نسیم توروزی کشا میشی باید  
چو غنچہ ہر کہ دل خویش در ہوا کی تو بست

تیر نسیم فصلِ سحر کسی روز کشا میشی پائے گا  
جس کسی غنچہ کی طرح دل کو تیری جڑ کا باند کیا  
یعنی ای ذاتِ پاک خدا جس عاشق نے کہ اپنا دل تیری عشق کو خیال میں غنچہ کی طرح باندھا وہ بھی تیری  
تیری نسیم رحمتِ سحر در شگفتہ ہو گا۔

ز دست جو تو گفتم ز شہرِ خدایم رفت  
بخدمتِ گفت و حافظا کہ پامی تو بست

میں کما تیری ظلم کی وجہ سے شہرِ حوڑ دونگا  
ہنسکر جواب یا کہ ای حافظا تیری ہر توندی ہو رہی

ظاہری مطلب تو صاف ہی باتی میں جو رہنے محرومی وصال لیا جائے گا جو کہ عاشق پریمتر نے ظلم  
کی ہی سہنا چاہیے اگر اصلی معنی جو رکے لئے جائیں تو شاید حقیقی کیواسطی ایسا لفظ نہیں ہو گا  
دوسرا مصرع معشوق کی زبان سے ہے۔ یعنی جب میں نے کہا کہ ای محبوب میں تیری وصال ہی  
محروم ہوئی علت میں شہرِ حوڑ دونگا تو اس نے جواب دیا کہ جا تو کمان جا بگا تیری پاؤں عشق کی سی سی  
بند رہی میں۔ یہ گویا بطور استغنا کے ہے جو معشوق کی خاص صفت، سمجھنی چاہی۔

ای ہر صبا بسا بے فرستمت  
بنگر کہ از کیا بلجائے فرستمت

ای ہر صبا میں تھکے شہرِ بک کو بھیجتا ہوں  
دیکھ کہ تجھے کمان سے کمان کو بھیجتا ہوں

حیف است طائرِ سوخو تو خاکدانِ دہر  
وینجا باشیان و فاسے فرستمت

افسوس کہ تجسا طائرِ اور دنیہ خاکدانِ زمین  
اس جگہ یہ میں تجھے آشیانہ و فالو بھیجتا ہوں

ہر صبا ہی پیغامِ بر صبا مراد ہے۔ لکھا ہے کہ خواجہ علیہ الرحمۃ کا کوئی دوست بہت دور دراز تمام پرست

نرگسین قبا ایک قسم کی قبا کو کہتے ہیں جس پر ہل بونٹے بنے ہوتے ہیں اور قصب نرگسین قبا سوزات مبارک  
 آنحضرت کی طرف کتا یہ ہے۔ یعنی جس روز سے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات مبارک کو مبعوث فرمایا ہے  
 اوس روز سے ہزاروں سال کا طریقیت جو آنجناب کی امیدوار ہیں آپ کی خاک راہ پر بیٹھو ہو ہیں  
 مرا و مرغ چمن راز دل بہر آرام  
 سحر کہاں کہ دل بہر دوزخ تو آتو بہت  
 میرے اور مرغ چمن کو دل کو آرام لے گیا  
 صبح کی بوقت دنوں کو دلوں کو تیرا آواز نے باندھا  
 بنے میرے اور مرغ چمن کی جس سے مرشد طریقت مراد ہو دو دنوں کو صبح کی بوقت تیری آواز نے  
 بفرار کیا یہ آواز امتی کی تھی جس سے عشق پایا جاتا تھا پس اوسی محبت نے ہمارے دو دنوں کو  
 اپنا سحر کر لیا ہے

زکار ما و دل غنچہ بس گرہ کا شود  
 نسیم صبح چو دل در رہ ہوا تو بہت  
 غنچہ کو دل اور ہمارے کام سے بہت سی گرہیں کھین  
 صبح کی ہوا نے جب ہل تیری حرم کی راہیں باندھا  
 مطلب یہ کہ جب ہمارے مرشد طریقت نے تیری محبت میں اپنی دلوں کو باندھا ہے یعنی تیرا عشق کیا تو ہمارا  
 اور ہمارے دل کا کام بن گیا۔ بہت سی غم و الم مثل خوف خاتمہ اور شرف شرف کہ ہمارے دل پر طاری تھی  
 اور جس سے ہم ڈرتے اور کانپتی تھی سب جاتی رہی۔ اور بہت سی دہشتوں سے ڈھپکارا ہوا۔  
 مرا بہ بند تو دوران چرخ راضی کرد  
 ولی چہ سود کہ سرشت در رضا تو بہت  
 مجھ کو گردش چرخ نے تیری پابندی پر راضی کیا  
 لیکن کیا فائدہ کہ میرا سلسلہ تیری رضا سے باندھا  
 مطلب یہ کہ گو گردش چرخ نے میرے تعلق کو دین نبوی کی مضبوطی سے جکڑ دیا لیکن ابی دل اس  
 کچھ فائدہ نہیں یہ بے سود بات ہے اس واسطے اصل کار و بار کو خدا کی رضا سے تعلق ہے اور بلا  
 اوس کی مرضی حاصل کر ہوئے کچھ نہیں ہوتا۔ چنانچہ مولانا روم فرماتی ہیں شعر آئندہ اور دی بہبود  
 نہ داشت + دیدن زوعمی سود نہ داشت

چونافہ بر دل مسکین من گرہ مفلک  
 کہ عہد سزلت گرہ کشائی تو بہت  
 میرے دل مسکین پر نافرمانی کی طرح گرہ نہ ڈال  
 کہ عہد سزلت گرہ کشائی تیری سے باندھا  
 یعنی میرے دل پر نافرمانی کی طرح گرہ نہ ڈال اور پیچ و تاب کشمکش ہجران میں نہ کر کہ کیونکہ اس بیچارے  
 تیری زلف سے جبکا اشارہ جذبہ عشق کی طرف ہے عہد دوستی کر لیا ہے اس پر اپنا فضل و کرم کہ



عالم پر صحتی رہتی ہو اپنی دعا کی خیر کا قافلہ تیری پاس روانہ کرتا ہوں تاکہ تجھ کو عاشق کی حالت پر رحم آوی  
اور اپنی پاس بلا کر۔

در روی خود قفر ج صنع خدا کی کن کا اینہ خدا سے نما میفر ستمت  
اپنی چہرہ میں خند کی صنعت کو دیکھ کہ یہ آئینہ خدا نما میں تیری پاس بھیجا ہوں  
گویا حافظ صاحب فرماتی ہیں کہ امی مخاطب یعنی عاشق دل لیش اگر تو چاہتا ہو کہ اس کی معرفت کو  
پہونچے تو مجھے چاہئے کہ اول اپنی معرفت کو پہونچ کر تیرا وجود جمع الہیات والصفات ہو  
اور جو کچھ دنیا میں ہو وہ اوسے دم سہی نفس کو افلا بنصرون اور اس مضمون کی کلام کو  
گویا میں بچائے آئینہ خدا نما کے تیری پاس بھیجا ہوں یعنی تجھے بتاتا ہوں یاد دلانا ہوں کہ  
من عرف نفسه فقد عرف ربه۔

تا لشکر غمت نکند ملک دل خراب جان عزیز خود بفرامیفر ستمت  
تاکہ تیری غم کا لشکر ملک دل کو برباد نہ کرے اپنی جان عزیز کو تیری نذر کیلئے بھیجا ہوں  
یعنی اگر محبوب اس واسطے میں اپنی جان نذر کر دیتا ہوں کہ تیرا لشکر غم جس سے ہجران یا در عشق مقصود ہے  
میرے ملک دل کو برباد نہ کر ڈالے گویا عاشق کی ہجر جان بمنزلہ فدیہ کرے کہ جس کو لیکر لشکر غم بربادی  
دل سے دست بردار ہو جائے۔

ہر دم غمی فرست مراد بگو بنار کا این تحفہ از برای خدا میفر ستمت  
ہر دم مجھے غم دے اور ناز سے کہو کہ خدا کیلئے یہ تحفہ تیری پاس بھیجا ہوں  
مطلب صاف ہے تشریح طلب نہیں معشوق کی غایت کا اظہار ہے کہ وہ ہر وقت نیا غم دیتا اور اس کو  
تحفہ بنا کر قبول کر لے گا۔

ای غائب از نظر کہ شدی منشین دل میگویمیت دعا و ثنا میفر ستمت  
ای نظر سے غائب کہ تو دل کا منشین ہوتا ہو میں تیری تعریف کرتا ہوں اور تجھ کو دعا دیتا ہوں  
یعنی اگر وار و غیبی جب تو اس خاکدان کلمہ انتزان عاشق سے آستان وفا کی طرف کہ جو معشوق کا  
مقام ہے پہونچے تو اس دعا کو گنجائش سے عرض کرنا کہ امی نظر سے دور اور دل سے قریب میں ہر حال میں  
تیرا ثنا خوان اور دعا کنندہ ہوں کوئی دم تیری یاد سے خالی نہیں گذرنا۔

اوس سے ملاقات نہوتی تھی تو آپ فریغزل اوس دوست کو لکھی تھی اور چونکہ ہاں تک پہنچنے والا کوئی  
 قاصد نہ تھا اسلئے صبا کو پیغام بر بنایا اور بعضی تواریخوں میں ہے کہ میر غزل بہمنیہ خاندان کے بادشاہوں  
 سے کسی بادشاہ کے واسطے لکھ کر بھیجی تھی جو آپ کی ملاقات کا نہایت شائق اور آپ کا معتقد تھا۔ مگر  
 معنوی اعتبار سے یہ ہر صبا مرشد کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے کنایہ واردات غیبی  
 کی طرف ہو۔ شبہ بلیغی کہ شہر کا نام تھا جسکو حضرت سلیمان علیہ السلام فر فتح کیا تھا اور ہر ہر نے  
 اوس شہر اور بلیغی کے حال سے حضرت کو مطلع کیا تھا جسکا مفصل قصہ تفسیر و تہذیب مذکور ہے۔ لیکن  
 یہاں صبا سے عالم معشوق مراد ہے اور مطلب یہ کہ اس مرشد میں تجھے معشوق حقیقی کے عالم میں پہنچا ہوا  
 تاکہ اوسکو حال سے تو مجھے آگاہی دی اور دیکھ کہ میں تجھے کہاں تو کہاں کو یعنی عالم لطیف و عالم  
 لطیف کو پہنچتا ہوں پس وہاں باہمین تاخیر تکلیف تو ہمارا حال محبوب سے عرض کر گیا تو شاید وہ ہمہ  
 رحم فرما کر وصال سے سرفراز کرے پھر کہتے ہیں کہ تجھے طائر بلند پرواز کا اس خاکدان و سرزمین ہذا فستوس  
 کی بات ہے لہذا میں تجھکو اس خاکدان سے آشیان و فاک کی طرف کہ جس سے عبارت و اشارہ معشوق ہے  
 پہنچتا ہوں دیا معشوق کو آشیان و فاک اس عرض سے کہا گیا کہ وہ جگہ عاشقوں کی و فاک کا مرجع ہے  
 واضح ہو کہ خواجہ صاحب حالت جذبہ محبت میں مرشد کامل کو ہر سبب قرار دیکر بطور تصور عالم اول کو  
 عالم اعلیٰ کی طرف بھیجتے ہیں اس سے مرشد کی سومر ادبی خیال نہیں کی جاسکتی بلکہ عاشق کا اشتیاق کا پستہ  
 چلتا ہے کہ ہر طریق محبت حقیقی کا اس سے زیادہ حال بیان کرے جیسا کہ رہا ہے

دراہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست می بینیت عیان و وعائی و سمت

راہ عشق میں منزل دور و نزدیک نہیں ہے۔ میں تجھکو عیان دیکھتا ہوں اور وعائی و سمت

یعنی منزل عشق میں ظاہری طور پر کچھ قرب و بعد نہیں ہے پس اس محبوب میں تجھکو صاف طور پر دیکھتا

ہوں اور وعائی دیتا ہوں اگرچہ عالم جسمانی کی قید میں تیری جناب سے دور ہوں لیکن باطنی طور پر

جہاں ہوں تیری ساتھ ہوں اور تجھے دیکھتا ہوں۔

صبح و شام قافلہ از وعائے خیر و صحبت شمال و صبا سے فرستمت

صبح و شام کو وعائے خیر کا قافلہ با صبا اور باد شمال کو ساتھ تیری پاس کو بھیجتا ہوں

قافلہ وعائے خیر سے کثرت دعا کی خیر مراد ہے۔ صبح و شام یعنی علی الدوام۔ یعنی میں ہوا کر ہر جگہ اطراف

یعنی خجاندنگ تیرا دامن کہی نہ پھوڑونگا۔  
 گریبا یم شدن ہو کر ہاروت باس نے  
 صد گونہ ساحری کہنم تا بیا رمنت  
 اگر میراجا نا بابل کی طرف ہاروت کو پاس ہو  
 تو سوطر سحر سحری کروں تاکہ تمکو الماؤن  
 بابل شہر کا نام ہے۔ حل لغات میں لکھا ہے کہ اس جگہ غرور ذی ایک عظیم الشان محل طیار کرایا تھا  
 کہ تیرے بچے اس کی بلندی پر پھنسا کر گزرتی آتا اور پھانسی سے غرور کی یہ عرض تھی کہ وہ ابراہیم کے  
 خدا سے جنگ کرے۔ اتفاق سے ایسی تند ہوا چلی اور زلزلہ آیا کہ وہ بلند محل اور صدمہ سے  
 گر کر نیست و نابود ہوا اسی بابل کے کنوئین میں ہاروت و ماروت دو فرشتے بھی اسیر ہیں جو بچے  
 سحر سیکھنے کو واسطے آتے تھے اور زہرہ پر عاشق ہو کر قید کر دیے گئے۔ مگر اس شعر میں ہاروت سے  
 مرشد کامل اور بابل سے اس کی جائے سکونت مراد ہے۔ اور حافظ صاحب نے معشوق سے خطاب  
 فرمایا ہے کہ اگر میں بابل میں ہاروت کو پاس ہو تو بچوں تو اس سے سحر سیکھ کر تم پر ایسا جادو کروں کہ  
 تو میرے پاس آ جاؤ یعنی مرشد کامل کے ذریعہ سے تیری ملنے کی تدبیر کروں۔

محراب یروان بہ نما تاحسری دست دعا بر آرم و در گردن آرمست  
 ابرو نگہ محراب دکھاتا کہ صبح کے وقت ہاتھ دعا کیلئے اٹھا کر تیری گردن میں ڈالوں  
 ابرو کا کنا یہ شاہد تجلی کی طرف ہے اور مطلب یہ کہ اے محبوب اگر تو مجھ کو اپنی وصل کی مرتبہ کو نہیں  
 پہنچاتا تو ذرا اپنا جلوہ تجلی ہی دکھا دے تاکہ صبح کے مشاہدہ کی وقت کہ جو دعا کا وقت ہوتا ہے  
 میں دعا مانگوں اور بذریعہ اس دعا کو اپنا مدعا حاصل کروں۔

خواہم کہ پیش میرت امی ہو یا طیب بیمار باز پرس کہ در انتظار است  
 امی ہو یا طیب میں چاہتا ہوں کہ تیرے سامنے بیمار کو بونہی کہ تیری انتظار میں ہے  
 مطلب کہ امی معشوق ہو یا میں ہمیشہ اس قصد میں رہتا ہوں کہ تیری قدموں پر جان و دل پس تو اپنی بیمار کا حال پوچھو  
 کیوں اس طرح رہتا ہے کہ شب و روز اس کی انتظار میں ہو کہ کب طیب ہو گا اور کب مریض ہو گا سامنے میری واضح ہو کہ اگرچہ پرفا  
 کا لفظ ادب سے دور ہے لیکن چونکہ معشوق کا کاروبار عاشق کے موافق نہیں ہوتا اس لحاظ سے اس کا لانا برا نہیں۔  
 صد جو کر آب بستہ ام از دیدہ در کنار پر تو کی محرم مہر کہ در دل بکا رست  
 سو ندیان پانی کی آکھٹے بنائے ہیں محرم محنت کے باعث جو کہ میں زمین بویا ہوں

تا مہربان ز شوق منت الہی دهند قول و غزل بساز و نوا میفرستمت  
 تا کہ مطلب میری شوق سے تجھ پر مطلع کریں کلام اور غزل سازوں کو ایسا تہہ بہہ بجا ہوں  
 اس جگہ نواعتی تو شکر آیا یا آواز کو معنون بن کر کہ پس لکھتے کلمات اور اچھی اچھی باتیں جو سلسلہ نظم کی متون  
 میں میں تیری پاس بھیجا ہوں تا کہ میری ہر نیکو بعد جو لوگ آئندہ اس فن کو قائم مقام ہوں وہ ان اشعار کو  
 پڑھ کر میرا شوق تیری سامنے اظہار کریں اور تجھ پر میری یاد دلا دیں۔

ساقی بیا کہ ہاں تفت غلیجہ مٹا دے گفت با در و صبر کن کہ دوا میفرستمت  
 اے ساقی آگہ ہاں تفت غلیجہ کی ہلکھو خوشخبری دی ہے درد سے صبر کر کہ میں دوا بھیجتا ہوں  
 ساقی سو ادمرشد ہر اورد مطلب یہ کہ ادمرشد تو کس واسطے مجھ سے غافل ہو شراب عشق حقیقی پلا کیونکہ ہاں تفت غلیجہ  
 مجھے خوشخبری سنائی ہو کہ صبر کر جلد تیری مرض کی دوا بھیجی جاتی ہو چونکہ اس دوا سے مراد تو ہی ہے پس جلد  
 اور احوال مشوق حقیقی بیان کر کر مجھ کو یاد و محبت سے سیرور فرما۔

حافظ سرو مجلس ما ذکر خیر نست قعجیل کن کہ اسپ قبا میفرستمت  
 اے حافظ ہمارے مجلس سرود میں تیرا ذکر خیر ہے جلدی کر کہ گھوڑا و جوڑا تیرا سوار بھیجتا ہوں  
 اسپ قبا سے دوا کی وصل یا نامہ پیغام مراد ہو اور مطلب یہ کہ اے حافظ ہم اپنی مجلس سرود میں تیرا ذکر خیر ہمیشہ  
 کرتے رہیں تیری یاد دوا کی وصل یا نامہ پیغام بھیجا جاتا ہو جلد آ اور اس مجمع حقانیت میں شریک ہو  
 چشم محبوب حقیقی کی زبان سے بیان کیا گیا ہو اور اس سے عاشق کی طلبی درگاہ حقیقی میں مقصود ہے۔

ای غائب از نظر بچد امی سیارست جانم بسوختی و بدل دست ارمست  
 اے نظر سے دور میں تجھ کو سوچتا ہوں تو ز میرا دل بلایا میں تجھ کو دست کہتا ہوں  
 یہ غزل فیض و ارادات یا جہاد کی مرشد میں لکھی گئی ہے اور مطلب صاف ہے کہ اے نظر سے غائب میں تجھ  
 کو اس واسطے سوچتا ہوں کہ میری جان تو ابھی فراق میں سوختہ کی دہتا ہو در حالیکہ میں تجھ کو جاننے  
 زیادہ غریزہ کہتا ہوں یعنی تیری بیوفائی سے زخماں کروں تو کیا کروں۔

تا دامن کفن نکش ز پام کو خاک باور کن کہ دست دامن بد ارمست  
 جب تک کہ میں خاک کو اپنے کفن نہ پہنوں یقین مست کر کہ تیری دامن کو چوڑ دوں گا  
 یعنی اے محبوب تو کہی یقین نہ کر کہ میں تیری دامن کو مرنے سے پہلے چوڑ دوں گا جب تک کفن کا دامن بکروں گا

بجان خواجہ و حق قدیم و عہد درست  
 خواجہ کی جان حق قدیم و عہد درست کی قسم  
 کہ مونس و دم صبح دعا کو دولت مست  
 کہ صبح کو تیری دعا کو دولت مونس ہوتی ہے  
 بجان کب تسمیہ ہے خواجہ سر مراد حضور سرور کائنات حق قدیم یعنی صحبت عالم اطلاق۔ عہد  
 درست سے مقصود قالو بے باہر کہ روز ازل کو اللہ تعالیٰ نے ارواح سے کہا کہ گلشن جانے  
 میں جا کر صفات لہری کی کو ملاحظہ کرو اور ہماری جدائی سے گلین مت ہو کہ ہم ہر وقت تمہاری ہمراہ  
 ہونگے دم صبح وقت صبح جو دعا کا وقت ہوتا ہے۔ اور مطلب یہ کہ رسول مقبول کی روح پر فوج  
 اور اس صحبت قدیم کی قسم کہ جو عالم اطلاق میں ہم تیرے ساتھ رکھتے تھے اور نیز اس عہد درست کی  
 قسم کہ جو منے تجھے کیا تھا اور جیسے اب تک قائم ہیں کہ ہر صبح کو ہماری مونس تیری دعا کو دولت ہی ہوتی  
 یعنی ہم قسم کھاتے ہیں کہ ہر روز صبح کو ہم ہوتے ہیں اور تیری دعا گوئی  
 شکر من کہ رطوفان نوح دست برد  
 ز لوح سینہ نیار است نقش مهر شکرست  
 یہ اس شکر شکر کہ جو طوفان نوح سے بازی لگیا  
 سینہ کی تختی سے تیرا نقش صحبت نہ دھوسکا  
 یعنی میرا شکر جو طوفان نوح سے بھی بڑھ گیا اور تیرے نقش صحبت کو جو میری لوح دل پر لکھا ہوا ہے  
 نہ دھوسکا یعنی وہ نقش صحبت اتنا پاک ہے کہ اس کو طوفان نوح بھی نہ دھوسکے گا۔  
 بکن معاملہ و این دل شکستہ بخر  
 کہ شکستگی از زو بصد نزار درست  
 سودا کر اور اس شکستہ دل کو خرید  
 کہ شکستگی کو ساتھ سو ہزار درست تو ہستای  
 یعنی میری محبوب اس شکستہ دل کا سودا کر اور اسے خرید لے اس لئے کہ یہ ہمارا ٹوٹا ہوا دل لاکھ سالم دلوں سے  
 بھی سستا ہے چونکہ ثابت دل قابل قدر بالاین تعریف نہیں ہوتا اس لئے ایک شکستہ دل کو مقابلہ میں  
 لاکھ ثابت دل از ان سہجے جاسکتے ہیں۔  
 شدم ز عشق تو شیدا مگر کوہ شکرست  
 من تیرے عشق کی بدولت کوہ شکرست بن گیا ہوں  
 منیکنی تیرم فراق سلسلہ مست  
 ابی تو زحم سے کمزور سلسلہ کو ڈھیلانہیں کرتا  
 فراق یعنی کمزور و گنڈی۔ یعنی اگر محبوب میں تیرے عشق کے ہاتھوں کوہ و بیابان میں شیدا پاتا  
 پھر تھاموں ابی تو سلسلہ بندش کو نہیں ٹوٹتا یعنی مجھ کو اس بند سے آزاد نہیں کرتا مقصود اس  
 شعر کا موت کی طلب ہے۔

یعنی ای محبوب حقیقی تیری ہجر میں میری گریہ وزاری حد کو پہنچ گئی گویا سونڈیان پانی کی اویں کر  
جاری بن اور یہ سب دیکر باعث ہو کہ تیری محبت کا تخم میں ڈال دوں مرنے والی ہو لیکن یہ ہے  
عشق پیدا کیا ہے

خونم پر زوار غم ہجر حلاص کن منت پذیر غم نہ خنجر گذار مت

میرا خون کر کہ غم ہجر سے رہائی پاؤں میں تیری غم نہ کہ خنجر کا منت پذیر ہو جاؤں

میگر یہ ہم مراد ام ازین چشم اشکبار تخم محبت است کہ در دل بکار مت

روتا ہوں اور میری مراد اس چشم اشکبار ہے تخم محبت کا پیٹنا ہے کہ جو میں در دلین بویا ہے

یعنی میری مراد اس گریہ وزاری اور اشکباری چشم سے صرف اس تخم محبت کی سرسبزی کرنے ہے  
جو میں در دلین بویا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس گریہ سے مراد گریہ محبت ہے کہ جو میری دلین معشوق حقیقی

کی ہر وقت جوش زن تہی ہے

گر دیدہ و ولم کند آہنگ دیگر می آتش زخم دران دل و دیدہ بر آرم مت

اگر میری آنکھ اور دل دوسری کا قصد کرے تو انہیں آگ لگا دوں انکھیں اور دل کا لکڑی پڑھوں

یعنی اگر میری آنکھ سوائے تیری کسی دوسری کو دیدار کی خواہش کرے یا دل اور کسی کی محبت کا دم بہری تو میں اور

آنکھ اور دل کو کا لکڑی پڑھوں پس یہی دون مطلب یہ کہ میں صرف تیرا ہی عاشق صادق ہوں۔

یارم وہ از کرم بر خود تا بسوز دل در پات و مبدم گہ از دیدہ بار مت

اپنی کرم سے مجھ پر اپنی قربت یا دردی تاکہ بسوز دل تیری قدموں پر مبدم لگا لگا آنکھ سے برباؤں

یعنی ای محبوب دلنواز کسی روز تو مجھے اپنی قربت آنکھ کی اجازت دے تاکہ مبدم بسوز دل سے کھڑا ہوں

اشک تیری قدموں پر تار کھوں

حافظ شراب شاہد زندگی وضع منت فی الجملہ میکنی و فر و منی گذار مت

ای حافظ شراب شہی معشوق پسندی اور زندگی کا شریک بن کر

مطلب یہ کہ ای حافظ شراب خواری اور معشوق بازی اور زندگی تیری وضع کے مناسب نہیں ہے

مگر چونکہ تو ان باتوں میں حد سے نہیں بڑھا ہے اور کمر کرتا ہے لہذا سبقت دے رہے ہے غصہ

کا اعتبار سے میں تجھے معاف کرتا ہوں۔



مرغ حافظ از دلبران وفا کم جوئے      گیاه باغ چه باشد جوان گیاه سست  
 ای حافظ مشوق یونانی و نواز و نواز کم از یونانی      باغ کی گمان کیا چیز جز جنت گمانش او کبری جا  
 یغزای حافظ اگر بگویم عشق ہی تو معشوقون سو وفا کی اسید نہ رکھ اور نہ او کی اس بات سر بخیدہ ہو تو نگہ باغ  
 میں جہان عمدہ عمدہ ہول ہی ہوتی ہی وہاں گمان ہی ہوتی ہی اسید طرح معشوقون میں جہان نام فوہیان  
 ہوتی ہی وہاں یوفا کی ہی ہوتی ہے اسکی کچھ شکایت نہیں کرنی چاہئے  
 خلوت گزیدہ راہ تاشہ حاجت سست      چون کوی دوست بہت بصر اچہ حاجت  
 خلوت گزین کو تاشہ کی گیا حاجت ہی      جب کوئی بار موجود ہی تو صحر کی کیا ضرورت ہی  
 مطلب یہ کہ جتنی بار کہ از دنیا ہو کر گوشہ نشین ہوا ہو سکو جہاں کو تاشہ سکو کار ہر وجہ سے قطع کر کر باطل  
 تو اگر کوئی محبوب کا مجاہد بن گیا اور اسکو اپنا مسکن قرار دیکھا تو وہی جنگل میں حیران دگر گردان پرنگی کہہ ضرورت نہیں  
 جانا بجا حیر کہ ترا هست با خدا می      آخر دمی سپر کہ مارا چہ حاجت سست  
 ای جان اوس حاجت کی کہ جو خدا سر رکشا ہو      آخر کسبوت تو پونچہ کہ ہماری حاجت کیا ہو  
 یغزای جان میں تجھ اوسی حاجت کی قسم دیتا ہوں جو تو خدا کو غرض کی درگاہ میں رکشا ہو کہ کسی مجہد ہی تو پونچہ کہ  
 میں تجسیر کیا تمنا رکشا ہوں۔ اس میں یہ نکتہ ہے کہ حاجتمند کی حاجت کو حاجتمند ہی خوب جان سکتا ہے۔  
 ای بادشاہ حسن حصار اسبوقیم      باری سوال کن کہ گدا را چہ حاجت سست  
 ای شاہ حسن حصار اہم بلے جاتے ہیں      کہ کسی تو پونچہ کہ فقیر کی کیا حاجت ہے  
 مطلب یہ کہ اگر شاہ حسن ہمارا حیرن ہی تیرا ترافق ہو جائے تاکہ اکیلو اکیلو کہ تیرے تو پونچہ کہ فقیر تجسیر کیا حاجت رکشا ہو۔  
 ارباب حاجتیم زبان سوال نیست      در حضرت کریم تقاضہ چہ حاجت سست  
 ہم اہل حاجت ہیں مگر زبان ہی سوال نہیں کرتے      درگاہ کریم میں تقاضہ کی کیا حاجت  
 یعنی چونکہ میں اہل حاجت ہوں لیکن سوال نہیں کرتا اس واسطے کہ حضرت کریم زبان سوال ہو کر از کریم تقاضہ ہو کہ وہ خود تمام  
 حاجتوں کی تمنا و نگو پورا کر دیتا ہو اور اسکی تمنا میں معلوم ہیں حضرت کریم ہی مراد رسولی کریم ہیں۔  
 جام جہان نہایت ضمیر منیر دوست      اظہار احتیاج در آنجا چہ حاجت سست  
 دوست کار و مشق دل جام جہان نہایت      اظہار احتیاج کی اوس جگہ کہا ضرورت  
 مطلب یہ کہ دوست منیر ضمیر ہو کہ دروہا حال اور او کی حاجتیں جانتا ہو لہذا اس سے حاجت ظاہر کرنیکی ضرورت نہیں۔

حاجت

لما تم بحرابی مکن کہ مرشد عشق  
حوالہ تم بحرابات کرد روز نخست  
مجموع خرابی پر ملامت نکر کہ مرشد عشق نے  
روز نازل میں مجموع خرابیات کو حوالہ کر دیا ہے  
مخاطب اسکا نام نصیحت گوہر مرشد عشق اللہ تعالیٰ مراد بحرابات کا کثایہ زندی ہستی کی طرف سمجھنا چاہو لغوی و ناصح  
مجموع عشق پر ملامت نکر اس واسطے کہ مرشد عشق نے روز نازل میں ہی مجموع عشق و محبت کو حوالہ کر دیا ہے۔

ولا طمع مبر از لطف بر نہایت دوست  
چو لاف عشق زدو کسر باز چابک و سپت  
اکدل دوست کی بر پایان لطف کا لالچ نکر  
جو تو عشق کا دم بہر تہا ہو تو جستی کی سر پر کسیل جا  
مطلب یہ کہ اکدل تو لطف محبوب تو امید قطع نہ کر لا یقتنوا من رحمۃ اللہ بلکہ جب تو معشوق کی خوشی کا خواہاں  
اور دعویٰ عشق کرتا ہو تو سر کو مردانہ وار او سکی راہ میں فدا کر دے۔

زبان مور بر آصف دراز گشت از ان  
کہ خواجہ خاتم جم یا وہ کردو باز نخست  
چوٹی کی زبان آصف پر اسلئے دراز ہوئی  
کہ خواجہ فرحبشید کی لگوٹی کو دئی اور پراو سکونہ ڈھونڈا  
چوٹی حشرات الارض میں ہے ایک ضعیف ترین مخلوق ہے جسکا اشارہ اسمگنہ نفس کی طرف ہو گا۔ آصف حضرت  
سلیمان کو ذریعہ کام تھا جسکا کنا یا س موقع پر روح کی جانب ہے۔ اور خواجہ بھی روح ہی مراد ہے۔ حضرت سلیمان

کیواسطی آیا اور اس سے مراد حق سبحانہ تعالیٰ۔ خاتم سے عبارت معرفت الہی۔ اور مطلب یہ کہ نفس کی زبان روح پر  
ابواسطی علی کہ روح نے معرفت الہی کو اس قالب غصری میں آن کر ماتہ سے کو دیا اور پراو سکی تلاش میں حیرانی  
نہ اٹھائی۔ ظاہری مطلب صاف ہے کہ چوٹی نے گنبد سے آصف وز پر پر زبان طعنہ دراز کی کہ اگر آصف تو نے  
حضرت سلیمان کی پیش قیمت لگوٹی اپنی غفلت سے کو تو دئی اور پراو سکونہ ڈھونڈ نہ کی تکلیف اٹھائی ہر کا مفصل

کتب سیلورنیر نفاسیر کلام مجید میں لکھا ہے ہم اسمگنہ اسکی تلیس کی تمام کمال طور پر ضرورت نہیں سمجھتے۔  
یصدق کوش کہ خورشید زاید از نسبت  
راستی میں کوشش کر کہ تیر دم سے خورشید پیدا ہو  
کہ صبح کا ذب دروغ سے سب رو ہوتی ہے

مطلب کہ راستی اختیار کر جھوٹ نہ بول تاکہ تیر دم سے خورشید پیدا ہو صبح صادق کی طرح کہ صبح کو سبب و کوسا تہ  
آفتاب نکل آتا ہے برخلاف صبح کا ذب کہ کادسکی جھوٹ کو باعث اسکا چہرہ سیاہ ہوتا ہے جسے صبح کا ذب کہ  
بعد پراو سیر ہو جاتا ہے اور صبح صادق بعد سوچ نکل آتا ہے پس یہ جھوٹ اور صبح کی شناخت ہو دیکھنا چاہو  
کہ صبح کی تعریف کو دونوں لفظ کیسے اچھی آئی ہیں۔ صبح تخت صبح کا ذب کو کتہر ہیں۔

ہر وقت خوش کہ دست بد مغنم شمالا کس او قوف نیست کہ انجام کار حسیت

ہر وقت خوش کہ ہاتھ آوے غنیمت جان کوئی نہیں جانتا کہ انجام کار کیا ہوگا  
مطلب یہ کہ کسی کو اپنی انجام کار کی خبر نہیں کہ کیا ہوگا۔ پس ہر شخص کو لازم ہے کہ خدا کے الطاف فی الجاہل  
نظر رکھے ہر وقت اور ہر حال میں خوش رہے جو کچھ بھی فراغ دلی نصیب ہو اسکو غنیمت سمجھے یعنی حالت یم و جوار  
قلب کو متغزل ہونے دے۔

پیوندد عمر بستہ بموئیت ہوشدار غمخوار خوش باش غم روزگار حسیت

ہوشیار ہو کہ عمر کا پیوند بال سے بندنا ہوای اپنی غمخواری کر زمانہ کا غم کیا چیز ہے  
غم کا جوڑ بال سے بندنا ہوای جسکے ٹوٹنے کا ہر وقت احتمال ہے یعنی زندگی بالکل قابل اعتبار نہیں پس  
تجسس چاہئے کہ عقل کو کام فرما کر صرف اپنا غم کیا اور حصول معرفت میں سعی کر تیرے لئے زمانہ کا غم کہانا  
بیفائدہ ہے سب سے پہلے اپنی فکر کرنی چاہئے۔

راز و رول پرودہ ز رندان مست پرس ای مدعی نزاع تو با پرودہ دار حسیت

پرودہ کے اندر کار از مست رندوں سے پوچھو اے منکر پرودہ دار سے کیا جگہ لڑا کرتا ہے  
مست رندوں سے عاشقان کامل اور پرودہ دار سے اہل ظاہر مراد ہیں۔ مطلب یہ کہ اے منکر تو اہل ظاہر سے  
معرفت الہی کا حال پوچھنے میں کیا رد قدح کرتا ہے یہ حال اہل باطن یا عاشقان کامل سے پوچھو۔ یعنی  
راز معرفت کو سوائے عارفوں کے اور کوئی کیا جانے۔

مستور و مست ہر دو چو از یک قبیلہ اند ما دل بوشوہ کہ دسیم اختیار حسیت

زاد و مست دونوں جبکہ ایک خاندان سے ہیں ہم لکھی ادا پر دل میں ہمارا کیا اختیار ہے  
مستور یعنی عابد و زاہد جبکہ عابد و زاہد صوفی و مست عاشق اور زہد سب ایک قبیلہ سے ہیں یعنی سب  
اوسے کے طالب ہیں پس ہم جسکے طریق پر چلیں اور کسکو اختیار کریں۔ اور جب یہ بات ظاہر ہو کہ اوہ کاملنا  
قسمت پر موقوف ہیں تو کہتے ہیں ہمارا کیا اختیار ہے یعنی ہمیں بھی اوسے کو اختیار ہی ہم بالکل مجبور ہیں۔

سہو و خطای بندہ چو گمراہ اعتبار معنی عفو رحمت پروردگار حسیت

اگر بندہ کی سہو و خطا پر اعتبار کرتے ہیں تو عفو رحمت پروردگار کے کیا معنی ہیں  
یہ شعور اس حدیث کی تلخیص ہے اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوِزُ عَنْ اُمَّتِي الْخَطَاۃَ وَ الشَّيْءَانَ فَرَايَا سَمُولَ خَدَا صَلَّى اللّٰهُ

اُن شد کہ باز منت ملاح پر دے      گو سر جو دست واد بریا چه حاجت  
 وہ وقت گیا کہ ملاح کا بار احسان اوٹاؤں      جب گو سر ہاتھ آگیا تو دریا کی گہیا حاجت  
 ملاح مراد قریب ہی ہر مقصود مرشد کمال دیا یعنی دریا پر عشق مطلب کہ وہ نہانہ گیا جبین مرشد کمال کو نہ کیلئے قریب کا بار احسان  
 اوٹا لے تا اب خوب میری تہہ ہر مقصود آگیا ہی یعنی دریا پر عشق میں مرشد کمال لگیا تو قریب کا بار احسان اوٹا نہ سکی ضرورت نہیں۔  
 اکر مدعی برو کہ مرا با تو کار نیست      احباب حاضر اند با جدا چه حاجت  
 اکر دشمن جا کہ میرا تجھے کچھ کام نہیں      دوست حاضر ہیں دشمنوں کی کیا ضرورت  
 اکر میرا دشمنی و اعدا ہر مقصود نہ ہو کہ جو کچھ جمع کا لفظ آیا ہو لیکن اس سے مراد وہی اسلئے کہ مثلاً اگر کسی شخص کو پاس ایک دوست ایک دشمن  
 ہلا کر دے کہ جو دوست کا اکر دشمن ہو کہ کچھ نہیں اس سے مراد وہی ایک دشمن اور وہی ایک دوست کا لفظ نہ اسلئے کہ یہ کہہ کر اس مدعی منکر مجھ تجھے  
 کچھ غرض نہیں میرا دوست میری پاس موجود ہے جبکہ دوست ہونے کی کسی کو دشمن کی ضرورت نہیں ہوتی۔  
 محتاج جنگ نیست کرت قصہ خون مات      چون رخت از ان تست بیجا چه حاجت  
 لڑائی کی احتیاج نہیں کرتو ہمارے خون کا ارادہ کر      جب یہ رخت تیرا اپنا ہو تو لڑائی کی کیا ضرورت  
 یعنی اگر میری جان لینا ہا تو یہ موجود ہے اور ایسا کہ نہیں جنگ کی جس سے گفتگو مراد ہے ضرورت نہیں کہ میں یہ تھامس کرنا  
 چاہتا ہوں کہ تجھے بچان نہ دے تجھے نفرت با نہیں ہر اور تیری پابند نہیں ہو کر تو اسے یہاں نہ طور ہو تو اسے تاخت تاراج میں کون کوشش کرے۔  
 اکر عاشق کد اچول روح بخش یار      میدانست وظیفہ تقاضہ چه حاجت  
 اکر فقیر عاشق جب یار کالب جان بخش      تیرا ذکر کرتا ہو تو تقاضہ کی کیا ضرورت ہو  
 یعنی اکر فقیر عاشق جب یار کالب جان بخش جس سے لطف و کرم مقصود ہے تجکو جاننا اور تیرا ذکر کرنا رہتا ہے تو تیری  
 تقاضہ طلب کی کیا ضرورت اور یہ یہ بقرار ہی تجھے کیا نفع دیگی۔  
 حافظ تو ختم کن کہ ہنر خود عیان شود      بامدعی نزاع و محابا چه حاجت  
 حافظ قصہ ختم کر کہ ہنر خود بخود عیان ہو جاتا ہے      دشمن سے جھگڑا اور لڑائی کی کیا حاجت  
 معنی ظاہر کہ حافظ منکر و ہنر کا قصہ کہ کئی ضرورت نہیں ہنر خود بخود عیان ہو جاتا ہے تیرا ہنر ہی تیری شہرت کی واسطی کافی ہے۔  
 خوشتر عیش و صحبت باغ و بہار صحبت      سانی کیاست کو سب انتظار چیست  
 صحبت باغ و بہار کہ عیش سے زیادہ کیا چیز ہے      سانی کہاں ہو تباؤ کہ انتظار کی وجہ کیا ہے  
 باغ کا کادیل کیون ہے بہار عیش جس سے شہادت ہا دین سانی و مرشد کمال با وعدہ ہائی با عیش مقصود ہے مطلب یہ کہ  
 صحبت باغ جس سے مراد ذیل اور مافائی بہار جس سے شہادت مقصود ہیں ان سے زیادہ کون عیش ہے کہ میں جسکو درپہون او جو نہ کہ عیش  
 شرب ہی پر مغرور اور شرابی ہی بلا سانی کی مدد کو ممکن نہیں اسلئے سانی کہاں ہو اور تباؤ کو کم انتظار کی وجہ کیا ہے۔

یعنی ایسی مخلوق و کرم کے لئے ہر شہر میں بلکہ تمام عالم میں شہور ہو کر افسوس کہ غریب عاشقوں کے کام میں عجیب تاخیر کرتا ہے اور کس طرح اور کس طرف متوجہ نہیں ہوتا تاہم تاخیر تری ذات والا صفات سے عجیب معلوم ہوتی ہے۔  
**میں یکدم شیر مہر تو از لب بچون شکرش** **گرچہ در عشوہ گری ہرگز در عشق نیست**  
 لب شکرستان سے ابھی رودہ ہی ٹپکتا ہے اگرچہ عشوہ گری میں اسکی ہر ایک قاتل ہے۔  
 قاتل اسم قاتل اور قتال صیغہ فاعل التفصیل ہے یعنی بڑا قتل کرنا والا۔ ظاہری مطلب صاف ہی باطنی اعتبار شیر لطف رحمت و عشوہ گری کمال استغنا کے غم استعمال ہو رہی ہیں۔ مطلب یہ کہ شیر لطف و رحمت اور شکر بے شکریہ سے ٹپکتا ہے یعنی ظاہر ہوتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَكُنْ و فَضْلٌ عَلٰی النَّاسِ۔ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ و اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ و سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ عَلٰی غَضَبِيْ اگرچہ کمال استغنا سے اسکی ہرگز جس سے صفت مراد ہو سکتی ہے قتال ہے یعنی اسکا ہر شاہد سالک کی فنا پر دلالت کرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ و اللّٰهُ شَدِيْدُ الْعَذَابِ و اللّٰهُ مُنْفِيْعٌ عَنِ الْعَالَمِيْنَ و اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ یہ سب اسکی کمال لطف و مہربانی ہے۔

**بعد از نیم بود شائبہ در جو ہر فرد** **کہ در آن تو درین نہکتہ خوش استدلالت**  
**بعد ازین بجے جو ہر فرد میں شک نہیں رہا** **کہ تیرا دہن اس تار پکی کی ابھی دلیل ہے**  
 جو ہر فرد اس جز سے عبارت ہے کہ جسکو شکلیں جز لا تجزئی کہتے ہیں۔ جز لا تجزئی کے معنی یہ ہیں کہ وہ ٹکڑا جسکے اور ٹکڑے نہ ہو سکیں مثلاً سر کہ بہت باریک ہو کر جب آنکھوں میں لگا نیکی قابل ہو جائے تو کہا جائیگا کہ اسکے اجزا لا تجزئی ہو گئے یعنی اسکی ریز راتنی باریک ہو گئی اب پسو کی قابل نہیں رہی۔ پس فلا سفرون بہا ایک فرق اس بات پر ہے کہ اب سر سے اجزا کے اور جز نہیں بن سکتے۔ دوسرا کہتا ہے کہ اسکے اور جز نہیں بن سکتے ہیں لیکن واصل ہماری آئے اونکو اس سے زیادہ باریک نہیں بنا سکتے۔ ان آلون کا کام تو اسقدر باریک کر دینا تھا اب وہ اوڑا کیا کہتے ہیں کہ جو ان باریک ریزوں کے زیادہ باریک ریز بنائیں گے یہ ایک ایسی بحث ہے جو کبھی ختم ہی ہوگی۔ حقیقتاً اول الذکر قیاس کہ تقسیم جز لا تجزئی محال ہی صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اکثر علماء اس طرف ہیں۔ چونکہ شعرا دہن کو باریک نقطہ سے تشبیہ دیا کرتے ہیں لہذا خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اب جو ہر فرد کے غیر تقسیم ہونے میں شک نہیں رہا اسلئے کہ تیرا دہن اس باریکی کی ثبوت کی پوری دلیل ہے اگر وہ دکھائی دیکھتا تو جو ہر فرد میں تقسیم ہونی ممکن تھی پس یہ شعر کو یا عاشق کی تنگی دہن کے



علیہ وسلم نے کہ بیشک اللہ تعالیٰ میری امت کی خطا و قصور سے درگزر کرتا ہے۔ پس اگر عاشق کی خطا و قصور کا معشوق کے نزدیک اعتبار نہیں ہے تو بتلاؤ کہ عفو رحمت اور آمرز گاری کے کیا معنی ہیں۔

زائد شراب کو شر و حافظ سیال خواست تا در میانہ خواستہ کردگار حسیت  
زائد شراب کو شر و حافظ سیال کو چاہتا ہے لیکن دیکھے کہ کردگار کی مرضی کیا چاہتی ہے

پیالہ سے مراد پیالہ شراب عشق و محبت ہے اور مطلب یہ کہ زائد زہد و تقویٰ اور صلاح کاری کو پسند کرتا ہے اور حافظ عشق و محبت کا دلدادہ ہے و ذوق یہ کام وصال الہی کے واسطے کر رہی ہیں مگر دیکھئے کہ اوسکی کیا مرضی ہے

اور وہ کہ کو پسند کرتا ہے یعنی نہیں معلوم کہ وصال محبوب حقیقی زائد کو ہو گا یا حافظ کو۔  
ماہم این ہفتہ شہر از شہر چشم سیالست حال سحران توجہ دانی کہ چہ شکل حیات

میرا معشوق شہر سے اس ہفتہ گیا ہے جو ایک بڑی شہر ہے۔ تو سحران کو حال کو کیا جانے کہ کیا شکل حال ہے  
شہر عربی میں مہینہ کو کہتے ہیں اس اعتبار سے شہر ہذا میں ماہ اور شہر اور سال و ہفتہ کی رعایتیں قابل غور ہیں

یہ غزل حالت ہجر محبوب میں لکھی گئی ہے اور مطلب صرف یہ ہے کہ میری معشوق کو اس شہر سے گئی ہو و ایک ہفتہ ہوا کہ  
مگر میری آنکھوں کو یہ ہفتہ ایک سال کی برابر گزر ا وصل کے سینے گھڑیوں کی طرح گزر جاتے ہیں اور ہجر کی گھڑیاں

عاشق کے ٹوسال معلوم ہوتی ہیں۔ پس یہ مخاطب تجھ کو اس شکل حال یعنی ہجر کے حال کی کیا خبر ہے کہ یہ حال  
کیسا مشکل ہوتا ہے۔

مردم دیدہ و لطف رخ او و در رخ او عکس خود دید گمان کرد کہ مشکین تھا  
انکھوں کی پتلی نے اوسکے رخ کے لطف سے آدھیں عکس اپنا دیکھا اور گمان کر لیا کہ یہ سیاہ تل ہے

یعنی آنکھوں کی پتلی نے رخ معشوق میں جو کہ صدائی اور لطافت رکھتا تھا اپنی عکس کا سایہ دیکھ لیا اور اس  
اپنے عکس کو غلطی سے رخ محبوب پر تل قرار دیا۔ حالانکہ یہ غلطی تھی رخ محبوب پر وہ تل نہیں تھا بلکہ خود سیاہ

پتلی کا سایہ تھا۔ اسکو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ عارف کامل نے تجلیات میں جو کہ صاف اور لطیف تھیں  
اپنا ہی عکس دیکھ کر اوسکو ذات حق سمجھ لیا دراصل وہ ذات حق نہ تھی بلکہ خود اوسیکا عکس تھا۔

اس صورت میں مردم دیدہ سے عارف رخ سے تجلیات مشکین خال سے ذات حق مراد لجا رہی تھی۔  
ایک آنکشت نمائی بکرم در ہمہ شہر وہ کہ در کار غریبان عجب است

ایک محبوب تو کرم کی واسطے ہر شہر میں آنکشت نما ہو افسوس کہ غریبوں کی کام میں عجیب تاخیر کرتا ہے



ناکشودہ گل نقاب ہنس کی حلیت سیار کردہ نالہ کن بیل کلم گلابی نالہ دل افکار ان ترا

گل نقاب ناکشودہ نے ارادہ رحلت کا کیا ای بیل نالہ کر کے دل افکار و نکی فریادچی ہوتی ہے  
گل ناکشودہ نقاب - وہ پہول کہ ہنوز کہلا نہ ہو - گل مرشد بیلن معنی مستتر شدہ مطلب یہ کہ ہنوز اوس محبوب سے  
نقاب ہی نہ کہوئی تھی یعنی کما حقہ اپنا جلوہ ہی نہ دکھلایا کہ رحلت کا ارادہ کر دیا ای عاشق بیکس رو  
کیونکہ دل افکاروں کی فریاد سنی جاتی ہے اور ضرور قبول ہوتی ہے شاید کہ اوسکی جانبین توقف ہو  
الکاء و غصہ حاصل امداد ات رونما ہی حصول مرادات کا ذریعہ ہے - کہتے ہیں کہ حافظ صاحب نے یہ شعر  
اپنے پیر کے سخت مرض کی حالت میں تصنیف فرمایا تھا -

مرغ شجوان را بشارت باد کا ندر را عشق دوست را بانالہ شہبائی بیدار ان خوش  
رات کو پڑھنے والی پرند کو خوشخبری ہو کہ راہ عشق میں دوست شب بیدار نہ کرے دل سے خوش ہوتا ہے  
مرغ شجوان سے عاشق شب بیدار - اور دوست کی محبوب حقیقی مراد ہی یعنی عاشقان شب بیدار کو خوشخبری  
ہونی چاہئے کہ دوست حقیقی رات کو اوسکی خوف سے روئے والوں اور شب بیداروں سے خوش ہوتا ہے -

گرچہ در بازار دہر خوشدلی خزانہ نیست بشیوہ رندی و خوش باشی عیاران خوشتر  
اگرچہ بازار دنیا میں نام کے سوا خوشدلی کوئی چیز نہیں عیاران کا شیوہ رندی اور خوش باشی اچھا ہے  
مطلب یہ کہ اگرچہ دنیا میں خوشدلی کا نام نہیں پایا جاسکتا یعنی خوشدلی عین صفت ہو رہی ہے لیکن  
عیاروں کا شمار جو کہ رندی اور خوش گذرانے کی ہر ہی اچھا ہے -

از زبان سوسن این آوازہ ام آمد گوش کا ندرین دہر کہن کار بسکسار ان خوش  
سوسن کی زبان سے میری کان میں یہ آواز آئی کہ اس دہر کہن میں بسکسار کا کام اچھا ہوتا ہے  
سوسن کا پہول بہت نازک اور مختصر ہوتا ہے مگر یہاں سوسن سے مراد عارف کامل ہے یعنی عارف کامل  
کی زبان سے میں نے یہ بات سنی کہ اس دنیا سے کہن میں بے تعلق رہنا چاہیے میں جو تمام جہاں سے  
بکھیروں سے پاک صاف ہلکے ہلکے سا رہتا ہوں -

حافظ ترک جہاں گفتن طلاق خوشدلی تانہ بنداری کہ احوال جہاں نازان خوش  
اور حافظ جہاں کو چھوڑنا خوشدلی کا طلاق ہے کہیں تو یہ نہ سمجھ لیں کہ جہاں و نالہ کا حال اچھا ہے  
مطلب یہ کہ توضیح طلب نہیں اس شعر سے ترک دنیا کی ہدایت مقصود ہے -

وصف میں ہو اور اسکو جو ہر فرد کی بحث میں صرف اسی شخص سے لائی ہیں۔  
 مژدہ دادند کہ بر گزری خواہی کرد نیست خیر مگردان کہ مبارک فالیست  
 لوگ مژدہ دیتی ہیں کہ تو ہمارے پاس ہو کر گزریگا نیک فیتی کو مست بدل کہ یہ فال مبارک ہو  
 یعنی لوگ میرے پاس مژدہ لائے ہیں کہ تو آئیگا پس اللہ تعالیٰ اس توفیق کو تیرا رفیق بنائے کہ تو ہم  
 غریبوں کے پاس ہو کر گزرے مگر تو اس اپنے ٹھیک ارادہ کو لوٹ نہ دیجو کیونکہ یہ فال مبارک ہو  
 کہیں ایسا نہ ہو کہ تو اپنی ارادہ کو پلٹ دے۔

کوہ اندوہ فراق تہ بچہ جلیت بکشد حافظ خستہ کہ از نالہ تشنچ چون لبست  
 اندوہ فراق کا پہاڑ حافظ خستہ کنسہا نہ ہو اوتھا کہ نالہ کے سبب اسکا جسم مثل نال کے ہو  
 نال مشہور لفظ ہے یعنی وہ چیز جو اندر سے خالی ہو اور مطلب صاف ہو کہ حافظ تیرے فراق کے صید ہو  
 کہ کل ہو گیا ہو اور آئندہ وہ ان غمون اور رنجوں کے پہاڑ کو کس جسم سے اٹھائی جبکہ او میں بالکل طاقت  
 نہیں رہی۔ نال اس ہار یک رگ کو بھی کہتے ہیں کہ جو قلم کے اندر سے نکلتی ہے۔

صحن بستان و قنچش و صحبت یاران خوش است وقت گل خوش باد کز وی وقت میخواران خوش  
 صحن باغ ذوق بخش ہو اور صحبت یاروں کی اپنی ہو گل کا وقت خوش ہو جو کہ اس کے میخواروں کا وقت خوش ہو  
 ظاہری مطلب یہ ہے کہ صحن باغ بسبب گل تر ذوق بخش ہو رہا ہے جس سے یاروں کی صحبت اچھی معلوم ہوتی ہے پس گل کا  
 وقت خوش ہو جو کہ جسکے ذریعہ سے یہ سبب حاصل ہوا۔ مگر حقیقی کے اعتبار سے صحن بستان یعنی تجلیات اور یارا  
 بمعنی حضور جدا یا ہر گل سے مرشد اور میخواروں سے عاشقان صادق مراد ہیں۔ یعنی مرشد کے دم سے  
 یاران طریقت کی صحبت اچھی معلوم ہوئی اور سکا وقت خوش ہو جو کہ جسے عاشقان حقیقی کا وقت پرتوفیض  
 نامتناہی سے خوش کیا۔

از صبا ہر دم مشام جان ہنوش میشود آری آری طیفاس ہوا داران خوش است  
 ہمارا صبح ہر دم خوش ہوتا ہے ہاں ہاں ہوا داروں کی طیفاس کی خوشبو اچھی ہے  
 صبا سے مرشد طیب کی خوشی ہوا داروں سے عاشقان الہی مراد ہیں۔ یعنی زمین بسبب حصول صحبت مرشد  
 اور نباتات حقائق کو سنو کہ ہر وقت خوشی و خرمی ہوتی رہتی ہے کیونکہ عاشقان صادق کی طیفاس کی خوشی  
 اور فرحت سے مملو ہیں ہمارے مشام جان کے لئے ہر دم فرحت بخش ہیں۔

یعنی جب معشوق محفل سے اڑوٹھ گیا تو دوستوں کے دل کی شمع اس کی جدائی سے گل ہو گئی اور جب بیٹھا تو دیکھنے والوں کے فغان زیادہ ہوئے مطلب یہ کہ جب معشوق نے جانکا ارادہ کیا تو عاشق بخود ہو گئے یا مر گئے اور جب محفل میں جیٹہ گیا تو غایت خوشی سے عاشقوں میں بقراری اور شور و فغا بلند ہونے لگا۔ غرض کہ اس کا جانا ہی مصیبت اور رہنا ہی آفت عاشقوں کو کسی ڈمب چمن نہیں آتا

شعر دو گونہ رنج و عذاب مست جان مجنون را بے بلای صحبت لیلی و فرقت لیلی است  
گر غالیہ خوشبو شد در گیسوی او آوخت درو سہ کمان کش شد با بروئی او پیو  
اگر غالیہ خوشبو ہو تو اس کے گیسو میں لپٹا اور جو دسمہ کمان کش ہو اس کے بروئی ملے

مطلب یہ کہ اگر غالیہ اسلام خوشبو ہو کر طالبوں کے دماغ کو معطر بناتا ہے تو یہ اس کے گیسو ہی جس مراد نشت ہو دنیا سے متعلق ہے۔ اور دسمہ جو کہ نیلا رنگ ہونے کے باعث متعلق بسیا ہی کفر سے وہ ابرو سے محبوب سے نسبت رکھتا ہے لہذا ہر دو صفتیں اسی کی طرف منسوب ہو کر منظر جمال جلال سمجھنے چاہئیں

باز آئی کہ باز آید عمر شدہ حافظ ہر چند کہ نابد باز تیری کہ شد از دست  
تو لوٹ آ کہ حافظ کی عمر بھی پہر آوے ہر چند کہ شست ہو اتیر پہر نہیں لوٹتا

فارسی مثل ہے کہ تیرا زمان جستہ و وقت از دست رفتہ باز نمی آید۔ لہذا حافظ صاحب کہتے ہیں کہ اسی معشوق تو پہر آتا کہ حافظ کی عمر رفتہ ہی لوٹ آئی باوجودیکہ کمان سے نکلا ہو اتیر اور ماتہ سے گیا ہو وقت پہر نہیں لوٹتا لیکن چونکہ معشوق کو جان کہتے ہیں اس اعتبار سے اگر معشوق لوٹا تو جان آئی اور جان آئی تو عمر دوبارہ پہر آئی۔

گل در بروئی برکت معشوقہ کام است سلطان جہانم بچین روز غلام است  
گل نعل میں شراب ماتہ پر معشوقہ کام میں ہے جہان کا بادشاہ اس روز میرا غلام ہے

گل در بر سے کنایہ حصول مشاہدات تجلیات می برکت کا اشارہ عشق و محبت حاصل کر لینا معشوقہ سے مراد مرشد یا محبوب حقیقی۔ باقی مطلب صاف ہے کہ جب میرا تہہ استقدر بلند ہو کہ یہ تینوں باتیں مجھ پر حاصل ہیں تو اگر بادشاہ کو میرا غلام کہا جائے تو کچھ بچا نہیں۔ شاہ و غلام کی رعایت ظاہر ہے۔

گو شمع میاں دیدورین بزم کہ مشتبہ در مجلس ماہ رخ دوست تمام است  
کہو کہ آج کی رات اس بزم میں شمع نہ لادو ہماری مجلس میں یا رکا چاند سا چہرہ کافی ہے

در پیرمغان آمد یارم قدحی در دست  
مست از می و میخواران از زکس مست  
دیرمغان بن میرا یار پیالہ ہائین لئی ہوئی آیا  
شراب کی مست اور میخوار لوگ اور کی چشم مست ہوئی  
از فعل سمندا و شکل مہ نو پیدا  
وز قد بلند او بالائی صنوبر سیست  
اوسکے اسپ کے فعل سے ماہ نو کی شکل بنی  
اور اوسکے بلند قد سے صنوبر کی فنی سیست ہوئی

ظاہری طور پر پہلے شعر میں تصورات اور دوسری میں معشوق کی توصیف بیان کی گئی ہے مگر باطنی اعتبار  
ویرمغان بجلی اسم الواسع سے عبارت ہے کہ فنا کی صورت رکھتا ہے۔ یار کی مراد محبوب حقیقی قبح در دست  
اوس طرف کو اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ خود عشق کی شراب عاشقان صادق کو پلاتا ہے اسلئے بعض  
مقام پر لفظ ساقی سے بھی تعبیر کیا ہو می یعنی کبریا کی نگر سی بطور استغناء کے ذات واحد مقصود ہے  
اور مطلب یہ کہ ای محبوب عاشق لوگ اوسکے دیکھنے کے خیال میں والہ و شعیہ ہیں در حالیکہ ہم پر حالت  
محبت اور فانی طاری ہے۔ وہ ایسا محبوب کہ ہلال باد ہو داس حسن و جمال کے اوسکی گھڑنے کے  
نعل کی طرح ہے اگر مراد صنوبر سے معشوقان ظاہری مراد لئے جاوے تو یہ مطلب ہوگا کہ معشوقان صوری  
و مجازی اوسکو مقابلہ میں اوس نعل کے نقش کی مانند ہیں جو سوار کے گھڑی کے سم سے بنا ہو۔

آخر یہ ہے کہ ہم مست از خود خبرم چونست  
و زہر حرم کو ہم نیست با او انظارم چونست  
آخر کس لہو کیوں کہ یہ جب بھی خود خبر کی کہ نہیں ہے  
اور کس واسطے کہوں کہ نہیں ہے و زہر حرم کی نظر اوس پر  
پہلے مصرع میں مست اور نیست کا اشارہ اپنے وجود کی طرف ہے یعنی کس واسطے کہوں کہ نہیں ہے و زہر حرم کو جاننا ہوں  
یا مجھے میری خبر ہے اور دوسری مصرع کا یہ مطلب ہے کہ میری نظر معشوق حقیقی پر پڑ رہی ہے ہر من کسلے  
کہہ دوں کہ نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس شعر میں بندہ کی فنا اور خدا کی بقا کا ذکر کیا گیا ہے۔

چون شمع و جود من شب تابہم خود را  
میسوخت چہ پروانہ مار و زریا نہشت  
بہر وجود نے اپنے کو شمع کی طرح شب کے سحر تک  
پروانہ کی مانند چلایا اور زان تک نہی گل نہوا  
یعنی ہر اہم خود کہ جو عاشقان کی محفل از نور شمع کی مانند ہو محبت و فنا کی شب ہو سکر بقا کی سحر تک پروانہ وار رہا

چلتا رہا اور کبھی نہ نہوا۔ شمع اور شستن اور پروانہ کو سوختن کے الفاظ سے تشبیہ دی ہے۔  
شمع و جود من شب تابہم خود را  
افغان نظر بازان برخاست چو او بہشت  
شمع و جود من شب تابہم خود را  
نظر باز فریاد کرنے لگے جب وہ بیٹھا

لطف الہی جس سے عشق مراد ہے یعنی ای محبوب نہاد و رعب کی فضیلت میری سامنی بیان نکر اسلئے کہ مجھے تیری عشق سے مطلب ہو ظاہری زہد و اتقا سے کچھ سروکار نہیں۔

تالنج عمت و زدل ویرانہ مقیم است پیوستہ مرا گنج خرابات مقام است  
جب سے کثیر انغم میری ویرانہ دلبین مقیم ہے میرا مقام گنج خرابات ہو گیا ہے  
گنج غم سے مراد عشق حقیقی اور گنج خرابات سے محو و فنا مراد ہے باقی مطلب صاف ہے کہ جس روز سے تیرے غم عشق نے میری ویرانہ دل میں قیام فرمایا ہے اوس روز سے میں اپنا مقام گنج خرابات رکھتا ہوں۔ یعنی مقام محو و فنا فی اللہ میں ہوں۔

از ننگ چہ گوی کہ مرانام ز ننگ است و ز نام چہ پرسی کہ مراننگ نام است  
ننگ کی بابت کچھ یہ کہ مرانام ننگ ہی ہو کر اور نام کی نسبت کچھ نہ بچے کہ مجھ کو نام سے ننگ کا  
ای مخاطب میری سامنی ننگ کا ذکر کر کہ یہ شہرت مجھ ننگ ہی سے حاصل ہوئی ہو اور مجھ سے مراد  
نام ہی نہ پوچھ اسلئے کہ مجھے اپنا نام بتانے سے شرم آتی ہو۔ خلاصہ یہ کہ عاشقان میں کوئی ہر نام ننگ و نام سے کچھ غرض نہیں۔

میخوارہ و سرگشته ورنیکم نظرباز و انکس کہ چو مانیت درین شہر کہ نام است  
ہم میخوار و سرگشتہ حال اور نظرباز ورنیکم نظرباز  
یعنی ہم مشک می نوش اور سرگشتہ حال اور نظرباز ہیں کہ بتلاؤ کہ اس شہر میں کوئی سا شخص ہو کہ جو ہمارے  
باختیم عیب گوئید کہ او نیز پیوستہ چو باد طلب عشق مرا نام است  
میر و محنت کو عیب نہ لگاؤ کہ وہ خود ہی ہماری طرح جو شہر عشق کی طلب میں ہو۔

محتب سے مراد جو کہ گناہ کا مانع ہوتا ہے مراد ہے عیش و نام نہاد شہر کی شرابخواری  
جسکا کنایہ عشق و محبت کی طرف ہو گا یعنی جب اور سرگشتہ کو شہر مراد ہمارے نام سے عشق بندہ کی  
مراد ہے عیب نہ لگاؤ اس واسطے کہ وہ جب خود عاشق ہو تو مجھے عشق و محبت کی بارین منع نہیں کرے گا۔

حافظ نقشبین بی می و معشوق زبانی کا یام گل یا سمن و عید عیام است  
ای حافظ بغیر شراب و معشوق کے کوئی دم نہ کہ یہ موسم یا سمن کے پھول اور رمضان کی عید ہے  
گل یا سمن سے مراد شہادت و توحید ہے جو شہر عشق و محبت ہے اور حافظ اس شہر

یعنی دوستوں سے کہہ دو کہ آجکی رات اس مجلس میں شمع روشن نہ کریں کیونکہ رخصت ہو گئے  
مشاہدات کلیات مراد میں محفل کے روشن کر نیکو کافی و دانی ہے۔

در مذہب ما باده حلال است و لیکن بی روی تو ای سرو گل اندام حرام است

ہمارے دین میں شراب حلال ہے لیکن ای سرو گل اندام تیرے رنج بغیر حرام ہے  
اس موقع پر شراب عشق مجازی مراد ہے اور سرو گل اندام کا اشارہ محبوب حقیقی کی طرف سمجھنا چاہیے  
مطلب یہ کہ ای محبوب ہم عاشقوں کے مظاہرِ حسنیہ کا دیکھنا جائز ہے تاکہ او میں تیری اسما و صفات کا  
معائنہ کریں۔ شعر میں کہ در صورتِ خوبان ہمہ روی بینم نہ تو پندار کہ من روی نکومی بینم؛ لیکن  
اگر ان مظاہرِ حسنیہ بغیر تیری یعنی بغیر تیری معائنہ اسما و صفات کو محض اغراضِ نفسانی کے خیال سے دیکھا جائے تو  
محبوبان مجازی کا دیکھنا حرام قطعی ہے۔

گو شمع ہمہ بر قول نی و نغمہ جنگ است چشم ہمہ بر لعل لب و گردش جام است

میر کاں تمام بالسنلی اور جنگ کو نغمہ پرین میری آنکھیں تمام لعل لب اور گردش جام پر  
نئے و جنگ کے نغمہ کا کنایہ بوجہ اختلاف احوال کے مرشد کامل کی طرف ہی اور گردش جام  
و لب لعل کا اشارہ مشاہدات تجلیات کی جانب یعنی میر کاں مرشد کے تمام اقوال کی طرف  
خوبیانِ حقائق و معارف کے بارہ میں بین لگے ہوئے ہیں اور میری آنکھیں تمام تر مشاہدات  
تجلیاتِ محجب حقیقی کی جانب ہیں یعنی بین کا نون سے مرشد کی بابتیں سننا ہوں اور آنکھوں سے  
محبوب حقیقی کا جلوہ دیکھتا ہوں۔

در مجلس ما عطر میا مینرک جان را ہر لحظہ ز گیسوی تو خوشبوی مشام است

ہمارے مجلس میں عطرِ میا مینرک جان کو ہر لحظہ ترے گیسو سے خوشبو پہنچتی ہے  
یعنی ہم عاشق لوگ عطر کی پروا نہیں رکھتے اس واسطے کہ تیری گیسوی معنبر کی خوشبو ہمارے لیے کافی  
جو ہر وقت مشامِ جان میں پہنچتی ہے۔

از چاشنی قند گو پیچ وز سلسلر زان رو کہ مرا بال شیرین تو کام است

قند اور شکر کے مزہ کا کچھ ذکر نہ کرنا  
ظاہری مطلب صاف باطن میں قند و شکر کا کنایہ زہد و اتقا کی جانب سمجھنا چاہئے لب شیرین کی



پس جب تو عشق کر گیا تو جو کچھ اوسکی تفسیر ہے وہ تیری سبج میں آجا نیگی۔ مصحف کے واسطے  
کشاف کا لفظ آیا ہے جو مراد ہے ہی ہے۔

عدو کہ منطق محافظ طمع کند و رشعر  
ہماں حدیث ہماں طریق خطاف  
دشمن کہ زبان حافظ کی شعرین برابری کرے  
تو وہ ہی ہماں اور خطاف والی بات ہوگی  
ہماں کا سعد ہونا مشہور ہے کہ وہ جسکے سر پہر جاسے تو وہ بادشاہ ہو جاتا ہے بخلاف اسکے خطاف بضم فہ  
وہ تشدید طاء کا ایک پرند کا نام ہے جو سیاہ رنگ اور ہما کے برعکس مخوس خیالی کیا جاتا ہے لہذا  
مطلب شعر کا یہ ہے کہ دشمن جو حافظ کے کلام کی برابری کرے اوسکی وہ مثل ہوگی کہ جیسے خطاف نے  
ہما کی برابری کا دعویٰ کیا تھا۔

ما را از خیال تو چہ پروائی شراب است  
خم گو سر خود گیر کہ خمخاتہ خراب است  
تیرے خیال میں مجھے شراب کی کیا پرواہی  
خم لے کہو کہ اپنا کام دیکھ خمخاتہ خراب ہو گیا  
خیال بر فتح خا و س صورت کو کہتے ہیں کہ جو خواب میں نظر آئے مگر یہاں فضل سی عبارت ہے  
شراب بمعنی عشق و محبت خم کا کنایہ مرشد کی طرف خمخانہ سے وجود سالک تصور کرنا چاہئے لہذا  
مطلب شعر کا یہ ہے کہ ای محبوب مجھے تیرا دائمی وصال حاصل ہو جانے کے سبب عشق و محبت کی  
پروا نہ رہی مرشد سے کہو کہ اپنا کام دیکھو میرا وجود نیستی میں آکر تمہارا محتاج نہیں رہا اس واسطے کہ  
عشق کے لئے مرشد بمنزلہ دلالہ کے ہے جب طالب کو مطلوب مل گیا تو اب دلالہ کی کیا ضرورت گئی  
گر خم بہشت مست بریزد کہ بی دوست  
ہر شربت عذیم کہ دی عین عذاب است  
گر شراب بہشتی ہو تو ہی بڈو کہ بغیر دوست  
جو میٹھا شربت کہ بچے دو گر عین مصیبت ہے  
خرم بہشت کو زہد و ورع مراد ہے اور مطلب یہ کہ جو عشق مشاہدہ دوست کر لئے ہو اوس سے بچنا چاہئے اس واسطے کہ  
بغیر مشاہدہ معشوق کو ہر عشق موجب اوسکو وبال کا ہے کیونکہ عشق کا ماحصل مشاہدہ ہے نہ صرف عشق یا یہ کہ جو طاعت  
و عبادات و محبت و حصول رضا کی ہو وہ فی نقصان بیان ہے اور اوس سے کوئی فائدہ نہیں۔

افسوس کہ شد و لب و در دیدہ گریان  
تو ز خیال خطا و نقش بر آب است  
افسوس کہ دلبر گیا اور دیدہ گریان  
اوسکے خیال خطا کی تحریر نقش بر آب ہے  
یعنی افسوس ہے کہ دلبر میرا چلا گیا اور وہ جسے آنکھوں میں اوسکی تصویر کا خیال باندھنا ایسا ہی

عشق میں جبکہ مشاہدات تجلیات رونما ہیں تو تو ایک دم ہی بلا عشق و محبت یا بغیر صحبت مرشد کے نہ رہ اور اس وقت کو غنیمت جان کر جو کچھ کسب سعادت ہو سکے کر لے۔

اگر بلطف بخوانی مزید الطاف است و اگر بقہر برانی درون ماصاف است  
اگر تو مہربانی سے بلائی تو مزید الطاف ہے اور جو غصہ سے نکالے تب ہی اپنا دل بظاہر  
یعنی اگر تو عاشقوں کو مہربانی بلالے تو عنایت پر عنایت فہو المراد اور اگر غصہ سے نکال دے

تو ہی ہمارا دل تیری طرف سے صاف رہی گا یعنی اس پر تجھے ناخوش نہوں گے۔  
بیان وصف تو گفتنِ خدا مکان است چرا کہ وصف تو بیرونِ خدا و صاف  
تیری تعریف بیان کرنا خدا مکان میں نہیں کسکے کہ تیری تعریف تعریف کی حد سے باہر ہے

یعنی تیری تعریف و توصیف کسی بشر کے امکان میں نہیں اس واسطے کہ وہ تعریف کی حد سے گزری ہوگی  
پس جب اوس حد سے باہر ہے کہ جو انسان کر سکتا ہے تو ہر کس طرح کوئی تیرا وصف کر گیا۔ ۱۸ حصی  
ثُمَّ عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى ثَنَيْكَ عَ خَامُوشِي اِزْ شَمَائِ تَوْ حَشْنَائِي تَسْتَبْ

چوس و سرکشی ای یا رنگدل ازما چہ چشمہا است کہ بروی ما ز اطراف است  
مثل ہر کی ای سنگدل یا ہے سرکشی کرتا ہے کیا چشمہ میں کہ جو ہماری مونہ پر چاروں طرف سے آنکھوں  
حاصل اسکا استغناء معشوق میں عاشق کی آہ و زاری ہو اور اوسکا بیان اس طور پر کیا گیا ہے چشموں

آنسو مراد ہیں کہ جو آنکھوں سے نکل کے چہرہ پر ہر طرف بہنے لگتے ہیں۔

ز چشم عشق تو ان دیدہ روی بشاں ما کہ نور چہرہ خوابان ز قاف تا قاف است  
معشوق کے چہرہ کو عشق کی آنکھ سے دیکھنا چاہئے۔ کیونکہ معشوق کے چہرہ کا نور قاف سے قاف تک  
قاف سے کوہ قاف مراد ہے اور مطلب یہ کہ معشوق جتنی کو اگر معرفت کی آنکھوں سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا

کہ اذیکے چہرہ کا نور یعنی جلوہ و ثیاب کے اس سرے سے لیکر اوس سرے تک پہنچا ہوا ہے۔  
و مصحف رخ دلدار آتی بر خوان کہ آن بیان مقامات کشف کشف است  
رخ دلدار کے مصحف سے آیت پڑھ کہ وہ بیان مقامات کشف و کشف کا ہے

کشف ایک شہور پیرانی تفسیر ہے۔ کشف اذیکے حاشیہ کا نام ہے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ ای ظاہر پرست  
مخاطب بخ معشوق سے (چونکہ شعرا رخ کو مصحف سے تشبیہ دیتی ہیں) کوئی آیت پڑھ یعنی عشق الہی کر

در گنج دماغ مطلب جای نصیحت کاین حجرہ پراز زمرہ جنگ بابت  
میر و گوشہ دماغ کین نصیحت کی جگہ نہ پوٹد کہ یہ کوٹھری جنگ رباب کی آواز سی پڑے  
قاعدہ کلیہ یہ کہ جب برتن کو کسی چیز سے ہر دھڑکی میں تو اوسمین دوسری شے کی گنجائش نہیں رہتی لہذا  
حافظ صاحب فرماتی ہیں کہ میر و دماغ میں ناصح کی نصیحت کر لے جگہ نہیں ہو اس واسطے کہ اوسمین جنگ  
در باب کے نغمے بہری ہوئی ہیں۔ زمرہ کے معنی باتوں کے ہیں اور اس موقع پر جنگ در باب سے  
عاشقان کامل مراد ہیں تو اس صورت میں یہ مطلب یہ کہ ای نصیحت گو میر و دماغ میں تیری نصیحت کی لے جگہ نہیں  
اس واسطے کہ اوسمین عاشقان کامل کی باتیں اور معرفت حق کی صدا میں بہری ہوئی ہیں۔

راہ توجہ راہ است کہ از غایت تعظیم در یابی محیط فلک کشی سچو حساب است  
تیری راہ کیسی راہ ہے کہ غایت تعظیم سے فلک کا دریای محیط اوسمین حساب کی مانند ہے  
یعنی ای محبوب حقیقی تیری راہ کتنی عالی ہے کہ فلک ہی باوجود اس بلندی اور شان کو کہ در یابین حساب کی طرح معلوم ہوتا ہے  
بی روی دل آرائی تو ای سمع دل افروز دل رقص کنان بر سر آتش چو کباب است  
ای دل افروز شمع بغیر تیرے چہرہ دل آرا کے دل میرا آگ پر کباب کی طرح ناچتا ہے

کباب کیسے کی غرض ہو آگ پر پتھر نہ ہوں لہذا حافظ فرماتی ہیں کہ ای محبوب تیری جہن میں میرا دل آگ پر کباب کی مانند ہے  
حافظ چہ شد از عاشق و رندست فلظ باز بس طور عجب لازم ایام شباب است  
حافظ عاشق اور رند نظر باز ہی تو کیا ہے بہت سی عجب طرز مانہ جوانی میں لازم ہوتی ہیں

یعنی اگر حافظ عاشق اور رند نظر باز ہی تو کوئی تعجب کی بات نہیں اس واسطے کہ جوانی میں لوگ اس سے زیادہ اور عجیب باتیں  
کیا کرتے ہیں خلاصہ یہ کہ عالم جوانی میں یہ عیوب و مافطین میں کچھ زیادہ نہ سمجھنے چاہئیں لوگ اس سے بڑھ کر عیب کی چیز  
کنون کہ در کف گل جام بادہ صاف است بصد ہزار زبان بلباش در اوصاف

اب کہ گل کے ہاتھ میں شراب صاف کا جام ہے سو ہزار زبان سے بلباش اور سلی تعریف کرتا ہے  
گل سے مراد ساک جام شراب سے تھی متعارف بل سے طالبانِ حُرقت مقصود ہیں مطلب یہ کہ اوس مانہ میں جبکہ

ساک کی جسم میں حیات بانی و طالبِ لوگ ہر طرف سے خوشامد کرتے ہیں۔ بلباش سے مراد کہ لفظ کو ہی مناسب ہے  
نخواہ دفتر اشعار و درویش صحران کن چہ وقت مدرسہ و بحث شش شاف

دفتر اشعار کالے اور صحران کی طرف رخ کر مدرسہ کا اور کشف و کشف کی بحث کا کیا وقت ہے

جیسا کہ یانی پر نگہ کر چننا خلاصہ یہ کہ نقشِ آبِ سیرج الزوال پتہ ہی پس رخ محبوب کی تصویر دیدہ گرا نہیں نقشِ آبِ سیرج  
بیدار شوای دیدہ کہ امینِ توان بود زین بدل و دام کہ درین منزل خواب  
اگر آنکہ کھل جا کہ بفکر مونا نہیں چاہئے اس نسل و مبدم سی جوان آنکہ یوں میں ہے  
سیرج نام یعنی اشکباری و حوالاتِ منزل خواب سی آنکہیں مراد میں۔ اور مطلب یہ کہ اگر چشمِ مینا جاگتا اور پھلکری سے  
خبر نہ تیر غافل ہو یہ نسلِ اشکباری کہ جو تری آنکہ سی ہر وقت جاری ہے مبادا تیر نقش (وجود) زائل کر دی۔  
معشوقہ عیان میگزد و بر تو و لیکن اختیار ہی بیند از ان بستہ نقابست  
معشوق تری طرف بیان طور پر ہو کر گزری لیکن اختیار ہی دیکھ سکتا ہے اسلئے نقاب الی ہو کر  
یعنی اگر محاسبِ عادت محبوب حقیقی تری سامنے صاف طور پر آ سکتا ہے لیکن اگر وہ اس طرح کہانہ دون تری پاس آ کر  
شاید اختیار ہی دیکھ لیں وہ بھی بستہ نقاب یعنی ہونہ دکھ کر نکلتا ہے تاکہ سوای عارفِ نامی اختیار نہ دیکھ سکیں۔  
گلِ رخ رنگیں تو تا لطفِ عرقِ دید در آتشِ شکِ غم دل غرقِ گلابست  
جسے کہ گل نے تیر رخ رنگیں پر پسینہ کا لطف دیکھا اس شک میں دل کی غم سے گلاب بن ڈوب گیا  
کل سی مراد مالکِ عرقِ بر رخ رنگیں ذاتِ جہاں کمال دوسری مصرع کا مطلب شک کا پتہ دیتا ہے کہ جب مالک ذاتِ جمال  
بالکمال کو ملاحظہ کیا تو گویا اس شک سی ڈوب گیا جس طرح کہ گل گلاب میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔  
مردِ بزمِ دل از روی تو صبحِ برافروخت وینِ طرفہ کہ خود روی تو بر بستہ نقابست  
تیر رخ سی بزمِ دل میں صبحِ شمعیں روشن کر لیں اور طرفہ یہ کہ تیرا چہرہ خود نقاب میں پوشیدہ ہے  
مطلب یہ کہ عالمِ انین تیر فطرت کا سوا میں نہ مشاہدہ کر لیا اور لطفِ کتبِ تاریخ خود نقاب میں پوشیدہ رہتا ہے۔  
نہنست در و دشت بیاتانگزاریم دست از سر آبی کہ جہاں جملہ سرابست  
جنگلِ اویان بہترین آما کہ بچانے دین ہاتھ سر آب سے کہ تمام جہاں سراب ہے  
بعضی نگزاریم کو بگزاریم چاہی مگر ہم نگزاریم کے اعتبار پر مطلب کو مختصر بیان کیجئے تیر میں بہنست در و دشت  
مطلب یہ کہ تیر میں جیسا کہ تمنا یہ یا تو ظہور دین محمدی کی طرف ہی یا عشق و محبت کی جانب پس مطلب یہ ہے کہ  
تو غافل آما کہ ہم سر آب (مرد) سے تیرا وہاں دین یعنی اوستو جانی نہ دین بلکہ حاصل کر نہیں  
کو جہاں تیرا سوا ہے کہ وہی مٹن کان فی ہذا اخی فہو فی الا حیاۃ اخی جو کہ آج اندھا ہے وہ کل بھی  
اندھا کا غار ہی میں یہ مثل یوں ہی آن کسی کہ امروز کا خود شناخت فروا چہ خواہد یافت۔

یعنی خلق سے عفا کی طرح شہزاد اور جبار کہ وہ باوجودیکہ خلق کی نظر و نسی پوشیدہ اور پھاڑ نہیں جہاں تیار تیار ہم  
اوسکی شہرت تمام جہان میں ہو عفا کی رعایت سے گوشہ نشینی اور قاف کی الفاظ آخر میں کیشہور و کیشاکوہ قاف میں  
رہا کرتا ہے اور کبھی باہر نہیں آتا بعض متقدمین نے سیرغ اور عفا کو ایک ہی جانور تصور کیا ہے۔

حدیث مدعیان و خیال ہم کاران ہماں حکایت زردوز و بوریاباف

مدعیوں کا قول اور ہمنکاروں کا خیال وہی بوریاباف اور زردوز والی مثل ہے  
مدعیوں میں زیادہ لوگ اور ہمکاروں میں عاشقان مجاز مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ لاف زن نادور یہودہ خیال عاشقان  
کی خیالات عاشقان صادق اور عارفان کامل کے بارہ میں اویس طرح کے ہیں جیسے کہ بوریاباف زردوز کی برابری  
کر کے پستیا تھا۔ ظاہر ہے کہ بوریاباف کو زردوز کی کچھ مبالغہ نہ تھی۔ چونکہ زائد و مجازی عاشق عارفان  
الہی کو اپنی برابر سمجھتے ہیں لہذا یہ مقابلہ اویس طرح کا ہے کہ جسطرح چٹائی بٹی والے نے زردوز سے مقابلہ کیا تھا۔ زردوز  
مالک اور بوریاباف سے لاف گوئی ہی مراد ہو سکتے ہیں۔

خمش حافظ این نکتہ مای چون ز سرخ نگاہدار کہ قلاب شہر صراف مست

ای حافظ چپ اور یہ نکات جو اشرفی کی مثل ہیں نگاہ رکھ کہ قلاب شہر صراف ہے

یعنی ای حافظ چپ رہ یہ باریکیاں جسے سخنان حقائق و معارف کلمات عشق و محبت عبارت ہیں ز سرخ کی مانند

سمجھنے چاہئیں لہذا دیکھتا رہ کہیں ایسا نہ کہ قلاب جو کہ آجکل شہر کا صراف ہے انکو بدل لے۔

اگرچہ بادہ فرح بخش باد گلبن مست بہانگ چنگ مخور می کہ محبت تیز

اگرچہ شراب فرحت بخش ہے اور ہوا گل بنیز چنگ کی آواز پر شراب نپنی کہ محبت تیز

بادہ فرح بخش سے بادہ عشق و محبت باد گل بنیز سے مرشد مراد ہے بانگ چنگ بمعنی علانیہ طور پر کرنا یا ظاہر کرنا

مطلب یہ کہ اگر بادہ عشق تفریح بخش ہے اور دل و مسکا خواہش کنندہ ہی ہے اور مرشد ہی موجود ہے تاہم شراب عشق کو

علانیہ نپنی کہ محبت جس سے شرع مجرم مراد ہے ان سب پر غالب ہے پس اگر تو شراب عشق محبت مینا چاہتا ہے تو

محبت سے چپ کر۔

صراحی و خریفی گرت بدست افتد بعقل کوش کہ ایام فتنہ انگیز است

صراحی اور خریف اگر تیرے ہاتھ لگ جائے تو عقل سے کام لے کہ زمانہ فتنہ انگیز ہے

صراحی سے وجد و مستی اور خریف سے عشق و محبت مراد ہے یعنی اگر تجھ کو جد و مستی عارض ہو اور ادھیں وصال ہو جائے تو



زفر اشعار کو کنایہ پر معرفت کی کتابوں یا عارفوں کی احوال کے نسخوں کی طرف کشف تفسیر و شاف کی شرح کا نام ہے  
 مطلب یہ کہ اسی عارف تو معرفت کی کتاب کا کوئی نسخہ لے اور جنگل کو چلے کر چونکہ وہاں خلق سے دور ہو گا اس لیے  
 اوس سے شغل نہ ہو گا اب مدرسہ میں کشف و کشف کی بحث کا وقت نہیں ہے اس لیے کہ جنگل اعلیٰ حیر کا طالب ہو نا چاہیے  
 نہ کہ اسفل کا۔ اعلیٰ کو چھو کر ادنیٰ کا طالب ہونا پست ہمتی کی دلیل ہے یعنی عارف کامل بن عالم و زاہد نہ ہو۔

فقیر مدرسہ دینی مست بود و فتویٰ داد کہ می حرام ولی بہ زمال افتاف مست  
 فقیر کل مدرسہ میں مست ہو گیا اور یہ فتویٰ دیدیا کہ شراب کو حرام ہے لیکن مال وقف سے بہتر ہے

مست سے مست عشق مراد ہے جس کا کنایہ مرشد کامل کی طرف سمجھنا چاہیے یعنی مدرسہ عشاق و فقیر فی جہم شد ہی کل کے  
 دن جب شراب محبت سے مست ہو رہا تھا فتویٰ دیدیا یعنی حکم کیا کہ وقف کا مال شراب سے ہی بہتر ہے اس واسطے کہ  
 میخوایں شراب کو پیراجانا ہے تو اس کو گنجائش ہے کہ توبہ کر لے مگر وقف کا مال کہانی والا اس کو حلال سمجھتا ہے وہ  
 ہرگز توبہ نہیں کرے گا بلکہ اپنی آپ کو مشربوں پر فوقیت دے گا۔ عام کو نزدیک اس میں یہ اعراض کہ مست شخص کا فتویٰ  
 جائز نہیں ہوتا محض بے حقیقت ہے اس واسطے کہ ستونوں کی مستی کی فتویٰ کی ضرورت ہے نہ ہوشیار کی۔ اور بعض جگہ اس  
 دیوان میں ظاہری مضمون مراد ہی نہیں ہوتا اس دلیل سے بھی اس پر اعتراض نہیں ہو گا۔ اور ممکن ہے کہ وہ دینی محبت و معرفت  
 حسین ہو اور اللہ کریم کی محبت تیسرے مہر حرام ہے یعنی فقیر مدرسہ نے جس وقت عشق و محبت کی مستی کو پالیا اور اس کو  
 عشق و محبت کو مزہ سے آگاہی ہو گئی تو لاچار اور خودی فتویٰ دیدیا کہ اگرچہ محبت مجازی ہے ہوتا ہم مال وقف سے بہتر ہے  
 اچھی ہوگی اس واسطے کہ وہاں تفرقہ بیان و جمع و ان غویہ بیان مسکت اس میں خودی اس میں بخودی ہوتی ہے اس لیے

محبت مانع پرکری درہ فوقیت رکھتی ہے۔  
 نہ درد و صاف ترا حکم نیست دم دلش کہ ہر چہ ساقی مار خیت عین الطاف مست  
 تلخٹ او صاف ہے تجھ غرض نہیں خموش ہو کہ جو کچھ ہمارے ساقی نے اونڈیلا عین نوازش ہے  
 برد و صاف سے نیک بیاد است فریج مراد میں۔ ساقی کا کنایہ حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف ہے یعنی ای بندہ ناپسند تجھ کو اور  
 حکم پر کچھ اختیار نہیں نہ اس کے کام میں دم نہ نیکانہ بوقت ہوا اس طرح کہ اس وقت تیرے میں اچھا یا بر الگ ہوا اور پھر راضی  
 ہر ساقی چاہے کیونکہ بیکار استحقاق حق سبحانہ تعالیٰ کی عطائیں اس کی نوازش ہے۔ ہمارا حق کچھ ہی نہ تھا  
 ہر خلق و زعمنا قیاس کار بگم کہ صفت گوشہ نشینان ز قاف تا قاف  
 خلق سے علیحدہ ہوا اور عفا کے قیاس کا نام کہ گوشہ نشینوں کی شہرت قاف سے قاف تک ہوئی ہے



بیا که نوبت بغداد و وقت تبریز است

عراق و پارس گریختی شعر خود و حافظ  
 دیو حافظ تو ز ایندی سخن بر عراق و پارس پللیا  
 آگه اب بغداد کا نبر و تبریز کی باری هر  
 ظاهر می مغر و تیرمین که اسر حافظ تو ز ایندی مغر و نون اور لطیف شعار و عراق و پارس کی اینا می طبع نبالیا پس که اسر بابل بغداد  
 اور ساکنین تبریز کی شجر کا وقت هر یعنی اسر لطیف شعر تصنیف کر که بغداد اور تبریز کو لوگ بھی تیر قایل ہو جائیں اور عشق  
 سطلت ہو کر اسر حافظ جب راه عشق میں آیا تو تو فرستے نازل اور مقامات طر کو لو میں گر آئید اسر سو غافل نہ ہو کیونکہ اسر بھی  
 بہت باقی ہوا در تبریز میں۔ او کو طر کر کے بعد یعنی منزل مقصود پر ہو چکر آرام لیجو۔  
 یارب آن شمع شب افروز کا شاد کیست جان سوختن پر رسید کہ جانا و کیست  
 یارب وہ شمع شب افروز کسکے گہ میں هر جان ہماری جلگئی پوچھو کہ جانا نہ کون ہے  
 شمع شب افروز ہر مراد محبوب جسکا اشارہ تجلی کی طرف ہو کا شاد نہ چل مقام طلب صاف ہر حالت نفس فرادات میں کتھو میں  
 حالیا خانہ بر انداز دل دین من است تا ہم آغوش کہ می باشد و ہمنانہ کیست  
 احوال جو کہ میر دل اور دین کا خانہ بر انداز هر وہ کسکا ہم آغوش و ہم خانہ ہوتا ہے  
 نیز اس زمانہ میں جو میر دل اور دین کا بر انداز نکلا کہ کجا چکر کہ اسکی بھوئی کو میر بھوئی ہوا وہ کس کے گریز ہے  
 باوہ لعل لبس کر لب ماد و رمباد راج روح کہ پیمان وہ پیمانہ کیست  
 او سکر لب لعل کی شربت یارب ہر دور ہر جو جو کسکی راحت روح اور کسکی پیار میں جا کر گریز کر  
 باوہ لعل لب صافیت یا نہ لعل لب صافیت شمع مراد ہر راج یعنی شرب کر بیان آرام کر معنی میں آیا ہر بیان وہ جا کر نیندہ  
 درت صحبت آن شمع سعادت پر تو باز پر سیدہ مدارا کہ ہر روانہ کیست  
 اوس شمع سعادت پر تو کی دولت صحبت خدا کیلئے پھر پوچھو کہ کسکا پروانہ هر  
 شمع سعادت ہر محبوب و تجلی۔ پروانہ کی تب زائد ہوا پر روانہ مراد عاشق طالب لینا چاہی مطلب صاف ہوا  
 سید ہر حسن افسونی و معلوم نشد کہ دل نازک او یا دل فسانہ کیست  
 ہر نفس او سکون فریب دینا ہر اور معلوم میں ہوتا کہ اسکا دل نازک کسکی کہانی کا مال ہوا۔  
 یعنی ہر شخص معشوق پر اسون کرنا یا ناکا ہر فریب میں راوی لیکن اب تک میں نہیں ہوا وہ اسکا فسانہ پر مال ہوا اور کس پر  
 اپنی غایت ظاہر کرنا ہر باعتبار صحبت ہر کس کا اشارہ سخن و کافر صراح و فاسق۔ عاشق اور زلیخہ کی طوط ہر سکنا ہر افسوس  
 مراد خدمت اطاعت و کی خیر تحبیب کی طوط ہر مال یعنی خواہان۔ افسانہ ہر عبارت طاعت و بندگی یعنی مذکورہ  
 بالا میں ہر شخص اوسکی خدمت و اطاعت اپنا ہر خیال میں کر رہا ہے لیکن اسوقت تک یہ نہیں معلوم

عقل سے کام لیکر اس میں کوشش کر کہ کوئی امر خلاف شرع صادر نہ ہونے پایا سو اسطرح کہ زمانہ فتنہ انگیز ہے اور اس  
فتنہ انگیزی سے ڈرنا اور خوف کرنا چاہئے۔ ان اشعار میں عشق و محبت کو خفیہ رکھنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔  
در آستین مرقع پیالہ پنهان کن کہ بچو چشم صراحی زمانہ خونریز است  
مرقع کی آستین میں پیالہ کو چھپالے کہ صراحی کی آنکھ کی طرح زمانہ خونریز ہے  
مرقع صوفیوں کے لباس کا نام ہے جسکو زندہ ہی کہتے ہیں یہاں مرقع کا اشارہ صبر و تحمل کی طرف ہے پیالہ سے  
اسرار عشق اور زمانہ کی شرع مراد ہے اور مطلب ہے کہ وہ غیظ و صبر و تحمل کے لباس میں اسرار عشق کو پوشیدہ کر لے اور  
کوئی بات متعلق عشق و محبت ظاہر نہ کرے نہ بچہ پر حد شرع جاری ہو جائیگی۔

زرنک بادہ بشوئید خرقہ ما از اشک کہ موسم فرع و روزگار پر ہیز است  
شراب کو رنگ سے بذریعہ اشک کو خرقہ بنو رنگو کہ موسم زہد اور زمانہ پر ہیز گاری کا ہے  
بادہ بمعنی بادہ محبت و عشق۔ رنگ بمعنی اظہار عشق خرقہ کا اشارہ وجود کی طرف مطلب یہ کہ ایسا امکان راہ خدا  
جو اسرار عشق و محبت حالت اختیار میں تم سے ظاہر ہو رہی ہیں اور خرقہ وجود و اوستی رنگ گیا ہے یعنی عالم میں  
بدنام ہو رہی ہو تم کو چاہئے کہ اس رنگ کو اشک نہ داشت سے دھو ڈالو اس واسطے کہ زمانہ پر ہیز گاری (صوفیوں کی مجرمی  
کا ہے۔

مجموعی عیش خوشانہ دور و اثر گون سپہر کہ صاف این سر خم جلد دودی آئینہ است  
۸ زمانہ آسمان و اثر گون میں عیش خوش نہ دہونڈا کہ اس خم کی صفائی میں تلچٹ ملی ہوئی ہے  
یعنی آسمان کو فقر کے دور میں خوشی و خرمی نہ دہونڈا کیونکہ اس خم کی صفائی میں یہی تلچٹ (گاد) ملی ہوئی ہے  
خلاصہ یہ کہ دور چرخ میں سوا درج و خم کے خوشی نہیں ہو سکتی۔  
سپہر بر شدہ پرویز نہایت خون افشان کہ قطرہ اش سر کسری و تاج پرویز است  
بلند آسمان خون افشان چلتی ہے۔ کہ اس قطرہ کسری کی سر اور تاج پرویز کو اوتار لیا

بر شدہ بلند پرویز۔ چلتی۔ کسری اور پرویز دو اولوالعزم بادشاہ گزری ہیں مطلب یہ کہ جس کسی نے اس  
بلند آسمان کو نیچے جگہ لی آخر الامر اسکو وہ جگہ چھوڑنی پڑی گی تو نہیں دیکھتا کہ یہ سپہر بلند باعتبار نزول حادثات  
مانند خون افشان چلتی کی ہے جسے کہ کسری کے سر اور پرویز کے تاج کو اوتار لیا یعنی اوٹگو ہی زندہ نہ چھوڑا  
جو ایسے عظیم الشان بادشاہ تھے۔

بیار بادہ کہ ز نگین کفیم جامہ دلوق کہ مست جام غروریم و نام ہشیار سیت  
 شراب لاکہ اوس سو جامہ ز کد کو ز نگین کہ ہم جام غرور کر مست میں اور نام ہشیار ہی ہر  
 بادہ مراد عشق جامہ دلوق سے عبارت پیکر انسانی ہے یعنی شراب عشق و محبت بلا کہ ہم میں موجود ہو ہم  
 اور ہستی مستعار سے در گذرین اور حقیقی زندگی تک پہنچین اس واسطے کہ ہم بادہ غرور کے جس سے غفلت  
 کی طرف اشارہ ہو رہی ہیں اور اوس کا نام نہ منے ہوشیاری رکھ لیا ہو اصل میں غفلت ہی۔  
 نسبتہ اندر تو بہ حالیا بر خیز کہ تو بہ وقت گل از عاشقی زیکار سیت  
 ابی دروازہ تو بہ کہ بندین ہو یں اوس کہ تو بہ موسم بہار میں عاشق سے بیکار ہے  
 یعنی اس مخاطب ابی دروازہ تو بہ کا کہنا ہوا ہیں اوسٹہ اور شراب لا اسواسطہ کہ موسم گل یعنی  
 موسم بہار میں عاشقوں کا تو بہ کرنا فضول ہے۔

سحر کرشمہ و صلیش خواب میدیم نہ ہر شب خوابی کہ نہ بیدار سیت  
 سحر کو اوسکو وصل کا کرشمہ خواب میں دیکھتے ہیں خواب کا زہر ہر مرتبہ کہ بیداری سے بہتر ہے  
 وقت شب جس سے جوانی مراد ہے یعنی اوس عمر میں گویا ہم سوئے ہوئے ہیں۔ وقت سحر سے  
 بڑا پاپا یعنی اس وقت جاگنے میں قاعدہ عام یہ ہے کہ ہر شخص جوانی میں غافل ہوتا ہے اور جب بڑھاپے  
 کی عمر ہوتی ہے تو جانتا ہے لہذا شاعر کا مطلب یہ کہ آخر وقت میں نے اوسکو وصل کا  
 کرشمہ خواب میں دیکھا پس اس سحر کی خواب کا کہنا کہ جو جوانی کی بیداری اجی ہے یعنی جاگتے  
 میں جس سے شب جوانی مراد ہو وصل حاصل نہوا البتہ سوئے میں جس سے بڑھاپے کی  
 سحر کی خواب معصوم و مبالغہ الٹی ہو گیا۔

خیال زلف تو بخت نہ کار خاں کزیر سلسلہ رفتن طریق عیار سیت  
 تیر زلف کا خیال پکنا کچھ نکا کام نہیں ہے سلسلہ کہ بچر چلنا عیار ہی کا طریقہ ہے۔  
 زلف سے مراد جذبہ عشق اور مطلب یہ کہ تیر مجذبہ عشق کا خیال پکنا اور مصیبتوں بلاؤں کو نہ  
 اوپر نالہ کرنا کون اور بولہوسوں کا کام نہیں ہے بلکہ سلسلہ سے چلنا یعنی سیر کرنا کہ تیر  
 پہنچنا ہالا کون کا طریقہ ہے۔ اور اگر زلف کے معنی نثار و نیا کرنے جہاں تو بہ معنی ہونے کے  
 نثار و نیا کا خیال پکنا اور اوسکو مرزبہ آخرت تصور کرنا خام عقلموں کا کام نہیں اس سالک

ہوا کہ اوسکو کون پسند نہ اور وہ کسی نہ کی اور طاعت کا خواہان نہ ہوگا۔  
یار باین شاہ و شہزادہ زہرہ حسین  
ای خدا یہ شاہ و شہزادہ زہرہ حسین  
پہلے مصرع میں سب صفات معشوق ہیں اور این سے مراد محبوب حقیقی یا تجلی سمجھنی چاہئے۔

مطلب صاف ہے  
آن می لعل کہ ناخوردہ مرا کرد خراب  
ہم نشین کہ و ہم کاسہ و سمانہ کیست  
وہ شرابِ سُرخ کہ جسے بغیر پی بھی خراب کیا  
کسی ہم صحبت اور کسی ہم پالہ و ہم نوالہ ہو  
می لعل سے مراد معشوق یا تجلیات ہیں جو کہ پوری طور پر نظر میں نہیں سماتین۔ یعنی وہ می لعل کس سے  
ہم صحبت ہو کہ میں جب کو بغیر طے خراب نہ ہو گیا ہوں  
گفتم آہ از دل دیوانہ حافظ سے تو  
زیر لب نے زبان گفت کہ دیوانہ کیست  
کہا میں کہ افسوس تیرے بغیر حافظ کا دل دیانہ ہوا ہو  
زیر لب ہنس کر کہہ کہ کسا دیوانہ ہو گیا تو  
حافظ صاحب کتب ہیں کہ میں نے معشوق سے کہا کہ تیری خبر میں مجھ پر وہ سخت حالت طاری ہوتی ہو کہ  
جس پر افسوس آتا ہو پس اس و سنو زیر لب سسکا کر جواب دیا کہ تو کہہ عاشق بنے کسا دیوانہ ہے گویا  
افسوس اتیک خبر نہیں کہ آیا حافظ او پر عاشق ہے یا کسی اور پر

بنال بلیل اگر بامنت سر یار نیست  
کہا دو عاشق زاریم و کارا زار نیست  
اگر بلیل اگر تجھ میرے ساتھ دعویٰ دوستی کا کر  
کہ ہم دونوں عاشق زار ہیں ہمارا کام زاری ہو  
اس شعر کا مطلب کچھ زیادہ شرح کا محتاج نہیں صاف ہے۔  
دران چین کہ نشیمی و زور طرہ دوست  
چہ جامی مژدن نافہای تاتار نیست  
اوس چین میں کہ جہاں ہم لڑہ دوست ہو چلتی ہو  
نافہا مژد تاتاری کو دم مار ڈکی جگہ کیا ہو  
چین سے دل عاشق۔ نسیم کا کنا یہ جذب کی طرف طرہ دوست کا اشارہ عشق محبوب  
حقیقی کی جانب بھٹنا چاہئے۔ نافہ تاتاری سے عشق مجازی مراد ہے۔ مطلب  
یہ کہ جس دل میں جذبہ لطف الہی جامی پذیر ہو اور عشق حقیقی رکھتا ہو اوسکو مجازی عاشق کی گفتگو  
کی کیا ضرورت ہے۔

دلتش نہ الہ میاں لہو حتم کن حافظ کہ رستگاری جاوید در کم آزار نیست  
 اکی حافظ گفتگم ختم کر اسکا دل نالہ ہو گیا کہ دونوں جہان کی نجات کم آزار میں ہے  
 اپنے اکی حافظ محبوب کو دل کو جو کہ از بس نازک اور ناز پرورہ ہو اس گفتگوی بیہودہ سے نہ دکھا  
 اور جس پر وہ راضی رہے وہ کام کرا سوا اسے کلم آزاری سے دونوں جہان میں نجات ملتی ہو  
 علاوہ اسکو راضی برضا ہو معشوق رہنا عاشق صادق کی خاص علامت ہے۔

اگرچہ عربی نہر پیش یا ربی ادبیت زبان خموش و لیکن زبان پر از عزت  
 اگرچہ یار کے اگر نہر بیان کرنا بی ادبی ہے زبان خموش سمجھو لیکن موندہ عربی سے ہے  
 اس مطلع میں تعقید کلام واقع ہوئی ہے۔ چونکہ ہکوا سکی جائز یا ناجائز بتانے کا کوئی حق نہیں اسکو  
 ہم اس درگزر کے شعر کا مطلب سمجھا دینی ہیں۔ مگر یہ غرض کرنا مناسب ہے کہ اول مصرع  
 اگرچہ دوسرے کے دہان پر عربی سے ملے گا تو معنی یوں ہونگے کہ اگرچہ دہان عربی ہو بہرا  
 ہوا ہو یعنی فصاحت و بلاغت جو کہ عربی زبان کا لازمہ ہے دہن میں بہری ہوئی ہے  
 لیکن زبان کو خاموش رکھنا چاہئے اسلئے کہ مستغنی دوست کے آگے اپنا نہر یعنی پیشنہ ظاہر کرنا  
 سوہ ادبی میں داخل ہے۔ خلاصہ یہ کہ عاشق کو دوست کو سامنے اظہار عشق میں فصاحت  
 بلاغت سے کام لینا نہ چاہئے۔

پری ہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز بسوخت عقل حیرت کہ این چو ابیت  
 پری پوشیدہ رخ اور دیو کرشمہ و ناز میں عقل حیرت سوختہ ہوئی کہ یہ کیا تماشہ ہے  
 یعنی عجب تماشہ ہے کہ دیو جسکو موتہ چپا نا لازم تھا (اس کو شیطان کہتے ہیں) وہ بار کرشمہ کر رہا ہے  
 اور پری جس کو حق پرستی اور نیکی نفسی کی طرف اشارہ ہوا اپنا رخ روشن چپا کر پری پر یعنی  
 وہ پوشیدہ رہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو ظاہر ہونا چاہی تھا وہ پوشیدہ ہوا اور جسکو پوشیدگی  
 لازم تھی وہ سرا سر ظاہر ہے۔

سبب میریں کچھ از چہ غلہ پرورش کہ کام نشی اور ابہانہ بے سببیت  
 سبب میریں کچھ از چہ غلہ پرورش کہ کام نشی اور ابہانہ بے سببیت  
 یعنی میریں کچھ غلہ پرورش کی سبب میریں کچھ کام نشی اور ابہانہ بے سببیت  
 یعنی میریں کچھ غلہ پرورش کی سبب میریں کچھ کام نشی اور ابہانہ بے سببیت

تجھ کو چاہی تو خام خیال نہ ہو اور سلسلہ سحر عشق پیدا کر۔ ایسا کرنا چالاکوں کا کام ہے اور خام کاری دلیل بوقونی۔

لطیفہ ایست نہانی کہ عشق از و خیزد کہ نام آن لب لعل و خط زنگار ایست  
جس سرکہ شوق پیدا ہوتا، پروہ ایک پوشیدہ لطیفہ  
یعنی جس چیز سے کہ عاشق کو دل میں عشق پیدا ہوتا، پروہ ایک پوشیدہ لطیفہ یا نامعلوم کیفیت ہے  
کہ جو کئی یا کئی کے لائق نہیں یعنی تحریر و تقریر سے باہر ہے پرنہ اور سکا نام لب لعل لعل اور  
نہ خط سبیر بلکہ وہ کوئی اور ہی چیز ہے جو ان صورتی مشوقوں کے صفوں میں سے کوئی ہی صفت نہیں  
جمال شخص چشم سے لعل و عارض خال ہزار نکتہ درین کار و بار و دلار ایست  
کسی شخص کی چشم کا جمال نہ زلف ماضی خال کا ہزار بار یکساں اس کام و دلاری میں ہیں  
یعنی اس کیفیت یعنی کسی شخص کی چشم یا زلف یا عارض و خال کا جمال نہیں ہے بلکہ اس میں ہزاروں  
بار یکساں دلاری کی ہیں جو دلوں کو کینچ لیتی ہیں۔

عروج بر فلک سروری بدشوار ایست  
عروج فلک پر سرداری دشوار ہے  
تیری آستان پر کل سی پہونچنا ہوتا، ہر بان  
یعنی محبوب تیری آستان تک پہونچنا مشکل ہے اسلئے کہ جب تک اس پر آپ کو فانی نہ کر دے  
دوست تک نہ پہونچے کیونکہ کسی شخص کا عروج فلک پر سرداری کیلئے آسانی سے نہ پہونچنا مشکل ہے  
نہیں ہے خلاصہ یہ کہ بہت دشوار ہے۔

روندگان طریقت بہ نیم جو خوشترند قہای افسانہ کہ از نہر عاریست  
راہروان طریقت آدمی جو کو ہی خوش ترند  
راہروان طریقت سے عاشقان الہی اور قہای افسانہ سے ریائی عبادت مراد ہے نہ ہی مقصود  
عشق و خلوص مطلب یہ کہ روزہ نماز و حج و زکوٰۃ مراقبہ محاسبہ غرض کہ افعال محبت الہی سے منہر  
ہوں۔ وہ عاشقان الہی کے نزدیک نصف پا رانی کے دانے برابر ہی قدر قیمت  
نہیں رکھتے کیونکہ ایسی طاعت و عبادت میں خلوص دلی اور عشق الہی نہ تو دین کو نقصان  
کا سبب ہے۔



یہ نیم جو خرم طاق خانقاہ و رباط  
مین آدھو جو بڑی خانقاہ و مسافر خانہ کھلی نہ خریدوگا  
مرا کہ مصطفیٰ النوان یا خرم طنبیست  
اسکو کہ شراب خانہ میرا محل و خرم کی جگہ خیمہ شک پر  
رباط ہا لکھ مسافر خانہ طنبی خیمہ مشک اور ساری بیع کر مینے مشک خیمہ کر معنی لہو مین مصطفیٰ شراب خانہ  
خلاصہ یہ کہ مین خانقاہ مسافر خانہ کو محراب کو جو خطا ہر پرستون کی عبادت کو مقام مین اور جن پر  
اونکو فخر ہے نصف جب کے عوض مین ہی نہیں خریدوگا اسکو کہ شراب خانہ جس کو منزل شش  
کی طرف اشارہ ہے اور پانچو خرم (گلو پچی) جسکا کنا بہ مرشد کی جانب ہے میرا مشک خیمہ ہے یعنی مین و شکر  
اور مین بڑا ہوا ہون کہ ایسی ایسی چیزیں میری مین پس مین اونکی رباط و خانقاہ کو نصف  
جو کی بدلہ مین ہی نہ خریدوگا۔

ہزار عقل و ادب آئتم من امی خواجہ کنون کہ مست خیم صلا مین و دبست  
امی خواجہ مین ہزار عقل و ادب رکھتا تھا اب کہ مست خیم ہون یہاں بڑا بی کلا ہے  
یعنی امی صاحب مین ہزار طرح کی عقل اور ادب رکھتا ہوں چونکہ فی الحال مست ہوں پس مجھ کو ادبی کا  
بہان مل گیا ہوں اور قاعدہ کلیہ ہے کہ مجھ کو بڑا ادبی و گناہ معاف ہوتا ہے۔ لہذا مجھ ہی معاف  
ہونی چاہئے۔

بیاری می کہ چو حافظ مرام استغفار بگریہ سحری و نیاز نیم شبیست  
شراب لاکہ حافظ کی طرح ہمیشہ استغفار صبح کی زاری اور نیاز نیم شبی سے ہے  
حافظ سہول حافظ مراد ہے جسکو اس مین مخاطب بنایا ہے یعنی امی مخاطب شراب لا اور پی اسلئے کہ  
حافظ کی طرح استغفار بذریعہ گریہ سحری اور نیاز نیم شبی کے ہوا کرتا ہے نہ زہد و ظاہر مین طاق  
ریا ہے۔

عیب ندان مین امی اہل پاکیزہ شہرت کہ گناہ و گری پر تو بخوانند نوشت  
اور اہل پاکیزہ شہرت نہ دیر عیب نہ لگا کہ دوسروں کا گناہ دیر نہ لگا مین مین لکھیں گے  
یعنی امی اہل پاک طینت و نردون پر جن سے عاشقان الہی مقصود مین عیب نہ لگا اور زبان طعنہ  
نہ کہوں اسوا خط کہ اون کے گناہ کچھ دیر نہ لگا مین اعمال مین توڑا ہی لکھی جائیگی جو جیسا کہ گناہ  
بہر گنا جو عیب آیت کریمہ لا تَنْتَهِزُوا نَارَہُ وَاَنْتُمْ سَرَّاءُ تَنْتَهِزُوا یعنی کوئی بوجہ و دھما نہ لادو سر کا

اور سچی مراد ناکام پر نہ ہن او سکر پاس سوا کی بوسہ کی کہانہ کرا اور اسکا کوئی بہانہ نہیں ہے۔

ازین چین گل بنجار کس نچید آرمی چراغ مصطفوی با شرار بولہبیت  
اس چین کی بغیر کانا کاس کسی کی بول نہ توڑا چراغ مصطفیٰ کے ہمراہ بولہبیت شرار لگا ہوا ہے

مطلب یہ کہ جس نے باغ دنیا سے بھول توڑا اس کے ساتھ ضرور کانا کاس لگا یا جس طرح کہ چراغ مصطفیٰ کے ساتھ ابی نسب کا شرار لگا ہوا تھا اسی طرح روح کیساتھ نفس امارہ کا کٹھن لگا ہوا اور نکلن ہے

کہ چراغ مصطفوی سے روح اور شرار بولہبی سے نفس امارہ خود مراد ہو۔

حسن بصرہ بلال حبش مہیب شام زخاک مکہ ابوہل ابن چہرہ ابوہبیت  
حسن بصرہ سے بلال حبش سے مہیب شام سے سرزمین مکہ سے ابوہل یہ عجیب بات ہے

مطلب یہ کہ حسن بصری رضی اللہ عنہ نے بصرہ سے اور بلال نے حبش سے اور مہیب نے شام سے باوجود اسکے کہ یہ مقامات مکہ سے کیسوں فاصلہ پر ہیں آکر اسلام اختیار کیا اور مرتبہ پائے

لیکن ابوہل جو فاس کے معظمین تمام محروم رہا اور مردود ہو گیا یہ کیا تعجب ہو کہ اتنی اتنی دور سے آکر نو لوگ دین پاک قبول کرین اور وہین مکہ کا رہنموا لا شخص بیدین رہی اور ہدایت نہ پاؤ۔

جمال دختر ز نور چشم ماست مگر کہ در نقاب جامی پردہ غنہبیت  
دختر ز کا جمال ہمارے آنکھ کا نور ہے مگر شیشہ کی نقاب اور سرخ پردہ میں ہے

دختر کے جمال سے محبوب حقیقی مراد ہے مطلب یہ کہ جمال اس محبوب حقیقی کا ہزاروں ہزار پردہ ہائے ظلمت کی و نورانی میں چھپا ہوا ہے مگر ہماری آنکھوں کا روشنی بخش ہے۔ ز جامی و غنی آنکھ کے پردوں کے نام بھی ہیں۔

دوا نمود خود اکنون از ان مفرج جوی کہ در صراحی چینی و شیشہ جلبیت  
ایزود دکنی اس مفرج چیز سے ڈھونڈو کہ جو چینی کی صراحی اور جلب کر شیشہ میں ہے

چینی کی صراحی سے عاشق واصل اور جلب کر شیشہ سے ہمارے کامل مراد ہے مفرج بمعنی شراب جو کہ صراحی اور شیشہ میں رہتی ہے یعنی جب تو نے در عشق حاصل کیا ہے تو اس کے

دوا خورد اس مفرج چیز سے یعنی عشق محبت سے ڈھونڈو اور یہ مفرج چیز عاشقان صادق اور بارقان کامل کو پاس ٹیکلی نہ ظاہر پرست نام کے شیوخ کے پاس۔

نیسے انرا ہر کچھ میں ہی تمنا رہتی تھی۔ و فتویٰ سے آغاز نہیں کیا اور بہشت کی طلب کو نہیں چھوڑا بلکہ میری والدہ  
حضرت آدم علیہ السلام نے بھی بہشت کی عیش و عشرت کو ہاتھ سے کھو دیا تھا۔ بس کہ چون کر کر ٹیکر غلہ میں  
ہم مانع نادان ہو۔ ہمارے جد امجد کو نہ ذراں رہی کا ڈھب آیا۔

بر عمل تکیہ کن خواجہ کہ در روز ازل  
تو چہ دانی قلم صنم بامست چہ نوشت

اگرچہ عمل پر ہر روز نہ کر کہ روز ازل میں  
تجھ کو کیا معلوم کہ صانع کون تو تیری نام پر کیا لکھا ہو۔

خواجہ سے وہی زاہد مراد ہے۔ اور مطلب یہ کہ اگر نہ تو عمل یعنی طاعت و عبادت مازان  
نہو کیونکہ تجھ کو اپنی تقدیر کی خبر نہیں کہ اوس میں کیا لکھا ہے۔ اور ناجی یا ناری ہونا بھی عمل پر  
موقوف نہیں۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر لوگوں تمہارا کوئی عمل  
تکو نہ بہشت میں پہنچا سکتا ہے نہ دوزخ میں حالانکہ میں بھی نبی و رسول ہوں۔ کے ذریعہ سے بہشت  
میں نہ جاسکو نہ نکالے اسکی رحمت کا اعتبار پروہان ہو چکا تھا۔

گر نہادت ہمہ این بہشت ہر پاک نہاد  
در شہادت ہمہ این بہشت ہر پاک شہادت

اگر تیری خلقت سب یہی ہے عجیب پاک خلقت ہو  
اور جو تیری شہادت کل یہی ہے عجیب شہادت ہو

یعنی اے مخاطب اگر تیری خلقت کل یہی خلقت ہو کہ تو حصول عشق و محبت میں کوشش کرے  
کہ قرب حق سبحانہ تعالیٰ کا سبب ہو تو تو عجیب نیکذات ہو اور جو اگر تیری شہادت یہی ہے

جیسا کہ مذکور ہوا تو تو بہت ہی نیک شہادت ہو۔  
باغ فردوس لطیف است لیکن زہار  
تو غنیمت شمار این سایہ بید و لب کشت  
باغ بہشت لطیف ہے ولیکن ضرور  
تو اس سایہ بید و کشت کو غنیمت جان

اسکا مخاطب زاہد ہی ہے اور سایہ بید و کشت سے عشق حقیقی مراد ہے مطلب یہ کہ اے  
زاہد اگرچہ باغ فردوس تو جسکی طلب میں ہے اور اوسکے لئے تقویٰ کرتا ہے بیشک  
لطیف ہے لیکن یہ بید و کشت کا سایہ بھی کیسے سے مقام عشق تصور ہے طاعت عیش و سرور  
سمجھ اور جو اگر تیرے ہاتھ اسکی تو اس سے فائدہ اوٹھتا ہے یعنی حصول معرفت کر اور لیکن اگر  
کہ سایہ بید و کشت ہی دنیا مقصود ہو تو یہ مطلب ہوگا کہ گویا باغ فردوس عمدہ ہوتا ہے دنیا کی  
زندگی ہی غنیمت جان کیونکہ جو کچھ بہلائی برائی زہد و معرفت وغیرہ حاصل کرے سب کچھ

بوجہ نہیں اوٹھاتا۔ خلاصہ یہ کہ جو گناہ کر گیا اور سکا جواب وہ وہی ہو دوسرا نہیں حرکت  
من اگر نیک ہو کر بد تو بر و خود را باش ہر کسی آن درد و عاقبت کار کہ

من اگر نیک ہوں یا بد تو جا اپنی خبر لے ہر شخص آخر کار وہ ہی کاٹی گا جو کچھ اوستی ہو یا ہی  
اول شعر کی مضمون کی توضیح ہے یعنی من اگر نیک ہوں تو اپنے واسطے ہوں اور اگر بد ہوں تو اپنی  
لئے ہوں تو اپنا کام کر تجھے میری نیکی بدی سے کیا غرض کیونکہ نتیجہ من کوئی شخص وہ ہی ہر کاٹے گا  
جو اوستی ہو مولانا روم فرماتی ہیں کہ گندم اگر گندم بر دیو جو جوہ از سکافات عمل غافل مشو۔

ہم کس طالب یار ندیم ہشیار و چہ مست ہمہ جا خانہ عشق ست چہ سجدہ کشت  
کیا ست کیا ہو شیار سب او سب کی طالب ہن مسجد ہو یا دیر سب جگہ عشق کا مقام ہے

ست سر عاشق صادق اور ہوشیار سزا ہر ادا ہن مسجد سر سجدہ اور کشت سو خانقاہ عارفان مقصود ہی  
یعنی صوفی خانقاہ ہوں من اور زبا و مسجد و نین یا و سب کی طلب کرتی ہوں کیونکہ وہ وہاں ہی موجود ہے اور  
ہیان ہی۔ کوئی جگہ ایسی نہیں جو اس سے عالی ہو خانہ عشق کا اشارہ مقام محبوب کی طرف سمجھنا چاہئے

تسلیم من و خاک در سیکد ہا مدعی گز کند فہم سخن گو سحر و شست

میر تسلیم اور میٹافون کے دروازہ کی خاک مدعی اگر بات کو نہ سمجھو تو کوسر میں اینٹ مار

اس بات کو کہ میں نے اپنا تسلیم بخلا تو نگہ درون پر چکا دیا ہے اگر مدعی جس سے زاہد ظاہر پرست  
مرا ہے باور نہ کر اور نہ سمجھ سکے تو اس سے کہہ دو کہ جا اپنی سر کو اینٹ سے چھوڑ کیونکہ تیرا داغ  
انٹ نکالتا ہے سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتا۔

تا امید من از سابقہ روز ازل تو چہ والی کہ پس کہ وہ کہ خوبست کہ زشت

نہج روز ازل کے سابقہ سے ناامید متکر تو کیا جاوے کہ پس پردہ کون اجا اور کون بُرا ہے

یعنی زاہد تو مجھ کو اس قرار سے جو خدا نے روز ازل میں ہم دروےش سے کر لیا ہی اپنی طعن و تشنیع سے ناامید  
کرنا چاہتا ہے بلکہ کیا خبر کہ میں پردہ کون نیک اور کون بد ہے۔ یعنی کون بخشا جائے گا اور  
کون دوزخ میں چلے گا۔

بہ من از خانہ تقویٰ بدر افتادم و بس پدرم نیز بہشت آباد دست بہشت

کہ میں جی خانہ تقویٰ سے باہر نہیں پڑا ہوں بلکہ بابا آدم نے بھی بہشت آباد کو ہاتھ نہس کر کو دیا تھا

بے نیلے میں کو چرخا باطل سے جسکا اشارہ مقام عشق کی جانب یا تو ابی اوصاف بشری کی طرف ہے  
کسلے موتیہ میرون کیونکہ میر کو واسطے کوئی زاہ جہان میں اس سے بہتر نہیں ہے۔

زمانہ گر تو نہ اندک ششم بجز من عجم بگو بسوز کہ بر من بزرگ کا ہی نیست  
اگر زمانہ میر کو خرمن عمر کو آگ لگائے کہو کہ جلاد کو جو دبیر بزرگ کاہ کی برابر نہیں  
مطلب یہ کہ اگر زمانہ میر کو خرمن عمر کو جلاد کر برباد کرنا چاہے تو اس سے کہد کہ شوق سے جلاد ڈال

اسلو کی بیوی ایک گھاس کے ٹکڑے زیادہ نہیں۔  
علامہ زرگین حشمان آن بھی بروم کہ از شراب غرویش کنیں گاہی نیست  
میں اوسے سہی سہو کی چشم شمع کا غلام ہوں کہ جو اپنی غرور کی شراب سے کسی بچا نہیں ڈالتا  
بے نیلے میں اپنے محبوب کی اوس زرگین چشم مست کا غلام ہوں کہ جو غرور کی بہت شراب پی کر  
لیکی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔

مباحث در پی آزار و ہر خجواہی کن کہ در سرعیت مانغیر ازین گناہی نیست  
در پئے از امت ہو اور جو چاہے کہ ہمارے گناہ میں ہوا تو اس کو کوئی گناہ نہیں ہے  
مطلب ظاہر ہے تشریح طلب نہیں۔

عنان کشیدہ وای پادشاہ کشورین کہ غیبت سراسر ای کہ داخواہی نیست  
اگر کشورین کی شاہ باگ روک کر چل راہ میں کون ایسا ہو کہ جو داخواہ نہیں  
جن اشعار کے مطلب صاف ہیں ہم اونکو فارسی شارحین کی طرح بہت سے استدلال سے

بیچ دہیچ معنی بیان کر کے اپنی لیاقت ظاہر کرنے کے لئے ناظرین کو اولہن میں نہیں ڈالتا  
چاہتے ملا وہ اسکے ہم اگر وہ الفاظ اصطلاحی رکھیں کہ جو بعض شارحین نے لے ہیں اردو دا  
اصحاب کو انکا سمجھنا مشکل ہو جائے گا اور یہ کہ عجیب نہیں ہے کہ وہ صاف مطلب کو بھی  
ہاتھ سے کو بیٹھیں۔

عقاب جو رکشاوہ است بال درمہ شہر کمان گوشہ نشینے و تیرا ہی نیست  
ظلم کو عقاب نے تمام شہر پر پہلا دے میں گوشہ نشینی کی کمان اور آہ کا تیرا نہیں ہے  
یعنی عقاب جو نے تمام شہر پر اپنے بازو پہلا دی میں اوسکا دفعیہ اخیر گوشہ نشینی کر کمان اور

تو اسی میں کر سکتے ہیں۔ حافظار و زحل گر کیفیت آری جاگی یکسر از کوی خرابات بر گشت بہشت  
 اور حافظ موت کی وقت اگر تو ایک پیالہ پی لے تو بالکل مجھ کو کوی خرابات کی بہشت کو لے جاؤں  
 یعنی اے حافظ تپانی اس عشق بازی پر نازاں بن اگر موت کی وقت نبی جام عشق کو ہاتھ سے نہ لے یعنی  
 عشق پر قائم رہے تو جانے کہ مجھ کو اس عالم فانی سے دار فانی کی طرف لے جاتے ہیں اور بہشت میں  
 داخل کریں گے اور جواب دہ نہ ہو تو یہ تیرا عشق مجھ کو کوئی نفع نہ دیگا۔

جز آستان تو ام و جهان پناہی نیست سیر ماجرا این در حوالہ گاہی نیست  
 تیری آستان سوا جہان میں سیر کر لے پناہ نہیں ہے سیر کر سوا کے اس کوئی حوالہ گاہ نہیں ہے  
 یعنی اے محبوب سیر الہا اور جا کر پناہ جہان میں سوا کے تیرے در کے اور کوئی در نہیں نہ میرے  
 سر کو کوئی اور حوالہ گاہ ہے پس جب یہ حال ہے تو پھر تیرے سوا کس کے آستانہ پر جاؤں اور  
 کس پر حصول مراد کی تمنا رکھوں۔

عدو چو تیغ کشد بن سپر بنیدازم کہ تیرا بجز از نالہ و آہی نیست  
 جب عدو تلوار کھینچے بن ڈھال کو چوڑھون کہ میری پاس آہ و نالہ کو سوا اور کوئی تیر نہیں  
 سپر اعلیٰ حق سے بہاگ جانا اور سپر بنیدازم سے مقابلہ کے واسطے ڈٹا رہنا مراد لیتے ہیں۔  
 اگر پہلے مصرع میں سپر بنیدازم ہے تو یہ معنی ہونگے کہ جو ابلیس بالنفس امارہ میری راہ میں  
 مائل ہوا اور مجھے مزاحمت کرے تو مجھ کو چاہئے کہ میں ہی اس کے مقابلہ کو آمادہ ہو جاؤں یعنی  
 اس کا گناہ سرگزشتہ مانوں۔ اور اگر بنیدازم پڑیں تو یہ معنی ہیں کہ جو دشمن درپے آزار ہو  
 تو مجھ کو چاہئے کہ میں مقابلہ کروں اور وہاں سے بہاگ جاؤں اور اس کے جواب میں خدا  
 عز و التعالیٰ کر دے کہ عاشق کا کام ہے۔ اس لئے کہ غیر سے توجہ نہ کرنا خواہ وہ کسی طریقہ سے ہو عاشق  
 کے واسطے بڑا جرم ہے پناہ میں عاشق لوگ کسی دشمنی کی پروا نہیں کرتے وہ صرف اپنے معشوق کو راہی  
 رکھنے کی کوشش کیا کرتے ہیں اور اوکھائل سے دشمنی نہ کرنا جو مہربان باشد دوست ہے ہوتا ہے۔  
 چار کوی خرابات اے دوستے بر تاجم کزین ہم بہان سچ کریم و راہی نیست  
 کو چہ خرابات سے مسئلے موہنے پھیروں کاس سیر کر لے پناہ نہیں ہے کوی کریم و راہ نہیں ہے



طبع خام بسین قصہ فاش . از رقیبان نہفتنم ہوس است  
 طبع خام کو دیکھنے کہ قصہ فاش کو رقیبوں سے چہ پانی کی کہ ہوس کہتا ہوں  
 قصہ فاش یعنی حال عشق جو لوگوں پر ظاہر ہو گیا ہو رقیبوں سے مراد زاہدان مدعی ہیں  
 یعنی میرے اس طبع خام کو غور کر کہ میں عشق کو جو فاش ہو گیا ہے زاہدون اور دنیا داروں  
 پوشیدہ رکھنے کی ہوس کر رہا ہوں۔ غرض کہ زاہد عشق کا پوشیدہ رکھنا ممکن نہیں۔  
 شب قدر چرخین غریز و شریف . با تو تار و زر جفتہ ختم ہوس است  
 شب قدر ایسی عزیز و شریفین تیرے ساتھ دن تک سوئی کی ہوس کہتا ہوں  
 شب قدر سے یا تو عمر مراد ہے یا شب وصال تار و زر یعنی تادم مرگ جو کہ عارف کی بیداری کا  
 وقت خیال کیا جاتا ہے یعنی مجھ شب قدر ایسے غریز و بزرگ معلوم ہوتی ہے کہ میں تیرے ساتھ  
 دن بچکنے تک سوتا رہوں۔

وہ کہ در دانہ چسپین نازک . در شب تار سفتنم ہوس است  
 جیت کہ ایسے نازک موتی گردانوں کو اندھیری رات میں چسپین کی ہوس کہتا ہوں  
 در دانہ سے مراد اسرار معرفت اور شب تار سے دنیا مقصود ہے یعنی معرفت کا کمال میں دنیا  
 میں حاصل کرنا چاہتا ہوں جو ممکن نہیں چنانچہ ماعرا فنا کے حق معرفت  
 اس پر دلیل ہے۔

ای صبا اشبم مد و نہر مای . کہ سحر گہ گفتم ہوس است  
 اے صبا آج کی رات مدد کر کہ صبح کیوقت مجھ شگفتہ ہوئی کی ہوس ہے  
 صبا سے مراد۔ اشب سے حالت ہستی دنیا سحر گہ سے روز قیامت مراد ہے شگفتن۔ گھلنا  
 خوش خرم ہونا یعنی اے مرشد کامل اس دنیا کی ہستی مستعار میں حقایق و معارف کے  
 بیانات کر کے مدد فرما اور کشاکش حوادث سے چھوڑا کر ادب گنہ پہنچا دے کہ جہان  
 کسی بات کا خوف نہ جو اسو است کہ قیامت کو دن میں خوش خرم ہو جائیگی آرزو کہتا  
 ہوں قیامت کو وہ ہی شخص خوش ہو گا کہ جو تمام اعمال روزیہ سے خالص ہو کر اعمال حسنہ میں  
 ملنس ہو گیا ہو اور فانی ہو کر معشوق حقیقی سے جاملتا ہو۔

بلا آہ کے تیر کے نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ یہ کہ ظالموں کا ظلم عام ہو گیا ہے اوس گیسے رہائی یا ناجائز  
گوشہ نشینی یا خدا کی جناب میں بغیر زاری و اسماح کے ہوئے ممکن نہیں۔ یا یہ مطلب ہے  
کہ کوئی کمان گوشہ نشینی کی اور تیر آہ کا نہیں ہے کہ جو اس عقاب جو رک کا دفعیہ

کر سکے۔  
چنین کہ در ہمہ سودا می راہ می نیم بہ از حمایت لطف تو ام پناہی نیست  
اب کہ میں سب میں طریقہ کا سودا دیکھتا ہوں میری تیری زلف کی حمایت سے نہ کوئی پناہی ہو  
سودا می راہ یعنی تعصب عقیدت جس سے درویشان متعذر اہدان ریاکار کی صفت مقصود ہے  
یعنی جبکہ زمانہ کا یہ حال ہے کہ ہر طرف تقلد و نفع ریاضت ظاہری کی دین میں عوام الناس  
کے سامنے معرفت پر پردہ ڈال رکھا ہے اور عاشقان صادق غنا صفت معدوم ہیں تو  
یہ زمانہ میں تیری زلف کی حمایت سے بہتر جس سے جذبہ و لطف مراد ہے ایسے لمحہ  
کوئی پناہ نہیں ہو سکتی یعنی سب سے بہتر یہی ہے کہ ہم اپنے کام کو تیرے جذبہ عشق پر  
چھوڑ دین اور کسی سے بیعت نہوں۔

خزینہ دل حافظ بزلت و خیال مدہ کہ کار ہا می چنین حد ہر سیاہی نیست  
دل حافظ کا خزانہ زلف و خیال کو ندے کہ اس طرح کو کام ہر سیاہی کی حد نہیں ہیں  
بطلجہ کے اے محبوب حافظ کے خزانہ دل کو معشوقان ظاہر کے سپرد نہ کر یعنی عشق مجاز کا گرفتار  
نہ یا یہ خزانہ جس سے دل حافظ مراد ہے اس سیاہی کی حد نہیں ہو سکتا پس کجگو چاہئے  
کہ سب سے علیحدہ کر اپنے عشق کے سلسلہ کا پابند نہ کرنے کے غیر کا۔

حال دل با تو گفت ہم ہوس است خبر دل شت قبتم ہوس است  
مجھے تم سے حال دل گفتی ہوس ہے دل کی خبر سنتے کی آرزو ہے  
معشوق کی طرف خطاب کرنے میں کہ مجھے تجھے اپنا حال دل عرض کرنے کی  
کوئی بات دل کی متعلق تیری زبان سے سنتے کی ہوس ہے یعنی یہ  
آرزو ہے کہ سب سے اپنے حال دل بیان کر کے دل کے بارہ میں تیری زبان سے  
کہہ سکوں۔

میں خواست گل کہ معنہ از رنگ بومی تو از غیر تن صبا نفس اندرویان گرفت  
 گل چاہتا تھا کہ تیر کی رنگ بوکا دم بہرے کہ او سکی غیرت سر صبا از سانس کو مونہ میں گھونٹا  
 گل کا کنا یہ سالک کی طرف اور صبا کا مرشد کامل کی جانب ہے اور مطلب یہ ہے  
 کہ جب عاشق مقام تلوین میں صفات معشوق سے موصوف ہوا یا اس نے تجلی ذات کی  
 اپنے میں دیکھی تو اپنے آپ کو عین ذات تصور کر کے خیال کرنے لگا کہ مقصود کی طرح  
 انا لحنی کا دم بہرے اور اپنے میں وہ ہی رنگ و بول ملاحظہ کرے مگر صبا نے جس سے  
 کہ مرشد مقصود ہے کمال غیرت تو انا نہ غیور سے اوسکو منع کیا اور ایسا کر نیکی اجازت  
 ندی سے چہ نسبت خاک را با عالم پاک + انسان کی کیا ہستی کہ اوسکو رنگ بوکا  
 مقابلہ کرے۔

چون لالہ کج نہادہ کلاہ طرب کبر ہر داغ دل بادہ چون ارغوان گرفت  
 جب لالہ کی طرح کلاہ طرب کبر سمیٹ پڑی رکھی ہر داغ دل کو ارغوانی کی ہرے رنگ لیا  
 ارغوان پھول کی قسم ہے اور بادہ چون ارغوان شراب انگوری جو سرخ ہوتی ہے  
 اور اس سے عشق حقیقی مراد ہے مطلب یہ کہ جس دل نے کہ سرخ داغ ارغوانی لہو لینے  
 عشق حقیقی حاصل کیا اوسنے لالہ کی طرح غایت کبر سے خوشی کی ٹیڑھی ٹوپی سر پر رکھی  
 خلاصہ یہ کہ جس شخص نے اوس ذات حقیقی کا عشق کیا وہ ہمیشہ عیش و عشرت نصیب رہا  
 اور اس جہان فانی کے رنجوں سے بالکل فارغ ہو گیا۔

آن روز عشق سا غری خرم نہم نسبت کاشک عارض ساقی دوان گرفت  
 اوس روز سو سا غری کو عشق نے میر خرم کو جلایا کہ جب سو ساقی کو عارض کی آتش اوس میں لگی  
 سا غری سے مراد معشوق مجازی کہ جس میں تجلی محبوب حقیقی کی جی ہوتی ہے  
 عارض ساقی ذات محبوب حقیقی مطلب یہ کہ عشق محبوبان مجازی نے اسلئے مجرب باد  
 کر دیا کہ وہ منظر جمال حقیقی کے ہوتے ہیں۔ اس واسطے کہ خوب دیوان مجازی کی اہل حقیقت کے  
 نزدیک منظر جمال الہی ہیں اور جمال الہی کا عکس اون میں بر تو فگن ہوتا ہے۔

از برائے شرف بنوک مرہ      خاک راہ تو رقم ہوسست  
 برائے حصول شرف نوک مرگانے      تیرے خاک راہ کو ہمارے کی ہوس ہے  
 مجموعہ حافظ بزم مدعیان      شعر زندانہ گفتیم ہوسست  
 مدعیوں کے زعم میں حافظ کی طرح      مجھے شعر زندانہ کہنے کی ہوس ہے  
 اس مقطع میں حافظ کا خطاب مرشد کامل کی طرف معلوم ہوتا ہے اور گفتیم کی ضمیر مکمل خود حافظ صاحب  
 کی طرف ہے۔ یعنی مدعیان منکر یہ خیال کر رہے ہیں کہ میں مرشد کامل کی طرح بیان حقائق  
 و اسرار معرفت کا بیان کرنے کی ہوس رکھتا ہوں ماسی کلا یہ بات نہیں بہلا میں وہ باتیں  
 اپنے اشعار میں کیسے بیان کر سکتا ہوں جو مرشد اپنی زبان فیض رسان سے  
 بیان کیا کرتا ہے۔

حسنات اتفاق ملاحظہ جہان گرفت      آری باتفاق جہان میتوان گرفت  
 تیرے حسن و ملاحظہ کو اتفاق ہو جہان کو لیا      ہاں اتفاق سے جہان کو لیا جاسکتا  
 واضح ہو کہ اس شعر میں حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مشکل اول کی رعایت رکھی ہے اور  
 یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت میں ہے۔ یعنی تیرے حسن سے حسین ملاحظہ متفق  
 ہے (ہائی جاتی ہے) ساتھ جہان کو اپنا گرویدہ بنا لیا چونکہ اتفاق سے ہی عالم محیط  
 ہو سکتا ہے۔ پس تیرے حسن میں جو اتفاق ملاحظہ تھا تو یہی وجہ ہے کہ سارا جہان تیرا  
 دیوانہ و شیدا ہوا۔ علاوہ اسکے انا ملیم و انسی یوسف صیم کے حدیث پر بھی شعر ہذا کا  
 یہی مطلب ہوگا۔

افشای راز خلوتیان خواست کرد شمع      شکر خدا کہ سر دلش رزبان گرفت  
 شمع ز خلوتی لوگوں کا راز فاش کرنا چاہتا تھا      خدا کا شکر کہ اس کے دل کا بہید زبان فریاد تھا  
 راز خلوتیان حالات اسرار معرفت۔ شمع سے عاشق بے قرار جو روز و شب جلتا رہتا ہو مراد ہو  
 اور مطلب صروت یہ ہے کہ عاشق بے قرار اسرار عاشقان کامل یعنی حالات معرفت کو  
 بخود ہی میں فاش کرنے لگا۔ الا تھا مگر خدا کا شکر کہ زبان اس کی نہ چلی اور اس کے دل کا  
 بہید زبان پر آکر رہ گیا۔

می وہ بجام جم کہ صبح صبحو حیان چون پادشہ بر تیغ زرافشان جهان گرفت  
 جام جم من شراب و کرک صبحی پیروالو کی صبح نے مثل پادشاہ کی تلوار زرافشان سے جهان لولیا  
 اسین مخاطب مجذوف ہی مگر مرشد کامل کو سمجھنا چاہئے۔ اور مطلب یہ کہ اسی مرشد کامل صبح کے وقت جو کہ  
 فیض کا وقت ہی صبحی پیروالو یعنی عاشقوں کو ساغر جم من شراب دی کہ تیغ زرافشان سے  
 جس سے آفتاب کی طرف کٹنا یہ ہی پادشاہ کی طرح جهان کو لیلیا خلاصہ یہ کہ سورج بکل آیا۔  
 فرصت نگر کہ فتنہ چور عالم اوفتاد عارف بجام می زد و از غم گران گرفت  
 فرصت جان کہ جو فتنہ عالم میں پڑا عارف نے پیالہ من شراب لی غم سے گران ہوا  
 می بجام زد یعنی شراب جام من لوٹ لی مطلب یہ کہ عارف نے جو میرادل بسے جب حوادث  
 دنیا سے فرصت پائی تو عشق محبوب حقیقی میں مرا سرستوز ہو گیا۔ یعنی دنیا کے تعلقات سے جو باعث غم  
 عالم میں یکسوئی اختیار کر لی۔

زین آتش تہفتہ کہ در سینہ منست خورشید شعلہ الیت کہ در آسمان گرفت  
 اس پوشیدہ آگ سے کہ جو میری سینہ میں ہے سورج ہی ایک شعلہ ہے کہ جو آسمان پر چلا گیا  
 یعنی اسرار عشق و معرفت کی آگ کہ جو میں سینہ میں پوشیدہ رکھتا ہوں سورج ہی ایک شعلہ ہے جو آسمان تک چلا گیا ہے  
 حافظہ جواب لطف ز نظم تو میچکد غیری چکونہ نکتہ تواند بر آن گرفت  
 حافظہ جب آب لطف تیری نظم سے ٹپکتا ہی تو غیر کس طرح اوس پر نکتہ چینی کرے  
 مطلب یہ ہے توضیح طلب نہیں یعنی او حافظہ تیرا کلام لطیف و پاکیزہ ہو تو دشمن کی کیا مجال کہ اوس پر نکتہ چینی کی جائے کہ  
 خیال روئی تو در ہر طریق ہمرہ مات نسیم ہوئی تو پیوند جان آگہ ماست  
 تیرا خیال ہر طریق میں ہمارے ساتھ رہتا ہے تیری بوسے نسیم ہماری جان آگہ کا پیوند ہے  
 یعنی اسی محبوب اگرچہ ظاہر میں ہم تیری مشاعرہ روح افزا سے محروم ہیں لیکن جس جگہ اوجس طریق میں تیری روح  
 خیال سے مسرور اور محفوظ ہوتے ہیں تو ہمیں اور تجھے کسی حال میں غافل نہیں ہیں کیونکہ تیری زلف کی نسیم  
 ہماری جان سے کسی وقت جدا نہیں ہوتی۔

ہزار یوسف مصری فدا دہ درجہ ہست بہمن کہ سیب زرخندان اوچہ میگوید  
 ہزار دن یوسف مصری ہماری اس کنویں میں پڑی ہوئی ہے دیکھ کہ اوسکی سیب زرخندان کیا کہتی ہے

آسودہ برکنار چو پرکاری شدم . دوران چو نقطہ علم قبتم و میان گرفت  
 میر کار کنیز کنارہ پر آرام کرتا تھا . زبانہ کی آخر کار نقطہ کی لوح بکھو و میان میں کر لیا  
 اصطلاح ریاضی میں نقطہ او سکو کہتے ہیں جو قابل اشارہ جتنی تو ہو مگر قسمت پذیر نہ ہو یعنی  
 اس کے حصہ نہ ہو سکیں۔ لہذا حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ میں اس سے قبل عالم کے کنارہ  
 پر کاری مانند پھرتا تھا اور کسی چیز سے تعلق نہ رکھتا تھا مگر انجام کار زمانہ نے تعلقات

ہو او ہو میں مبتلا کر کے دائرہ محبت میں ڈال دیا۔  
 خواہم شدن بوی مغان آستین فشان زین فتنہا کہ دامن آخر زمان گرفت  
 بھگو کو بچہ مغان میں آستین جھاڑنی چاہو ان فتنوں سے کہ جنہوں کی آخر وقت میں دامن پکڑا  
 یعنی فتنوں سے کہ جنہوں نے آخر وقت میں میرا دامن پکڑا ہو کوئی مغان میں حلقہ عشق حقیقی میں  
 بھگو اپنی آستین جھاڑنی چاہو یعنی عشق حقیقی کر کے فتنہا کی مذکورہ سے قطع تعلق کرنا چاہئے۔ یعنی  
 منزل عشق معرفت میں پہونچ کر میں فتنوں سے پناہ حاصل کرونگا۔

بر برگ گل خون شقائق نوشتہ اند کا نکلے بختہ شدمی چون ارغوان گرفت  
 پہول کی پتی پر سرخ خون سے لکھا ہو وہ شخص جو کہ بختہ ہو او نوشہر اب غوانی پی  
 مطلب یہ کہ پہول کے پتے پر جو کہ اس پہول کے خون سے لکھا ہے وہی تاویل  
 کرتا ہے کہ جو شخص دانا اور سمجھ دار ہے اس نے شراب ارغوان سے جس سے  
 شراب سرخ یعنی شراب عشق حقیقی مراد ہے میل کیا۔ بختہ کو معنی بختہ معرفت میں پس جو شخص  
 بختہ ہو وہ خود اس بہید کو سمجھ لیگا۔

می خور کہ ہر کہ آخر کار جہان بدید از غم سبک آمد و رطل گران گرفت  
 شراب پی کہ جس شخص کی آخر کار جہان کو دیکھا غم سبک ہوا او بہاری وزن حاصل کیا  
 رطل گران سے عشق حقیقی مراد ہے اور مطلب یہ کہ شراب عشق الہی کے حاصل کرنے پر  
 کو شمشیر کر کے کہ جس سینہ پر انجام کار اس جہان کو آزار مایا تو اسکو معلوم ہوا کہ اس  
 کسی کو ساتھ حکام نہیں اور اسکا طالب سوا توحید و محنت و رکھہ اس سے حاصل نہیں کر سکا  
 پس تو ہی تعلقات دنیا سبک ہو جاو عشق حقیقی کر کے بہاری بہر کم بن۔



آپ چلنے پر رضا مند ہو۔ اور اسکے ساتھ چلے جیہ وقت کہ یوسف زلیخا کے ساتھ طعنہ مارنیو الیونکی  
کرہ میں داخل ہو کر زلیخانے اپنی سب مہمانوں سے کہا کہ تم اپنی اپنی چہروں سے اپنی اپنی سانسو کا میچ  
کاٹ کر کہاؤ پس جیہ وقت کہ اوہوں نے چہر یاں اوٹھا کر میو کاٹنے شروع کیں اسی وقت یوسف کو زلیخانے  
اونکو سامنے لاکر بٹھایا تھا وہ اکی صورت دیکھتے ہی ایسی بیہوش ہو گئیں کہ بجائی میوون کے سب بنے  
اپنی اپنے ماتہ کاٹ ڈالے باوجود کہ اوہوں نے اپنی آپ کو قابو میں رکھنے کی بہت کوشش کی تھی۔ مگر  
حسن و زیبائی کی تاثیر کبھی بے اثر نہیں ہوتی۔ زلیخا آپ کو پہرہ میں پہنچائی جہاں سے لائی تھی اور  
جب وہ طعنہ مارنیو الیاں ہوش میں آئیں تو اونکو معلوم ہوا کہ بجائے میوون کے اوہوں نے اپنے ماتہ  
کاٹ لئے تھے۔ زلیخانے کہا کہ تم تو مجھ پر طعنہ کیا کرتی تھیں تمہارا حال تو مجھ سے ہی بدرجہا بدتر ہو گیا کہ  
تم نے بجائی میوون کے اپنی ماتہ کاٹ لی میں یوسف کو روز دیکھتی ہوں لیکن میں نے کبھی اپنی اونگی سیر نہ کی  
غرض کہ سب زلیخا کے سامنے سر نہ امت جھکایا اور طعنہ زنی کرنا چھوڑ دیا۔

اگر زلف دراز تو دست ما ترسد گناہ بخت پریشان و دست کوتاہی  
اگر تیری زلف دراز تک ہمارا ماتہ نہ پہنچے ہماری قسمت پریشان کا گناہ اور ماتہ کی کوتاہی

تیری زلف جس سے جذبہ عشق حقیقی مراد ہی بہت لمبی ہے لیکن اگر ہمارا ماتہ و مان تک نہ پہنچے یعنی ہم تیرا  
عشق نہ کر سکیں تو اس میں زلف دراز کا کچھ قصور نہیں بلکہ ہماری بخت پریشان کی نارسائی اور کوتاہی  
خلاصہ یہ کہ تیری جذبہ بخت کا مانع نہیں ہے کسی استعداد پر محض یہ کہ چاہی وہ اوسکو قبول کرے یا نہ کرے  
بحاجب در خلوت سرائی خاص ہو فلان ز گوشہ نشینان خاک در گناہ  
خلوت سرائی خاص کے پردہ دار سے کہہ دی کہ فلان شخص ہماری در کی خاک کو گوشہ نشین ہو کر  
بصورت از نظر ما اگرچہ محبوب است ہمیشہ در نظر خاطر مر فہ ماست  
ظاہر میں اگرچہ ہماری نظر سے محبوب ہے مگر ہمیشہ ہماری نگاہ خاطر میں موجود رہتا ہے  
یعنی اگرچہ ظاہر میں محبوب حقیقی ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے لیکن باطن میں ہمیشہ ہماری دل کی نگاہ میں  
چاہا ہوا رہتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہم ہر وقت اوس دیکھتے رہتی ہیں۔

اگرچہ سائل حافظ درمی زند بکشا کہ سالہاست کہ اشتاق روی چون ما  
اگر فقیر کی طرح حافظ دروازہ کہ بکشا کہ سالہاست کہ اشتاق ہماری رخ روشن کا

سیب زرخندان ہی محبوب کا قہر آمیز لطف مراد ہی یوسف مصری کا اشارہ عاشقان الہی کی طرف سمجھنا چاہئے۔  
مطلب یہ کہ ای مخاطب دیکھ کہ اسکی سیب زرخندان (لطف قہر آمیز) کیا کہتا ہی یعنی یہ کہتا ہی کہ ہزاروں  
عاشقان صادق اور شائقانِ عاشق ہمارے چاہ میں پڑی ہوئی ہیں یعنی عاشق ہو گئے ہیں۔ چاہ زرخندان  
کی نکایت ظاہر ہے۔

بزرگم مدعیانی کہ منع عشق کنند جمالِ چہرہ تو حجتِ موجبہ ماست

مدعیوں کے زعم میں کہ جو عشق کو منع کرتے ہیں تیرا جمال و رخ ہمارے لئے ظاہری حجت ہی  
یعنی ای محبوب مدعیوں اور سنکروں کے زعم کے رو کر نیکو جو ہر عشق سے منع کرتے اور زبانِ طعنہ دراز  
کرتے ہیں خود تیرا جمال اور چہرہ منور ہمارے لئے عمدہ حجت ہی کہ ایسی زیبائیت اور رعنائی کا شکل و شمائل کا  
عشق کیسے چھوڑ دیں۔ واضح ہو کہ عارفانِ کامل ہر مخلوق کو ادیسکا منظر جانتی اور ہر شے سے ادیسکا جلوہ  
دیکھتے ہیں اسلئے یہ بات باوجود اسکی عشق کو کرتے رہنے کی پوری دلیل اور ظاہری حجت ہوتی ہے گو ظاہر میں  
لوگ اسکو نہ دیکھیں اور ادنیٰ زبانِ طعنہ دراز کریں۔

نقل ہے کہ جب زینبہ بنت جحش علیہ السلام پر عاشق ہوئی اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ اسکی ہاتھ سے چھوٹ گئی تو  
اسکی اقارب اور محبوں نے اسکی طاعت کرنا شروع کی کہ ای زینبہ کیا تجھ کو اپنی ایک زر خرید  
غلام پر ایسے بیباکانہ طور پر محبت کرتی ہو تو تم نہیں آتی زینبہ نے جواب دیا کہ تم مجھے چھوٹے مارو وہ ایسا  
خوبصورت ہے کہ اگر تم اسکو نہ دیکھو تو مجھے طعنہ زنی چھوڑ دو گی اور مجھ سے ہی ہو جاو گی اور سب نے  
اسکو محض ایک بیہوشی سے بھکھڑا کر دیا کہ زینبہ زبان کو روک خدا نکرے کہ تم مجھے ہون تجھے تو جنوں ہی تم  
تیرنی طرح پاگل ہو رہی ہو میں جو غلاموں پر جان دیتی ہوں۔ غرض کہ زینبہ نے اسکی انکار کا جواب  
دینے کے لئے سب کی دعوت کی اور طح طرح کے کہانی کہیں گئے اور ملک کو دستور کی موافق دسترخوان پر عالم  
نیبو ہی مہر چھوڑ کے کہہ دی تاکہ ہر مہمان اپنا بیوی بچہ ہی سے کاٹے اور کہائے۔ جب کہا نا چننا گیا اور سب  
عوامین ہی آگئیں تو زینبہ نے اسکی دیر تو وقت کر لیا کہ کھلی گئی اور یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچی  
اور نہایت عاجزی سے کہنے لگی کہ ای حسینانِ جہان کے سرتاج تم ذرا میری سائے چلنے کی تکلیف گوارا فرما کر  
مجھ کو زبانِ خلق کے طعنوں سے جو وہ تمہاری عشق کی بدولت مجھے کھولتی ہیں رہائی دلو اور میری بھولیوں کو  
اپنا جمال دکھا دو تاکہ وہ آئندہ مجھ کو پاگل نہ بنائیں۔ اول تو یوسف نے انکار کیا مگر زینبہ کے بہت سے اصرار

جنگلات یہ ہوتا ہے کہ عالم کو کسی بات کے ماننے کے واسطے بہت سی حجت کی یہی ضرورت ہوتی ہے۔ خلافت  
غیر عالموں کے کہ بلا حجت کے کسی بات کو مان لینے میں ہم اسکی مثال میں شیطان کو جو معلم الملکوت  
تہا پیش کریں گے کہ اوسو حضرت آدم کے پتلہ کو سجدہ کر نہیں خدا کے حکم کے خلاف بہت سی قانون کو بگاڑا  
اور فرشتوں نے فوراً سجدہ کیا مگر شیطان نے اپنی علم و فضل کے سبب ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اسی  
انکار پر وہ راندہ درگاہ الہی ہوا۔ لہذا اس دلیل سے بہت سا علم بھی حجابِ کبر ہی ہو جاتا ہے۔

بچشم عقل بین در جہان پر آشوب جہان و کا جہان بی ثبات و محبت  
جہان پر آشوب کو چشم عقل سے دیکھ کہ جہان اور جہان کا کام بی ثبات و بزموت ہے

یعنی ای محاط بذرا عقل سے سوچ کہ یہ دنیا اور اسکا کار و بار حسین تو ایسا تنہا اور مستغرق ہو رہا ہے  
بالکل ناپائدار اور بے عمل ہے پس اوس سے دل بستگی نہ کہہ اور معشوق حقیقی کے عشق میں ڈوب جا۔

دل امید فراوان ز وصل روی تو دست ولی اجل برہ عمر رهن عمل بہت  
میرادل تیری چیز کو وصل سے بہت سی امیدیں کہتا تھا لیکن اجل راہ عمر میں امید کی فراق ہو گئی

یعنی ای محبوب میں تیری وصل اور شاہدہ رخ کی بہت سی امیدیں رکھتا ہوں کہ ضرور رومی دوست کو  
دنیا میں مشاہدہ کروں گا لیکن یہ موت راہ عمر میں اون امیدوں کی رهن بن گئی یعنی اجل نے وہ سب  
امیدیں منقطع کر دیں کیونکہ جب میں اس دوروزہ عمر پر نظر کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ اوسکو کسی طرح کا تنہا کام  
نہیں۔ بس میں اس عمر چند روزہ میں ہو کر محبوب کا مشاہدہ کیسے کر سکوں گا۔

ز قسمت از لی چہرہ سیہ بختان بشست و شوی نگر و سپیدان مثل  
سیہ بختوں کا چہرہ تقدیر ازلی سے ہی باوجود ہونی اور صاف کر نیکی ہی سپید بن جاتا ہے

جو لوگ کہ ازلی سے بد قسمت اور سیہ بخت چہرہ رکھتے ہیں یعنی عشق حقیقی سے محروم ہیں اونکو مونہ شستہ  
یعنی جدوجہد کسی کے سیمانی بچانی سے ہی سپید نہیں ہوتے خلاصہ یہ کہ وہ عشق حقیقی حاصل نہیں  
کر سکتے جیسے اون سے کتنا ہی کہا جائے۔

بگیر طرہ مہ طلعتی و قصہ مخوان کہ سعد و بخش تاثیر زہرہ و زحمت  
کسی مہ طلعت کا طرہ پکڑا اور یہ قصہ نہ پڑھا کہ مخوان سہارک زہرہ کو زحمت کی تاثیر سے

یعنی ای طالب تو شوق سے زلف معشوق کو پکڑے اور یہ قصہ نہ سنا کہ یہ سعد زہرہ کی تاثیر سے ہے اور

یہ معشوق کا مقولہ ہے یا حافظ صاحب گو یا معشوق کی زبان سے فرمائی ہیں اور قریب کی طرف خطاب کر رہے ہیں  
باقی مطلب صاف ہے۔

دیرین زمانہ رفیق کی خللی از خلل است صراحی می ناب و سفینہ غزل است

جورفیق کہ اس زمانہ میں خلل سے مالی ہے صراحی می ناب اور سفینہ غزل کا ہے

اسکامرت یہ مطلب ہے کہ جو رفیق یعنی سالک اس زمانہ میں خلل دنیا و مافیہا سے پاک ہے اور سکو گویا شراب  
محبت کی صراحی اور حقائق و معرفت کے میان کی غزل یا اسکا سفینہ سمجھنا چاہئے۔

جریدہ رو کہ گذر گاہ غافیت تنگ است پیالہ گیر کہ عمر عزیز بی بدل است

تنہا چل کہ آسائش کی جگہ تنگ ہے شراب پی کہ عمر عزیز بے بدل چیز ہے

یعنی دنیا سے تعلق نہ کرنا اور تنہا رہ اس واسطے کہ جو راستہ آرام کا ہے وہ بہت تنگ ہے یا یہ کہ اوسمیں صرف  
تنہا کئے چلنے کی گنجائش ہے اگر تعلقات کے ساتھ اوسمیں ہو کر گزری گا تو تکلیف اوٹھائیگا۔ پیالہ شراب

عشق و محبت کا لے کہ عمر عزیز بیش قیمت چیز ہے یہ اگر ضائع ہو گئی تو ہر لڑکے کو نہیں آئیگی۔ کیونکہ عشق بزرگ رندی  
و تقویٰ جو کچھ کرنا ہو وہ دنیا ہی میں ہو سکتا ہے۔ موت کی بعد کچھ نہیں ہوگا اسی اعتبار سے عمر کو بے بدل چیز کہنا  
کہ زندہ سے ہی عشق حقیقی ہی ہو سکتا ہے مردہ سے کچھ نہیں ہوتا۔

نہ من ز بی علمی در جهان ملو لم و پس طالت علما ہم ز علم بی عمل است

بین ہی جہان میں بے علمی سے فو ل نہیں ہوں بلکہ علما کو بی علم سے عمل سے محرومی ہے

مطلب یہ کہ جہان میں صرف میں ہی بے علمی کی بدولت معرفت الہی سے محروم نہیں ہوا ہوں بلکہ علما کی  
محرومی ہی علم بے عمل ہی سے ہوئی ہے کیونکہ وہ علم جو بغیر عمل کے ہوتا ہے کوئی نفع نہیں پہنچاتا جیسے کہ

حدیث شریف میں وارو ہے اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ عِلْمٍ بَلَا عَمَلٍ یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا  
کہ بے عمل علم بے خدا کی پناہ۔ اور ممکن ہے کہ بے علمی کا اشارہ کثرتِ علم کی طرف ہو کیونکہ علم پر پوری طور کا

عمل کرنا دشوار ہوتا ہے قویہ مطلب ہوگا کہ میں ہی اکیلا کثرتِ علم سے بے معرفت نہیں رہ گیا بلکہ یہ عالم و  
فاضل بہت ہو لوگ جو معرفت سے محروم ہو رہے کثرتِ علم ہی کا سبب تھا کہ اَلْعِلْمُ مِحْجَابُ اللّٰهِ کا کتبہ بیان

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم ہی معرفت حق کا ذریعہ ہے چنانچہ شیخ سعدی صاحب فرمائی ہیں کہ بی علم تو ان خداوند  
اسکا جواب یہ ہے کہ اگرچہ علم ہدایت کا سبب ہے لیکن غرور و خود بینی اور تکبر وغیرہ ہی اسی سے پیدا ہو جاتی ہیں

ظاہری طور پر شعر گزشتہ سے تعلق ظاہری بلکہ باطنی غم آگاہی مطلب ہے کہ جس شخص نے دنیا میں آرام سے بسر کی آخر کار  
نتیجہ میں ندامت ہی اذیت ہائی یا یہاں سے نادم ہی ہو کر گیا خلاصہ یہ کہ دنیا کا کاروبار سوائی ندامت  
و پشیمانی کے اور کچھ انجام نہیں دکھاتا۔

ستم گزراں رخ خندان زبان لاف زنی  
پیش عشاق تو شہا بخرامت بر خاست  
بچنے والی شمع نے رخ خندان سے لاف زنی کی تیری عاشقوں کی سامنے سے پشیمان ہو کر اڑتے گئی  
عاشقین محبوب حقیقی اور جل جل کر تجھ جانی والی شمع کا مقابلہ ہو کہ گویا شمع نے شمع میں سے کر عاشقین  
زبان سے لاف زنی کرتی تھی لیکن تیرے عاشقوں کی سامنے سے شرم کہا کر اڑتے گئی۔

در چمن باد بہاری ز کنار گل و سرو  
بہو اداری آن عارض قیامت بر خاست  
چمن میں باد بہاری گل و سرو کے پاس سے اوس عارض وقہ کی ز اداری کے لئے اڑتا  
یعنی تمہا میں ہی اوس محبوب کا شناخون اور عاشق حسن و جمال نہیں ہوتا بلکہ باغ میں باد بہار بھی  
جو گل و سرو کی ہم صحبت رہتی ہے اوس عارض وقاست کی ہواداری کے واسطے مستعد ہو گئی۔ عارض کے  
مقابلہ میں گل اور قیامت کے مقابلہ میں سرو آیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ صرف میں ہی عارض وقاست پر  
فدا نہیں ہو گیا بلکہ باد بہار نے بھی گل و سرو کو جوڑ کر اداری کی ہواداری اختیار کی۔

ستم بگذشتی و از خلوتیان ملکوت  
بتماشائی تو آشوب قیامت بر خاست  
تو خلوت میں بیٹھ ہو فرشتوں کی پاس ہو کر گزرا تیرے دیکھنے کے لئے ہشتاد قیامت اڑتا

اس کا خطاب اگر خود متکلم کی طرف سمجھا جائے تو یہ مطلب ہے کہ تو باد نے عشق و محبت اور معرفت میں ایسا  
ہو کر گذرا کہ انسان تو انسان بلکہ گروہ ملائکہ میں بھی تیرے دیکھنے کا شور قیامت برپا ہو گیا یعنی تمام فرشتگان  
تیری ملاقات اور دیدار کے لئے ہجوم کر آئے اور نیز اس شعر سے معراج شریف کا ہی مضمون ادا ہوتا مگر ہے  
کہ جب ختم المرسلین محبوب دو عالم معراج کو شریف لے گئے تو تمام ساکنان عالم بالا آپ کے دیدار اور  
ملاقات کے لئے ہجوم کئے ہوئے تھے۔

پیش رفتار تو پا برنگرفت از خجلت  
سرو سرکش کہ بنا ز قیامت بر خاست  
تیری رفتار کے سامنے شرمندگی سے قدم نہ بڑھایا سرو سرکش نے کہ جونا ز کے قیامت ہوا  
اس شعر میں صرف تعلیل کی خوبی دکھائی گئی ہے یعنی سرو جو چل پہ نہیں سکتا تو اس کا یہ سبب ہے کہ تیری



وہ نامبارک زحل کے اثر سے۔ سعد و محس خوف ورجہ کے خیال سے ہوتا ہی عاشق کو ان جہگڑوں سے  
کیا غرض او نہیں صرف اپنی عشق سے مطلب رکھنا چاہئے طرہ کی تشبیہ زحل سے دی گئی ہے جو تاریک  
اور خوفناک ہوتا ہے اور تشبیہ طلوع کی زہرہ سے ہے جو روشن ہو کر تازہ ہے۔

خلل پذیر بود ہر بنا کہ می بینی مگر بنائی محبت کہ خالی از خلل است

جس بنا پر تو غور کرے وہ خلل پذیر ہے سوائے ایک بنائی محبت کی کہ جو خلل ہی خالی ہوتی  
مطلب یہ کہ زہد و تقویٰ کی یہ بنا و خلل پذیر ہوتی ہے یعنی اوسمین جلد خلل پڑ سکتا ہے مگر صرف ایک عشق  
حقیقی کی بنا، ایسی ہی کہ جس میں کسی طرح خلل نہیں پڑ سکتا اور نہ اس میں کسی خلل کی گنجائش ہے۔ اسکا  
مقصود عشق حقیقی کو ذریعہ و تقویٰ سے بڑھاتا ہے۔

ہر بیج دور نخواہند یافت ہشیارش چنین کہ حافظا مست بادۂ ازل است

کسی زمانہ میں او سکو ہشیار نہ پائیں گے ہمارا حافظ شراب ازل کا ایسا مست ہے  
منکروں سے خطاب ہی اور حافظ کہ اشارہ دل کی طرف یعنی او منکر و ہمارا دل بادۂ ازل جس سے مقصود  
عشق و محبت ہی ایسا مست ہو رہا ہے کہ کسی وقت ہی اسکو ہوش میں نہ پاسکو گے یعنی مست پرور است  
جو کبھی ہشیار نہ ہو سکے گا۔

دل و نیم شد و دلبر بلامت بر خاست گفت با ما نشین کن تو سلامت بر خاست

دل و دین میر گیا اور دلبر نے سلامت ہی اوٹھایا کہا کہ ہماری پاس نہ بیٹھ کہ تجھے سلامتی بر خاست ہوئی ہو  
عاشق متکلم اپنی ہمدون کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ مجھ پر چاری کے حال پر غور کرو کہ جو کچھ میری پاس تھا حتیٰ کہ  
دل و دین بھی او سپر نثار کر دیا تا ہم استغناء محبوب میری حال سے کم نہ ہوئی اور او نے یہ کہہ کر اپنی پاس سے  
اوٹھادیا کہ سلامتی تری ہے جس سے اوٹھتی جاتی ہے اسلئے تو ہماری پاس نہ بیٹھ۔ عاشق کی اتر حالت ہی مجلس  
معتشوقین میں خلل و لغت ہوتی ہے چنانچہ عام قاعدہ ہے کہ معشوق لوگ اپنی مجلس میں عاشقوں کا آنا پسند  
نہیں کرتے ہندوستان میں حافظ صاحب وہ ہی مضمون ادا کر رہے ہیں۔ حقیقی معنی کے اعتبار سے اس  
اوٹھ جانے کا اور عاشق کی وجہ سے سلامتی کے برخاستہ ہونے کا مطلب صرف استغناء محبوب حقیقی ہی تھا  
چنانچہ آگے کہتے ہیں کہ

کہ شنیدی کہ درین بزم می خوشی است کہ نہ در آخر صحبت بہ ندامت برخاست  
کب سناؤی کہ کوئی اس بزم میں اتروئی و در خوشی است کہ نہ در آخر صحبت میں ندامت سے نہ اوٹھایا گیا



یعنی موت کی امید مختصر یہ ہے کہ بہت جلد میں اس وجود جسمانی سے علیحدہ ہو کر تجہ میں جا ملوں گا اور تیرا  
وصل حاصل کروں گا۔

در عشق خالقہ و خرابات شریعت  
ہر جا کہ هست پر تو روی صلیب  
عشق کے لئے خالقہ اور خرابات کی شرط نہیں ہے  
جس جگہ کہ ہے روی صلیب کا پر تو ہے

یہ شعر جو اہل معرفت سے پہرا ہوا ہے اور ہر شخص اپنی عقل و فہم کی موافق اسکو سمجھ کر اس سے مخطوط ہو سکتا ہے۔  
گو ظاہر میں الفاظ ایک دوسرے کی ضد معلوم ہوتے ہیں لیکن اسکا مطلب ہمہ ادست و ہمہ از دست ہے یعنی  
عشق حقیقی کر نیکی واسطے خالقہ یا شراب خانہ کی شرط نہیں ہے خالقہ میں ہی وہی اور خرابات میں ہی وہی  
ہر جگہ اوسیکا جلوہ ہے کسی اور کا نہیں تو پہراو سکے عشق کے لئے خالقہ کی شرط کیوں کیجائی اور خرابات کی کیوں  
نہ کیجائی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ ز اہد شراب پیزی دی مسجد میں بیٹھ کر یا وہ جگہ بنا دی جان پر خدا ہنوا  
انجا کہ کار صومعہ راجلوہ میدہد ناقوس و دیرو راہب نام صلیب  
اوس جگہ کہ عبادت خانے کے کام کا جلوہ نظر آتا ہے  
سنگہ اور بتخانہ راہب اور صلیب کے نام ہیں

صومعہ بمعنی عبادت گاہ صلیب ایک سے کوئی لکڑی ہوتی ہے جسکو نصرانی زناہ کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ راہب  
نصرانیوں کا پارسانا ناقوس سنگہ کہ جسکو اہل ہندو بت پرست پرستش کے وقت بجایا کرتے ہیں۔ فارسی کی پڑائی شریعت  
اس شعر کا مطلب صاف نہیں کیا گیا شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ شارحین نے اسکو خلاف شریعت سمجھ کر وہ معنی نہیں لکھے مضمون  
شعر سے پیدا ہو رہی ہیں۔ چونکہ تصوف میں بعض اوقات شریعت کو دخل نہیں دیا جاتا اسلئے ہمارے خیال میں اسکا  
یہ مطلب ہے کہ ناقوس بتخانہ اور راہب کی صلیب گو بت پرستوں اور ترسیالوں کی عبادت کے علیحدہ علیحدہ طریقے ہیں  
لیکن ان سب ذریعوں سے اوسے ایک ذات کی پرستش ہوتی ہے بمعانہ میں ہی وہ ہی پوجا جاتا ہے اور کلیسا میں بھی  
وہ ہی برہمن ناقوس ہی اوسے کے واسطے بجاتا ہے اور راہب صلیب ہی اوسے کے واسطے باندھتا ہے۔ غرض ہر جگہ  
اوسکی پرستش ہوتی ہے۔ جب طالب نے اپنی اوسمطلب سے کمالی توا اسکو مسجد اور بتخانہ و کلیسا میں وہ ہی نظر  
آتا ہے اگر عبادت کے ظاہر ہی سامانوں پر نظر ڈالی جائے تو بڑا فرق ہے اور جو باطن کو غور کرو تو سب اسی کے  
دلدادہ ہیں۔ ہمیں اس شعر کا یہ مطلب بیان کر نہیں زیادہ پس پیش اس وجہ سے نہیں ہوا کہ اس سے اوپر کا شعر  
یہی اسی مضمون کا موید ہے۔

عاشق کہ شد کہ یار بجالش نظر نکرد  
ای خواجہ در دنیا نیست و گرنہ طیب  
کون ایسا شقی ہو کہ یار نے اوسکو حال پر نظر نہ کر لیا  
ای خواجہ در دہی نہیں در نہ طیب تو ہے جو دہر

رفتار کے سامنے خجالت سرگزی گھبراہٹ کی تعریف میں سرکش کا فضا سلئے لاتے ہیں کہ وہ سید اکبر استیلا  
جکتا نہیں جب اسکو قدیار سے تشبیہ دی گئی تو سرکشی کا اطلاق ہی عائد ہو گیا۔

حافظ این خرقہ بیند از مگر جان بری کاشن از خرمن سالون کر است  
حافظ اس جتہ کو پہنک مگر جان بچاے کہ آگ مکر و کرامت کی خرمن سے اوٹھی  
یعنی ای حافظ تو اس مکر و فریب کے جتہ کو پہنک شاید کہ اسی طرح سے تو اپنی جان نکال لیجادی اسو اسکو  
مکر و کرامت کے ہی خرمن سے آگ پیدا ہوتی ہے اور جتہ ان دونوں صفوں کا امن ہے پس اگر تجھ کو اپنی حالت  
اس مکر و فریب کی آگ سے بچانی ہے تو تو اس جتہ کو بھی پہنک دی۔

روی تو کس نیکو دید و نہارت قریب است در غنچہ ہنوز و صدت عند لیک است  
تیرا مونہ کسی نے نہ کیا اور ہزاروں قریب پیدا تو ابھی تو غنچہ ہی میں ہے کہ صد بلبلین موجود ہیں  
رقیب ہی مراد عام عاشقان الہی میں گو عاشقانِ کامل باہم ایک دوسرے سے مجازی عاشقوں کی طرح پیچ و  
عداوت نہیں رکھتے تاہم جب سب ایک ہی معشوق کے عاشق ہیں تو انکو قریب کہنا بجا نہیں نہ صرف ثانیہ میں ہی  
اسی مضمون کی توضیح ہے اور ہندلیب سے وہ ہی شیدا الہی مقصود ہیں لہذا مطلب یہ ہے کہ اگر محبوب حقیقی تیری  
صورت کو کسی نے نہیں دیکھا مگر ہزاروں رقیب پیدا ہو گئے اور نہ گل و حدت ابھی غنچہ سے باہر نکلا یعنی تو نے اپنا  
دیدار (جو قیامت کو دکھایا جائیگا) ابھی کسی کو نہیں دکھلایا کہ سیکڑوں بلبلین (عاشقانِ صاوق) غنچہ کے  
موتی ہو جانے (تیرے جہاں) کے مشتاق ہیں۔

چون من درین دیار نہراں غریب است گر آدم بکوی تو چند ان غریب است  
اگر میں تیرے کوچہ میں آیا تو چند ان عجیب نہیں کہ مثل میری اس دیار میں ہزاروں مسافر ہیں  
یعنی اگر میں تیرے غریب تیرے کوچہ عشق میں آگیا اور عشق کا دعویٰ کرتا ہوں تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ تیری کشور  
عشق میں ہزاروں عاشقوں والے دہر گشتہ پہرے میں خلاصہ یہ کہ ایک میں ہی تیرا عاشق نہیں ہوں بلکہ  
ایک عالم تیرے میدانِ محبت کا مسافر ہے۔

لیکن امید وصل تو ام غنچہ قریب است لیکن مجھے تیرے وصل کی امید غنچہ قریب ہی  
لیکن مجھے تیرے وصل کی امید غنچہ قریب ہی ہے لیکن مجھے تیرے وصل کی امید غنچہ قریب ہی  
مطلب یہ کہ باعتبار صورتِ جسمانیہ میں مجھے دور ہوں اور کوئی عاشق مجھے دور نہیں لیکن تیری وصل کی امید غنچہ کی

اس کا خطاب خود مشکل اپنی طرف کرتا ہی اور کہتا ہی کہ اسی سالک عاشق تیرا طالع سعید اور دولت مادر زاد تفرقہ  
ہجران اور جدائی مجرباب کے بعد ہر چمکا یعنی تجھے محبوب کا وصل حاصل ہوا۔ پس چشم بد و کہیں دشمن کہہ  
نظر نہ لگ جائے یعنی پر کہیں ہجر نہ ہو جائے۔

**شکر ایزد کہ درین باد خزان رخنہ نیفت** **بوستان سمن و سرو گل و شمشاد**

خدا کا شکر کہ اس میں باد خزان نے رخنہ نہ پایا تیری چنبیلی و سرو گل اور شمشاد کو باغ میں  
سرو گل شمشاد و غیرہ سے عاشق لوگ مراد میں کہ جو بعض اون میں سے محبوبیت کے مقام میں ہیں اور بعض محبت کے  
یعنی خدا کا شکر ہے کہ باد خزان نے جس سے جدائی اور ہجران کی طرف اشارہ ہی طالبوں اور عاشقوں کو دلوں میں  
رخنہ نہ پایا اور تبدیل تغیر اور کاہش نے اون کی عشق میں کسی قسم کا نقص پیدا نہیں کیا ہے۔

**حافظ از دست مدہ صحبت این کشتی نوح** **ورنہ طوفان حوادث ہر دنیاوت**

ای حافظ اس کشتی نوح کی صحبت کو ماتہ سندی ورنہ حوادث کا طوفان تیری بنیاد کو ہالچا گیا  
کشتی نوح اور طوفان کی رعایتیں ظاہر میں۔ مگر یہاں کشتی نوح کا اشارہ وجود مرشد کی طرف ہی اور مطلب صاف ہی  
کہ ای حافظ تو مرشد کی صحبت کو نہ چھوڑ ورنہ حوادث دنیا کا طوفان تیری بیخ و بن کو اوکھا ڈالے گا۔

**ساقی بیار بادہ کہ ماہ صیام نیست** **دردہ قح کہ موسم ناموس و نام نیست**

ای ساقی شراب لا کہ ماہ صیام گدزا پیالہ دے کہ ناموس و نام کا زمانہ گیا

مطلب یہ کہ ای مرشد یا ای وعدہ ایزدی شراب عشق و محبت دی کیونکہ رمضان کا مہینہ جس سے زہد  
و پارسائی کی طرف اشارہ ہی ختم ہوا اور ایام عید یا موسم بہار کہ زمانہ عشق کا ہی آیا پس پیالہ بلا کسوٹ  
اب ندگ و نام و عظمت و خود بینی کا وقت نہیں اب تو زندگی اور مستی کا زمانہ ہے حسین ناموس و نام کا

جلتے رہنے کا اندیشہ ہی نہیں رہتا۔

**وقت عزیز رفت بیاتنا قضا کنیم** **عمری کہ بی حضور صراحی و جام رفت**

پیارا وقت گیا آہا کہ اوسکی تلافی کریں وہ عمر کہ جو بغیر موجودگی صراحی اور جام و گلدی  
صراحی و جام بمعنی ذکر و سبب و ارادہ سبب جس سے عشق مراد ہی اور مطلب یہ کہ ای مرشد جوانی تو ہو ولیہ  
بیتبری اور بغیر حصول شوق و محبت کے گزر گئی اب کہ دوسرا زمانہ آیا پس تو شراب لگا کہ دل کہول کر اس قدر  
ہمیں کہ اس وقت کی تلافی ہی ہی ہو جائے۔

یعنی ای خواجہ جو شخص عاشق ہوا یا رہے ضرور اسکے حال پر نظر عنایت رکھی اصل میں حق بات تو یہ ہو کہ  
در نہیں ہے وگرنہ طبیب تو موجود ہی مرنیوالے ہی اگر نہوں تو میا کے زندہ کہے۔

فریادِ حافظ این ہم کہ خربہ زہ نیست ہم قصہ غریبِ حدیثی عجیب ہست  
فریادِ حافظ کہ یہ تمام آخر یہودہ سرانی نہیں نادر قصہ اور عجیب حکایت ہے

یعنی عشق کی داستان محض یہودہ سرانی نہیں ہے بلکہ عجیب قصہ اور نئی حکایت ہے۔

ساقیا آمدنت عید مبارک بادت وان مواعید کہ کردی نمود از یاد  
اے ساقی عید کا آنا تجھے مبارک ہو اور وہ وعدے کہ جو تو نے کئے تھے نہ ہو میں

اسکا مطلب صاف ہے کہ ای ساقی جو وعدے کہ تو نے کئے تھے اونکو عید کے دن فراموش نہ کر دینا۔  
در شگفتہ کہ درین مدت ایام فراق بر گرفتی ز حریفانِ دل و دین میداد  
مجھے تعجب ہے کہ اس ایام فراق کی مدت میں تو نے خریفان سے دل و دین لے لیا جو تجھے دیا  
یعنی مجھے تعجب ہے کہ تو نے ایام فراق کی مدت میں عاشقوں سے دل لیا حالانکہ وہ تجھ کو اس سے پہلے ہی دیتے تھے۔

برسانِ بندگی دخترِ زرگو بدر آئی کہ دمِ ہمت ما کرد ز بندِ آزادت  
ای دخترِ زرگو (مشتوق) بندگی پہنچا اور کہو کہ باہر آؤ کہ ہمارے دم کی ہمت ذبح تھے قید سے آزاد کیا

اسمیں مشتوق کا لفظ محذوف ہے دخترِ زر بندگی پہنچانکی اور محبوب سے باہر نکلنے کو کہنے کی فاعل سمجھی جائیگی یعنی  
ای شراب تو ہماری بندگی محبوب کو پہنچا اور کہو کہ باہر نکلے اور حریفان کے ساتھ بیٹھا شراب نوشی کر کے کسوٹھلے  
ہماری ہمت کے دم نے اسکو ننگ نام کی یا تنہائی کی قید سے آزاد کرایا اسمیں گویا مشتوق کی پرہیزگاری اور  
تنہائی کو دور کر نیکی اور عاشقوں کی پاس تک آنے اور اونکو ہم صحبت ہو نیکی تحریک کی گئی ہے۔

شادی مجلسیان در قدم و مقدم تست جالعی غم باد ہر آن دل کہ نخواہد شاد  
مجلسیوں کی خوشی تیری تشریف آوری سے ہے ہر وہ دل غم کی جگہ ہو جو کہ جو تیری خوشی نہ کرے

یہ شعر اوپر کے شعر سے قطع بند ہونا چاہئے اور مطلب یہ ہے کہ عاشقان جلسہ کی خوشی تیری تشریف آوری پر منحصر  
وہ دل جو تیرا نا پائیا تیرا خوشی نہ کرتا ہو خدا کرے کہ غم کا ہٹکا نابے۔

چشم بد و ز لری تفرقہ خوش باز اور طالع نامور و دولت ماورِ زادت  
چشم بد و ز لری تفرقہ سے پہر خوشی ٹوٹ آئی تیرا نصیب نامور اور تیری دولت ماورِ زادت

یعنی اسے زائدِ خلوت و تنہائی اور نیاز کو تو جان کہ یہ تیرا کام ہے عاشقوں کو تو روز ازل سے راحت و آرام حوالہ کیا گیا ہے۔

**نقد دلی کہ بود مرا صرف باوہ شد**      **قلب سیاہ بود از ان در حرام رفت**  
 جو نقد کہ دل کا تہا وہ شراب میں صرف ہو گیا      قلب سیاہ تھا اس وجہ سے حرام میں گیا  
 مطلب یہ کہ جب قدر نقد دل میری پاس تہا وہ سب شراب میں صرف ہو گیا۔ لیکن سہیں کہ مضائقہ نہیں  
 اس واسطے کہ قلب سیاہ اگر حرام میں صرف ہوا تو بجا اور بر محل ہو ایسی ہی چیز کہ ایسے ہی کام میں صرف ہونا ہی  
 چاہئے تھا۔ اسکو عرض کر نیکی ضرورت نہیں ہے کہ شراب سے عشق و محبت مراد ہی اور حرام شراب کی صفت اگر  
 عشق مجازی حفظ نفسانی کی غرض سے ہو تو وہ بیشک حرام ہو گا دل میں اگر عشق حقیقی ہو تو وہ صاف ہی  
 اگر مجازی ہے تو وہ سیاہ کہلا یا جائیگا۔ خند کے واسطے قلب او دل کے واسطے قلب سیاہ شراب کے لئے  
 حرام کا لفظ لای میں اور یہ سب رعایتیں خالی از لطف نہیں۔ اسکو علاوہ قلب سیاہ کہو ٹی سک کو بھی کہتے ہیں۔  
**دیگر مکن نصیحت حافظ کہ رہ نیافت**      **گم گشتہ کہ باوہ عشقش بکام رفت**  
 اور زیادہ حافظ کو نصیحت نہ کر کہ او سزاوار نہ پای      تو گم گشتہ ہو ادسکی شراب محبت کا مے ہے  
 یعنی اے ناصح حافظ کو زیادہ نصیحت نہ کر تو کہہ دیا گیا ہی اور یہ نہیں جائتا کہ جسکو شراب محبت سے کام ہے وہ نصیحت کو  
 نہیں مانے گا اسکو کہ عاشق کو نصیحت کرنا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔

**صبا اگر گزری افتد بکشور دوست**      **بیار نفخہ از گیسوی معبر دوست**  
 اے صبا اگر تیرا گزریار کے شہر میں ہو      تو دوست کے گیسوئے معبر سے خوشبولا  
 صبا کا کتنا یہ مرشد کی طرف ہو اور مطلب یہ کہ ای مرشد کامل اگر تیرا گزریار کشور دوست کی طرف ہو جس نے  
 عالم وحدت اور مشاہدات تجلیات مراد ہو تو ادسکے گیسوی معبر سے ہوڑی خوشبو (بیان حقائق و معارف)  
 ہم تک پہنچا دے اگر تو ایسا کرے تو۔

**بجان او کہ بشکرانہ جان برافشام**      **اگر گیسوی من آری پیام از بردوست**  
 ادسکی جان کی قسم کہ بشکرانہ میں جان دیدوں      اگر تو میرے پاس دوست کا کہ طرف سے پیغام پہنچاؤ  
 قسم اسی محبوب کی جان کی کہ میں اسکے شکرانہ میں اپنی جان تجھ پر شمار لڑا لون گا۔ یہ صرف  
 ادس خوشی میں کہ میری پاس دوست کا پیغام پہنچا۔

در تاب تو بہ چند توان سوخت پیچود  
فی وہ کہ عمر در سر سود ای خام رفت  
تو بہ کی شدت میں کب تک عود کی طرح جلین  
شراب لاکہ عمر سود ای خام میں گذر گئی  
یعنی ای ساقی ہم تو بہ کی تاب تو پشیم کب تک جلتی رہیں اب شراب دی کہ تمام عمر سود ای خام میں  
یعنی اوسے تو بہ کے خیال میں گذری چلی جاتی ہے۔

مستم کن انچنان کہ انم زیر خودی  
در عرصہ خیال کہ آمد کد ام رفت  
یعنی اتنا مست کر کہ پیچودی سے بجانوں  
عرصہ خیال میں کہ کون آیا اور کون گیا  
یعنی اسے ساقی خم معرفت یا ای مرشد کامل مجھے عشق الہی کی شراب سے اس قدر مست و پیچود کر دی کہ  
مجھے یہ خیال ہی نہ آیا کہ کون آیا اور کون گیا خلاصہ یہ کہ میں عشق الہی میں ایسا محو مطلق ہو جاؤں  
کہ دنیا میں کسی کی موت زلیست سے ہی علاقہ نہ رکھوں۔

بر بوی آنکہ جرعه جامی ببارسد  
در مصطبہ دعائی تو ہر صبح و شام رفت  
اس امید کہ جام کا کوئی گہونٹ ہلکوسے  
شراب خانہ کے اندر تیری دعا میں صبح و شام گذری  
مطالب صاف قابل شرح نہیں شعرد کورہ بالاک تو فیض ہے اور اس قسم کا مضمون کئی جگہ اس سے پہلے گذر چکا ہے  
دل را کہ مردہ بود حیاتی ز نور سید  
تا بوی از نسیم میش در مشام رفت  
دل کو جو کہ مردہ تھا از سہ نور زندگی ملی  
جبکہ اوسکی نسیم کی بود ماغ میں پہونچی  
مطالب یہ کہ جب اوسکی جی محبت کی بومیرے مشام جان میں پہونچی۔ تو گویا دل جو لبیب زہد و تقویٰ کے مردہ  
ہو گیا تہائے سوسے زندہ ہوا۔

ز اہد غرور داشت سلامت بزدراہ  
رند از رہ نیاز بدار السلام رفت  
ز اہد جو کہ مغرور تھا منزل پر سلامت نہ پہونچا  
رند طریقہ نیاز بندی سے دار السلام میں پہونچ گیا  
مطلب یہ کہ ز اہد جو کہ غرور عبادت کے منزل پر سلامتی سے نہ پہونچا یعنی اوسکا خاتمہ بخیر نہ ہوا اور رند مقام  
عجز و نیاز اور تصور کلی نہ امت کی وجہ سے داخل جنت ہوا اگر رند سے عاشق صادق مراد میں تو دار السلام کے  
بہت مقام وصال حقیقی (جسکو بقا باللہ کہتے ہیں) کے ہون گے۔

ز اہد تو دان خلوت و تنہائی و نیاز  
عشاق را حوالہ بعیش مدام رفت  
از اہد خلوت و تنہائی اور نیاز کو تو جانے  
عاشقوں کو عیش مدام حوالہ کیا گیا



خلاصہ یہ کہ دوست کے نزدیک ہم ایسے حقیر ہیں اور ہماری نزدیک دوست کا ایسا بڑا مرتبہ ہے  
 چہ باشد از شہود از قید غم و تشنہ آید چہ هست حافظ مسکین غلام و چاکر دوست  
 کیا تعجب ہر جو اپنے دل کی غم کی قید سے آزاد ہو جائے کیونکہ حافظ غریب دوست کا چاکر اور غلام ہے  
 یعنی جب حافظ اپنے دوست کا ایک کتر چاکر اور ادنیٰ خدمت میں ہے تو کیا تعجب ہے کہ وہ اس کے طفیل میں  
 غم دل کی قید سے یعنی جبر سے آزاد ہو جائے خلاصہ یہ کہ دوست کو وصل پر اور سکا حق ہر اگر میر ہو جائے تو  
 تعجب ہی کیا ہے۔ اور وصل کے بعد غم ہی نہ رہے گا۔

غمش تا در دلم ما و اگر فتنہ است سرم چون زلف او سودا گرفتہ است  
 جب میری دلم میں میری دل میں جگہ لی ہو میرے سر کو اس کی زلف کی طرح سودا ہو گیا ہو  
 یعنی جس روز سے کہ میں نے اس کا عشق کیا ہر اوس کی زلف کی طرح پریشان ہون خلاصہ یہ کہ سرگرائی  
 میری اوس کی زلف کے سودے کی بدولت ہے۔

لب چون آتشش آب حیات است از ان آب آتشی درہ ما گرفتہ است  
 اوس کا لب آتش نما آب حیات ہے اوس آب سے ہماری اندرون میں آگ ہو گئی  
 یعنی محبوب کا لب سرخ ہو مثل آتش کہ ہے آب حیات کا حکم کہتا ہے مگر اوس ہی آب حیات کے اثر سے ہماری اندرون  
 جسم میں سوز و گداز پرا ہوا ہے معنوی اعتبار سے آب کا کنایہ اسم متکلم کی طرف اور آتش بہ لحاظ خورنری کے  
 لائے ہیں جب کہ اسم متکلم نے منظور پر تجلی کی تواد سننا انا الحق کا دم بہرا۔ اور مارا گیا آب حیات بقاء و جلاوت  
 کے اعتبار سے ہر مصرعہ ثانی کی آتش کا اشارہ تجلی اسم متکلم کی طرف کہ جو مثل آتش اور آب حیات کے ہے  
 یعنی سالک کی فنا و بقاء کا سبب ہے پس اوس آتش نے ہماری سینہ میں گہر کیا اور ہم کو حالت فنا میں  
 پہونچا دیا۔

ہمائی ہمت عمر لست کز جان ہو امی آن قد بالاک گرفتہ است  
 میری ہمت کے ہمارے مدت ہوئی کہ جان سے ہوا اوس قد بالاک کی سننے لی ہے  
 مطلب یہ کہ میری ہمت نے دل و جان سے اوس محبوب حقیقی کے عشق کو جس کے قدر عنایتی امتداد ظہور نے  
 تمام عالم پر سایہ ڈالا مدت ہوئی کہ قبول کر لیا ہے پایہ کہ میرا عشق از لی ہے چند روز سے نہیں۔  
 قد بالاک اعتبار سے ہمارا کالفاظ لایں ہیں یعنی میری ہمت نے تیری قد بالاک پر ہو کر گذر نیکی خواہش کی۔

حضرت نباشد بار برای دیدہ بیاور غباری از در دست  
اور جو اوس جناب تک تو بار نہ پاسکے تو آنکھوں میں لگانیکے واسطے اوسکو در کاغذ ہی لپیٹی ہو  
یعنی اگر اس جناب میں جو بڑی عالیشان ہے تر اگزر نہو سکے تو اوسکے در کاغذ ہی لپیٹی آئیو جسکو آنکھوں میں  
لگا کر مر حلقہ عشق طے کرن۔

من لکد او تمنائی وصل او ہیہات مگر خواب بہ عینم جمال و منظر دست  
مین فقیر اور اوسکے وصل کی آرزو افسوس مگر اوسکے جمال کا منظر خواب میں دیکھتا ہوں  
مطلب صاف ہی تشریح کی ضرورت نہیں۔ جاننا چاہئے کہ اس عالم میں خدا کا جمال عارفان کامل کو کئی طرح پر  
نظر آیا کرتا ہے۔ ایک تو صنعت سے اوس صانع کا مشاہدہ ہوتا ہے دوسری خواب میں۔ کبھی مشاہدہ قلبی ہی ہوتا ہے  
مگر اسکے واسطے کوئی خصوصیت نہیں کہ آیا سب کو ایک ہی صورت نظر آتی ہے ممکن ہے کہ ویت حق سبحا  
تعالیٰ مختلف ہو بہر حال جب عارف مرتبہ عشق پر پہنچ جاتا ہے تو اوسکو اوسکی استعداد کی موافق مشاہدہ  
تجلیات ہوتا ہے خواہ وہ قلبی ہو یا خیالی یا صنعتی صنعت سے صانع قدرت کا جمال دیکھنے کا یہ مطلب ہے کہ  
یہ تمام چیزیں جو ہکو نظر آتی ہیں انکی ایسی صورت ظاہر بیون کے واسطے ہر در نہ جو دیدہ باطن رکھتی ہیں  
اونکو اسکے سوا کچھ اور ہی معلوم ہوتا ہے۔ فرض کیجئے کہ کسی درخت کا کوئی پتہ جو ظاہر بیون کو پتہ نظر آتا ہے  
وہ دیدہ بینا کہنے واسطے عارفون کو کچھ اور ہی دکھائی دیتا ہے مگر ہماری آنکھیں جو باطن میں نہیں وہ  
اوسکو محض ایک ناچیز پتہ خیال کرتے ہیں جبکہ عارفان کامل اس مشاہدہ الہی کا لطف او ٹھکتے ہیں یلی  
جو باعتبار اپنی نام کے سیاہ فام اور کچھ ہی خوبصورت نہ تھی مجنون کی آنکھوں کو تمام دنیا سے زیادہ  
خوبصورت دکھائی دیتی تھی اس سے صاف ظاہر ہے کہ مطلوب کو دیکھنے کو طالب کی آنکھوں کی ضرورت  
ہوتی ہے نہ کہ غیر عاشق کی آنکھوں کی۔

دل صنوبر بریم بچو بید لرزان بہت ز حسرت قد بالائی چون صنوبر دست  
دل صنوبر میرا مثل بید کی کائنات ہے دوست کے قد بالا صنوبر شمال کی حسرت سے  
صنوبر کو قدیار سے تشبیہ دیتے ہیں لیکن اوسکے پہلوں کو دل سے ہی تشبیہ دیجاتی ہے۔ مطلب شعر کا یہ ہے کہ  
میرا دل جو صنوبر کے پہلو کی طرح ہے قدیار کی حسرت میں بید کی طرح لرزان اور پریشان رہتا ہے۔  
اگرچہ دوست بخیر می خرد مارا بعالمی نفوس ہم موی از سر دست  
اگرچہ دوست ہکو کہ قدرتی غرض میں نہیں جڑتا مگر ہم دوست کی مرے بال کو ایک عالم کی عورت کی طرح

وَأَنَا عَاشِقٌ ذُو فَحْتٍ لَكَ كَيْ سَالِكٍ نَوَازِمْ سَمِ كِهَا كُتُونَا زَنَكُورِ مَزُورِ نِهْ كُورِ اَمِ بَارِغِ دُنْيَا مِ  
تُو جِیسے بَست سے پھول کیلے آفر کارِ موت کی بادِ خزان سے معدوم ہو کر سب معدوم میں یکساں ہو گئے۔

گل بچندید کہ از راست زرنجیم ولی  
پہل ہنسا کہ میں پر ح بات سوزدہ نہیں ہوتا لیکن  
چونکہ سالک مقام محبوبیت میں تھا یہ سکر ہوا اور اسے کہا کہ جو کچھ تو نے فرمایا یہ بالکل صحیح ہے اور میں بھی  
بات سے رنجیدہ نہیں ہوں گا لیکن تو نے جب مجھ کو اپنی محبوبیت میں سرفراز کیا ہے تو یہ مت کہو اس واسطے کہ  
کوئی عاشق اپنی معشوق سے تلخ بات نہیں کیا کرتا۔

لوہی عاصی اپنی معصوم سے بیخ بات ہین لیا را۔  
 اگر طمع داری از ان جام مصححی لعل  
 اگر تو اس جام مصحح سے محی لعل کی طمع رکھتا ہے  
 جام مصحح سے مراد مرشد کامل۔ محی لعل اسرار حقیقت و معرفت۔ مطلب یہ کہ اگر مرشد سے اسرار معرفت و حقیقت  
 معلوم کرنا چاہے تو اپنی نوک قرہ سے درگاہی سیخ پر دینی راو۔

تا ابد بوی محبت بمشامش نرسد ہر کہ خاک در میخانہ بر خسار گرفت  
قیامت تک ہی او کو مشام میں محبت کی بو نہ پہونگی جسے کہ میخانہ کو در کی خاک رخساروں سے نہ جھڑی  
میخانہ سے مراد منزل عشق اور محبت سے عبارت محبت الہی ہے یعنی حشر تک ہی او کو مشام میں بوی محبت نہ پہونگی  
جسے عشق کو حاصل نہیں کیا ہے۔

در گلستان ارم و دوش چو از لطف ہوا  
زلف سنبل ز نسیم سحری می آشفست  
کل باغ ارم میں جب لطف ہوا سے  
سنبل کی زلف نسیم سحری پریشان ہوئی  
گفت امی مسند جہم جام جہان بنیت کو  
گفت افسوس کہ آن دولت بنیدار گشت  
مین نے کہا کہ اے مسند جہم تیری جام جہان کو کیا ہوا  
کہا افسوس کہ وہ دولت بنیدار سو گئی  
مطلب یہ کہ کل جس سے زمانہ گذشتہ مراد ہی باغ ارم میں وجود سالک نسیم سحری سے جس سے مقام محبت  
مقصود ہے پریشان ہوا تو میں نے اس سے کہا کہ اے مسند نشین شاہ جمید تیری جام جہان میں یہ بھی  
اوس مقام محبوبیت کو کیا ہوا تو اس نے یہ جواب دیا افسوس کہ وہ دولت بنیدار جبکہ علیہ اوس مقام  
محبوبیت کی طرف ہی سو گئی اور یہ مقام محبت میں کہ جو سراسر رنج و الم کا باعث رہی پہنچن لگا۔ خلاصہ یہ کہ

مستدم عاشق بنالائی بلندش کہ کار عاشقان بالا گرفته است  
 میں اس کے قد بلند کا عاشق ہوا ہوں اس واسطے کہ عاشقوں کا کام چوٹی کو پہنچنا ہی  
 بالاسے دراز ذات محبوب حقیقی اور مطلب یہ کہ میں اس محبوب حقیقی کا عشق کیا ہی جس کا مرتبہ سب سے بڑا ہے  
 یعنی سب اس کو بنا دی ہو میں چونکہ عاشقوں کا کام انتہا کو پہنچنا یا کسی بڑے سے بڑی کی خواہش کرنا ہوتا ہے  
 اس وجہ سے میں نے سب سے بلند کا عشق کیا۔

چو ماورسایہ الطاف اودیم چہر او سایہ از ما و اگر فتنہ است  
 جب ہم اس کے الطاف کے سایہ میں ہیں تو کسو اس کی اونٹنی اپنا سایہ ہم سے لے لیا ہے۔  
 مطلب صاف یہی ہے کہ جب ہم اس کے الطاف کے سایہ میں ہیں تو نہیں معلوم کہ کس لئے وہ مجھے ملتفت نہیں شاید  
 اس میں کو مصلحت ہو۔

نسیم صبح غنبر نوبست امروز مگر یارم رہ صحر اگر فتنہ است  
 آج نسیم صبح معطر ہو رہی ہے شاید کہ میری محبوب نے راہ جنگل کی لی  
 نہ در یامی دو چشمم گوہر اشک جہان در نولوی لالہ گرفتہ است  
 میری چشم کے دو دریاؤں سے گرا اشک نے جہان میں گوہر آباد کر رکھے۔  
 یعنی میری آنکھیں بے یار میں اتنا روئیں کہ جو اشک او بے گریہ وہ چمکدار موتی بنے اور جہان کو ان سے لیلیا۔

حدیث حافظ ای سرو سمن بو بوصف قدر تو بالا گرفته است  
 اے سرو سمن بو حافظ کے اشعار نے تیرے قدر کو تو بالا گرفتہ کر لیا۔  
 مضاف یہ محتاج شرح نہیں کہ اشعار حافظ کو جو عروج یا شہرت حاصل ہوئی وہ صرف اس وجہ سے ہوئی کہ وہ تیرے  
 نغمے کے وصف میں شعر کہا کرتا ہے۔

صعود مرغ چمن با گل نوحہ گفست ناز کم کن کہ درین باغ بسی چونتو شکفت  
 صبح کے وقت مرغ چمن نے گل نوحہ گفست ناز کم کر کہ اس باغ میں تیری طرح بہت سی شکفت ہوئی ہیں  
 جانتا چاہئے کہ نوحہ سب سے اعلیٰ بعض سالکوں کو اول مقام محبوبیت میں لا کر بعد کو مقام محبت میں پہنچاتا ہے  
 اور بعض کو اسکے عکس بنا کر حافظ اول الذکر سالک کی خبر دیتے ہیں یعنی صبح کے وقت کہ احوال کی ابتدا ہے  
 مرغ چمن لاہوتی نے جس کا کنایہ ذات واجب الوجود سے ہے بموجب یا عبادی انت فی عشقی و محبتی

یعنی راہ عشق میں رنجیدہ خاطر کی کو دخل نہیں دینا چاہئے شراب لانا کہ اس کو پی کر باہم لمبائیں اور  
پُرانی کدورتوں کو ایک قلم صفحہ خاطر سے مٹ دین اس کا مخاطب اپنی زمانہ کا سالک طریقت ہے لہذا  
حافظ صاحب اپنی مخاطب کو فرما رہی ہیں کہ جو کچھ ہی کدورت دیرینہ یا جدیدہ ہم تم میں ہو وہ سب کو شراب  
محبت الہی پیکر صاف کر لو عارفان کامل کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ آپس میں جیسا کہ مقتضای بشریت ہوازدگی  
کو دخل دین چاہے یہ آزدگی کسی بنا پر ہوتا ہم اس کی صفائی ہی کر لینی اچھی چنانچہ دوسری جگہ ایسی یوں  
کہتے ہیں کہ سے وفا کنیم و جفا کشیم و خوش باشیم کہ در طریقت کا فریبست رنجیدن :-

عشق بازی را تحمل باید ایدل یا نادر اگر بلای بود بود و گرفتاری رفت  
ایدل ثابت قدم رہ عشق بازی کو بردباری چاہو اگر مصیبت آئے دی اور اگر خطا ہوئی ہو جاؤ دی  
مطلب یہ کہ عشق بازی میں استقلال چاہئے ایدل ثابت قدم رہ اگر کوئی مصیبت یا رنج ہو پوچھو یا کوئی خطا  
سہ زد ہو جائے تو تو اس سے بدل نہ ہو بلکہ خطا کی معافی مانگ کر مصیبت سے شوق چیلے جاؤ عشق کئے جاؤ تادمی  
کے یہی معنی ہیں کہ ان سب باتوں کو رفت گذشت کر دیا جائے اور اپنی لومف محبوب حقیقی سے لگا بی جاؤ۔  
از سخن چنان ملا متہا پدید آید ولی چون میان ہم نشینان ماجرای رفت  
سخن چین لوگون سے رنج ہوئے چین لیکن ہم نشینوں میں جو کچھ ماجرا گذرا گذرا  
عیب حافظ کو مکن ز اہد گرفت از خفاہ پائی آزادان چہ بندی گزرجائی رفت  
اگر اہد حافظ پر عیب نہ لگا کہ خفاہ سے چلا گیا آزاد لوگوں کا تو کیا پاؤں باندہ سکتا ہے جس جگہ گنگو  
ز اہد کی طرف خطاب ہو کہ ایز اہد تو حافظ پر اس بات کا الزام نہ رکھ کہ وہ خفاہ سے نکل کر میخانہ جا پوچھا  
حافظ مست عشق اور آزاد ہے جس جگہ اس کا جی چاہے گا چلا جائیگا تو آزاد لوگوں کے پاؤں میں رہی کیسے  
ڈال سکتا ہے بندہ عشق کو کسی صومو او خفاہ سے کیا غرض۔

بکوی میکدہ ہر سالکی کہ رہداشت در و گردن اندیشہ تہہ دانست

جس سالک کو میخانہ کے کوچہ کی راہ معلوم ہے دوسری دروازہ کو کھٹکھٹانے میں اندیشہ تہا ہی کا

میکدہ سے منزل عشق حقیقی مراد ہے اور مطلب یہ کہ جس سالک نے عشق حقیقی کی منزل کو معلوم کیا ہو وہ بدو  
کہیں نہیں جائیگا اس واسطے کہ سوائے عشق الہی کے اور کسی کا عشق کر نہیں تہا ہی اور تہا ہی کا اندیشہ ہے اور  
یہ بات بھی سالک کو معلوم ہے۔

مقام محبوبیت مجھے جاتا رہا اور نغم محبت میں بہہ نچنے کا وقت آیا۔  
 سخن عشق نہ آنست کہ آید زبان  
 ساقی نامی وہ دو کو تاہ کن این گفت و  
 عشق کی باتیں وہ نہیں کہ زبان پر آسکین  
 ای ساقی شراب دی اور یہ کہنا سننا ختم کر

مطلب صاف ہی محتاج شرح نہیں۔  
 اشک حافظ خرد و صبر بدریا اندا  
 چہ کند سوز غم عشق نیارست نہفت  
 حافظ کے اشک نے عقل اور صبر کو دریائیں ڈال دیا  
 حافظ کی اشکبازی نے اس کی عقل اور صبر دونوں کو دریائیں ڈبو دیا یعنی حافظ بے صبر ہی ہو گیا اور معقل ہی  
 پس اسی وجہ سے عشق بازی میں مشہور اور شراب نوشی میں رسوا عالم ہوا مگر وہ کیا کرتا جبکہ سوز غم عشق  
 نہ چھپا یا جاسکتا ہے اور نہ ضبط ہو سکتا ہے۔

گر ز دست زلف مشکین خطائی رفت  
 وز زہندی شما بر من جہای رفت  
 اگر تیری زلف مشکین کی ہاتھ سے خطا ہوئی ہوئی  
 اور تمہارے ہندو سے ہم پر جفا ہوئی ہوئی دو  
 زلف مشکین کا کنایہ جذبہ عشق اور بجلی قہاری کی جانب سمجھنا چاہئے۔ خطائی رفت یعنی عالم کو قتل کر دیا یا با دیہ  
 حیرانی میں سرگردان و پریشان کیا ہندو کا اشارہ پہر اسی زلف مشکین کی طرف ہی یعنی اگر اوس تمہاری  
 زلف نے میر جفا کی تو کچھ پروا نہیں عاشق ان سب کی جفائیں سہنے کے لئے ہی ہوتے ہیں۔

برق عشق از خرمن لیشمہ پوئی سوخت  
 جو شاہ کامران گبر گدائی رفت  
 عشق کی بجلی نے اگر خرمن لیشمہ کو جلایا۔ جلایا  
 شاہ کامران کا ظلم اگر فقیر پر ہوا ہو جانے دو  
 برق عشق اصناف بیانیہ خرمن لیشمہ پوش سے وجود عاشق مراد ہے۔ شاہ کامران کا اشارہ محبوب حقیقی کی  
 جانب مطلب صاف ہے کہ اگر برق عشق نے وجود عاشق کو سوختہ کر دیا تو کرنے دو کچھ پروا نہیں اور اگر  
 محبوب حقیقی نے عاشق ناچیز پر استغنا اور بے التفاتی روا رکھی تو رکھنے دو کچھ تعجب نہیں اس واسطے کہ  
 ع کار عاشق خون چل بر پائی جانان رختن کا کار عشوقان نمک بر زخم پنهان یعنی نہ ہو اگر تیرا ہی  
 گردم از غمزدہ دلدار بازی بر و برود  
 جان اور جانان کے درمیان جو کچھ ماجرا گذرا  
 اگر میرا دل غمزدہ دلدار سے بازی لگیا لگیا  
 در طریقت رنجش خاطر نباشد می بسیار  
 جس کدورت کو تو دیکھنے تیشل صفائی رفت  
 طریقت میں رنجش خاطر نہیں ہوتی شراب لا



ساتی سے مراد معشوق نرگس ساتی سے چشمِ ساتی جسکا اشارہ تجلی ذاتی یا جذبہ عشق کی طرف ہر ترک  
سیدہ دل سے وہ ہی چشمِ ساتی باعتبار استغنا مقصود ہے اور مطلب یہ کہ میری دل نے اس محبوب کو عشق سے  
اپنی جان کی امان بچا ہی یعنی امید زندگی کی نہ رکھی اس واسطے کہ وہ خوب جانتا تھا کہ عشق میں ہوا پر جان کو دیکھو  
اور کوئی چارہ ہی نہیں ہوتا۔

ورامی طاعت دیوانگانِ زما **مطلب** کہ شیخِ مذہبِ ماعاقلی گنہ دانست

بجز طاعت دیوانگان کے ہم سے نہ ہو جو بندہ کہ ہمارے مذہب کا شیخ ہشیاری کو گنہ جانتا ہے  
طاعت دیوانگان سے اعمال بے ریا مراد ہیں اور عاقلی یعنی ہشیاری جسکا اشارہ اون اعمال کی طرف ہے کہ  
محض حصولِ جنت اور ثواب کی غرض سے کئے جاویں۔ باقی مطلب صاف ہے کہ ہمارے پاس ہوا پر دیوانوں کی سی ہنگامی  
کے اور کچھ نہیں ہے اس واسطے کہ ہمارا مشہد جسکے ہم مذہب میں ہیں اون اعمال کو جو بغرض حصولِ جنت  
کئے جاویں گناہ سمجھتا ہے۔

واضح ہو کہ عاشقانِ صادق عبادت کو اسلئے پسند نہیں کرتے کہ وہ حصولِ جنت کو واسطے کی جاتی ہیں اور انکا  
مذہبِ موفت الہی ہے جسکا نشانہ فنا فی اللہ ہو کر بقا باللہ ہو جانا ہے۔

زجر کو کب طالعِ سحر گہانِ چشم چنان گریست کہ خورشید دید و نہ دانست

کوکب طالع کے ظلم سے صبح کو میری آنکھ اس قدر روئی کہ سورج کو دیکھ کر چاند جانا  
ستارہ نصیب کو جو سے یہ مطلب ہے کہ نصیب کی ستارہ ہی نے معشوق سے جدا کر کے مجھے ظلم کیا اس ظلم کے  
سبب میری آنکھیں صبح کو اس قدر روئیں کہ تیرا گھٹن یا اونکی مینائی ایسی کمزور ہو گئی کہ جب صبح کو سورج نکلا تو  
مجھ کو چاند معلوم ہوا۔ اس اعتبار سے کہ جب آنکھوں کی بصارت میں دھندلاہٹ آجاتی ہے تو سورج کی شکل  
جسے آنکھیں اوسکو دیکھنے کی برداشت نہیں کر سکتیں نظر نہیں آتیں اور وہ خیرگی شعاعوں میں نہیں معلوم  
ہوتی کہ کہیں کے وقت اکثر کاج سے ٹکڑی پر سیاہی لگا کر سورج کو دیکھا کرتے ہیں تو وہ ایک روشن قرص  
نظر آتا ہے اور بلا اس نرگس کی نظر اوپر نہیں ٹھہر سکتی۔ چنانچہ حافظ صاحب کے شعر کا یہی مطلب ہے۔

خوش آن نظر کہ لب جام و روی ساتی ہلالِ شبِ مہ چہار و دانست

وہ نظر اچھی کہ جس نے کنارہ جام اور رخ ساتی کو پہلی شب کا ہلال اور چہرہ میں رات کا چاند جانا  
اس شعر میں صنعتِ لفظِ تشریح یعنی وہ نظر کیا ہی اچھی ہے کہ جس نے پیالہ کے کنارہ کو ہلالِ شبِ اول اور رخ ساتی کو

زمانہ افسرِ رندی نداد جز بہ کسی کہ سرفرازی عالم درین کلمہ داشت  
 زمانہ سے رندی کا تاج سوائے اوس کے کسی کو نہ دیا کہ جس نے سرفرازی عالم کی اس پہلاہ میں بھی  
 بر آستانہ میخانہ ہر کہ یافت رہی ز فیض جام می اسرارِ خانقاہ دانست  
 جس نے شراب خانہ کے آستانہ پر راہ پائی تو اوسنی جام شراب کے فیض سے خانقاہ کو بہید لازم کر  
 شراب خانہ سے مراد منزلِ عشق اور جام می سے مراد مرشد کامل ہے یعنی جس شخص نے عشق الہی کر نیکے لہر شد کامل  
 کے محبت سے فیض اوٹھایا دے تمام بہید خانقاہ کے جو عابدوں کا مقام عبادت ہی معلوم کر لئے۔  
 نقل ہے کہ کسی شخص کا جنازہ ایک بزرگ کے دروازہ پر ہو کر گزرنے لگا۔ بزرگ نے اپنی خادمہ سے کہا کہ  
 دروازہ پر جا کر یہ خبر لے کہ یہ جنازہ عورت کا ہی یا مرد کا۔ چنانچہ کینز فوراً دروازہ پر آئی اور دیکھ کر واپس  
 چلی گئی جب اوس سے پوچھا کہ تو نے دیکھا جنازہ مرد ہی یا عورت کہنے لگی کہ یہ تو میں نہیں جانتی کہ مرد ہی یا عورت  
 مگر یہ مجھ کو خوب معلوم ہو گیا کہ جنازہ دوزخی ہے یا قاتل کہہا کہ مجھے برسوں عبادت کرتے گزر گئے میں تو یہ پہچان ہی  
 نہیں سکتا کہ کون دوزخی ہے اور کون جنتی تو نے کیسے پہچانا تو بڑی نے جواب دیا کہ اسی شیخ یہ بات عطیہ ہی  
 جو زہد و اتقا سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ معرفت سے حاصل ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ عشق وہ مقام ہے جہاں کفر و اسلام سب یکساں ہیں ۵ بکفر و باسلام یکساں نگرے  
 کہ ہر ایک دیوان اور فقریت ۶

ہر آنکہ از دو عالم ز خطِ ساغر خواند رموزِ جامِ جم از نقشِ خاک رہ دانست  
 جس کسی نے دونوں جہان کا بہید خطِ ساغر معلوم کیا جامِ جم کے اسرار کو نقشِ خاک راہ سے پہچانا  
 ساغر کا کتنا یہ مرث کی طرف یا دل سالک کی جانب ہے اور خطِ ساغر سے تلقین مرشد یا تجلیات الہامات مراد ہیں  
 اور مطلب یہ کہ جو کوئی تجلیات الہامات یا تلقین مرشد سے فیضیاب ہوا وہ جامِ جم کے رموز کو خاک راہ کی برابر  
 جانتا ہے چونکہ ساغر حبشید میں تمام حالات ملک کے دکھائی دیا کرتے تھے اسلئے حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ جو  
 تجلیات الہامات سے فائز المرام ہوا اوس کے سامنے جامِ جم یا جامِ جہان نامی کچھ حقیقت نہیں رہی۔ کیونکہ اوس کے  
 ایک عالم کا حال معلوم ہو سکتا تھا تو اس سے دونوں جہان کا احوال ظاہر ہوتا ہے۔

دلہ ز نرگس ساقی امان بخواست بجان چرا کہ شیوہ آن ترک دل سید دانست  
 میر دل نے نرگس چشم ساقی سے جان کی ملان بچائی کسو اسلئے کہ وہ اوس سید دل ترک کو شیوہ کو جانتا تھا

دی جاتی ہے اس شعر میں سیاہی اور جادو اور سحر پر سقیم جکے معنی سخت اور بیمار کے ہیں اور بیمار کے لئی  
منو کا لفظ یہ سب آنکھوں کی رعایت سے لایا گئے ہیں۔ اور مطلب کا خلاصہ اتنا ہی کہ ای محبوب تیری آنکھیں  
سیاہ اور جادو بری تو ضرور میں ادسہزہ اور مشکل ہوئی کہ بیمار ہی میں بیمار کی کمزوری اور نگاہ معشوق  
کی استغنائی سے مشابہت دی جایا کرتی ہے کہ جسطرح بیمار اپنی آنکھوں کو ثقاہت سے ادھر اور ہر ٹھنڈا  
میں معشوق لاپرواہی سے ایسا کیا کرنا ہے۔ چنانچہ اس شعر میں سب لفظ بڑی خوبی سے نظم کئے گئے ہیں۔  
در خم زلف تو آن خال سیدہ انصیت نقطہ دودہ کہ در حلقہ جیم افتادہ است  
تو جانتا ہی کہ تیری زلف میں وہ خال سیاہ کیا چیز ہو کاجل کا نقطہ کہ جو جیم کے حلقہ میں پڑ گیا ہو  
حرف ج کو زلف سے تشبیہ دی جاتی ہے یعنی تیری زلف کے خم میں خال سیاہ نہیں ہو بلکہ ایک نقطہ ہے  
جیم کے درمیان لگا ہوا ہے۔

سایہ سرو تو بر قالب ہم ای عیسیٰ دم عکس روح نیست کہ بر عظم مریم افتادہ است  
ای عیسیٰ نفس تیری قد کا سایہ میری قالب پر روح کا ایک عکس ہے کہ جو بوسیدہ ہڈیوں پر پڑ گیا ہو  
عیسیٰ دم معشوق کی صفت ہے اور مطلب صرف یہ ہے کہ ای محبوب عیسیٰ دم تیری قد کا سایہ جو میری قالب پڑا ہے  
یہ روح کا ایک عکس ہے کہ جو میری گلی سڑی ہڈیوں میں کام دے رہا ہے یعنی تیری سایہ سے میری بوسیدہ ڈانچہ میں  
روح ہو چکی ہے۔

زلف مشکین تو در گلشن فردوس عذار چیست طاووس کہ در باغ نعیم افتادہ است  
تیری مشکین زلف گلشن فردوس عذار میں کیا ہے۔ مگر ہے کہ جو باغ جنت میں پہتا ہی  
فرماتے ہیں کہ تیری زلف تیرے عارض پر اس طرح بل کہا رہی ہے کہ جسطرح مور باغ جنت میں میر کرتا پہتا ہو۔  
دل من در ہوس روئی تو ای مونس جان خاک امیت کہ در پای نسیم افتادہ است  
ای مونس جان میرا دل تیری رخ کی ہوس میں راہ کی خاک ہو کہ جو ہوا کے پیر میں پڑی ہوئی ہو  
یعنی ای محبوب میرا دل تیرے چہرہ کے دیدار کی ہوس میں گویا خاک راہ ہو گیا ہے کہ جو ہوا کے پیروں سے لپٹ کر  
لوگوں کے چہروں پر جاتی ہے لہذا دل بھی خاک راہ ہو کر تیرے دیدار کے شوق میں ہوا کے پیروں سے  
لپٹا ہے کہ شاید اس ذریعہ سے تیری صورت دیکھ پائے۔ یعنی اسلئے خاک راہ ہوا ہو کہ ہوا کے ساتھ اوڑھ کر  
تیرے رخ کے پاس پہنچے اور تیری چہرہ کا بوسہ لے۔

چودھویں رات کا جائز سمجھا۔

بلند مرتبہ شاہی کہ نہ رواق سپہر

نمونہ زخم طاق بارگہ دانست

امین شاہ کا مرتبہ بلند کہ جس نے فلک کو

نمونہ خم طاق بارگہ کا حسانا

شاہ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مطلب یہ کہ حضور کا مرتبہ بہت بلند ہے کیونکہ آپ نے  
 نو آسمانوں کو اپنی بارگہ کا خم محراب جانا یہ مرتبہ عارفان الہی کا ہے اور ممکن ہے کہ اس علوم مرتبی کا اشارہ  
 عروج معراج کی طرف ہو۔

حدیث حافظ و سائے کشیدن پنهان

چہ جای محتسب و شحنے پادشہ دانست

حکایت حافظ کی اور او سکا چسکر شراب پینا

محتسب و شحنے تو کیا بادشہ تک جانتا ہے

یعنی حافظ کی یہ بات کہ وہ عشق بازی کرتا اور چپ چپ کر شراب پیتا ہے محتسب اور کوتوال ہی کو معلوم نہیں ہے  
 بلکہ بادشاہ تک کو معلوم ہے۔ خلافت یہ کہ حافظ کے افعال اظہار میں الشمس میں۔

تاسر زلف تو در دست نسیم افتادہ است

دل سودا زودہ از غصہ دو نیم افتادہ است

جب سو کہ تیری زلف کا ہر نسیم کے ہاتھ پڑا ہے

دل دیوانہ غصہ سے دو نیم ہوا

سر زلف سے مراد عالم صفات نسیم سے ارادہ ازلی قضا و قدر۔ زلف در دست نسیم افتادن فارسی محاورہ  
 بمعنی زلف کا ہوا سے پریشان ہونا۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے ارادہ ازلی نے تیری زلف کو جسکا کنایہ عالم اسما  
 صفات کی طرف ہے تیری رخ عالم آرا کے اوپر جسکا اشارہ اسی وحدت مطلق کی جانب ہوگا پریشان کیا  
 یعنی وحدت کو کثرت کے نیچے پوشیدہ کر دیا ہے اور ہر کموشا ہدہ ذات مطلق سے دور کر کے عالم کثرت میں  
 بوجہ بجائے ہر ہے مبتلا کیا تو ہمارا دل دیوانہ غصہ سے کہ جسکا کنایہ شاہدہ ذات مطلق سے باز رکھنا ہے زخمی  
 اور ٹکڑے ہو گیا اور یہ عالم کثرت اگرچہ ظاہر میں حجاب ذات مطلق کا ہے لیکن باطن میں زیبائی اور افزونی  
 جمال کا سبب سمجھنا چاہیے۔

چشم جادوئی تو در عین سواد سحر است

اینقدر هست کہ این نسخہ سقیم افتادہ است

تیری چشم جادو میں سیاهی میں سحر ہے

صرف اسقدر ہے کہ یہ نسخہ سقیم ہو گیا ہے

یعنی تیری جادو پوری آنکھوں میں جو سیاهی ہے وہ ہی عین جادو ہے پس صرف اسقدر مشکل ہو گئی کہ سیاهی  
 میں سیاهی ملکر نسخہ اور زیادہ سقیم ہو گیا سقیم بیمار کو یہی کہتے ہیں اور معشوق کی آنکھوں کو یہی بیمار نسخہ

اور اس سے زیادہ تو کیا خواہش رکھتا تھا وہ سننے جواب میں کہا کہ جلوہ معشوق ہی نے تو مجھے اس حالت کو پہنچا دیا کیونکہ اسکی انتہا نہیں اور میں بے صبر ہوں پس یہ خیال میری زاری کا باعث ہے

کہ میں فانی کا حق معرفت الہی کو نہ پہنچ سکوں گا۔

یار اگر ششست با ما نیست جانی **اعتراف** یاد شاہ کامران بو وار گدایان عاردا

یار اگر ہماری پاس نہ بیٹھا تو اعراض کا موقع نہیں ہے وہ شاہ کامران تھا اور فقروں سے عار رکھتا تھا

بادشاہ کامران معشوق حقیقی کی صفت ہے۔ یعنی اگر اس معشوق نے غایت استغنا سے جو اس کا شیوہ خاص ہے ہمیر نظر لطف نہ کی یا ہماری پاس نہ بیٹھا تو اس میں اعراض کا کوئی موقع نہیں کیونکہ وہ باقی ہے

اور ہم فانی میں پس باقی اور فانی کا کیا جوڑ۔ یہ نسبت تاک را با عالم پاک ہے

عارفی کو سیر کرد اندر مقام نیستی **مست** شد چون مستی از عالم اسراردا

وہ عارف کہ جس نے مقام نیستی میں سیر کی مست ہوا کیونکہ عالم اسرار سے مستی رکھتا تھا

نستی معنی فنا اور ہستی معنی بقا۔ یعنی وہ عارف کامل کہ جس نے تمام نیستی میں جس سے وارفتا مراد ہی سیر کی ہے

ہست یعنی بقا باللہ ہو گیا اس واسطے کہ عالم اسرار سے وہ عشق الہی میں مست تھا مگر دنیا ہی میں اگر جو کہ دار فنا ہو

موفت الہی کر کے اسکی ساتھ باقی ہوا۔

در نمیکند نیاز و عجز با ما حسن دوست **خرم** آن کز ناز عینان بخت بر خوردا

میرا عجز و نیاز دوست کو حسن پر اثر نہیں کرتا وہ بڑا خوش کہ جو ناز عینون سے فائدہ اٹھاتا ہوا لاکھتا

یعنی میں چاہی عاجزی کروں چاہی نیاز ان سب کا کچھ ہی اثر یا پر نہیں پڑتا وہ شخص بہت ہی خوش نصیب ہو کہ جسکی قسمت میں معشوقوں سے فائدہ حاصل کرنا لکھا ہو۔

خیز تا بر کلک آن نقاش جان افشان کنیم **کین** ہمہ نقش عجب گردش پر کاردا

اوپٹہ تاکہ اس نقاش کے قلم پر جان خدا کر دیں کہ یہ تمام نقش عجیب پر کار کی گردش میں کھینچا

یعنی اسی مخاطب سالک کو کب تک ان فانی صورتوں پر مبتلا رہے گا اوٹھ اور اس غفلت سے باز آ تاکہ اس

صانع چون کے قلم پر اپنی جانیں نہا کرین جسو اپنی صنعت سے ان تمام نقوش عجیب کو بنایا ہے جو تجھ کو دنیا میں نظر

آ رہی ہیں اور یہ تمام طرح طرح کی صورتیں وہ اپنی ہی پر کار کی گردش میں رکھتا ہے یعنی وہ ہی انکو بناتا ہے اور

کوئی نہیں بنا سکتا۔

بچو گرد این تن خاکی نتواند بر خاست  
از سر کوئی تو زانرو کہ عظیم افتادہ است  
گرد کی طرح یہ فنا کی تن نہیں اوٹھ سکے گا  
تیرے کوچہ سے اسوائے کہ عظیم پڑا ہوا ہی  
یعنی میرا تن خاکی تیرے کوچہ سے گرد کی طرح نہیں اوٹھ سکے گا اسوائے کہ اسکی افتاد افتاد عظیم ہے کچھ ایسی ہی  
نہیں کہ جو گرد کی طرح اوڑتی پیر ہے۔ مگر سو گرا او پڑا سو پڑا۔  
آنکہ خبر کعبہ مقام مشن بد از یاد لبست  
بر در میگردہ دیدم کہ مقیم افتادہ است  
وہ شخص کہ بجز کعبہ کے جسکا مقام نہ تھا تیری کی یاد میں  
میں نے دیکھا۔ مینا کے دروازہ پر مقیم ہو گیا ہو  
یعنی اسی محبوب وہ شخص کہ جسکا مقام سوائے کعبہ کے اور کہیں نہ تھا میں نے اسکو دیکھا کہ تیری لب کی یاد میں  
شراب خانہ کے دروازہ پر ڈٹ گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تو نے صد نام مسلمانوں کو کافر کر ڈالا اور کعبہ سے  
جد اکبر کے مینا کے دروازہ پر لا بٹھایا لب یار کو میکدہ سے تشبیہ دینے کا قرینہ شاید ساقی ہی۔ اور یہ شعر  
حافظ صاحب اپنی حلال میں تحریر فرماتے ہیں۔

حافظ گم شدہ را با غمت ایجان عزیز  
اتحادیست کہ از عہد قدیم افتادہ است  
ای سپاہ حافظ گم گشتہ کو تیرے غم سے  
ایک اتحاد خاص ہے کہ جو عہد قدیم سے ہے  
جان عزیز کا اشارہ معشوق کی طرف ہے۔ غم سے غم عشق اور عہد قدیم سے لفظ قائلو بکی مراد ہے۔ یعنی ای  
محبوب حافظ گم گشتہ کو تیری غم عشق سے اتحاد ازلی ہے کچھ آج سے نہیں۔  
بلبل بر گل خوش رنگ در منقار دشت  
واندر ان برگ نو خوش نالہا زار دشت  
ایک بلبل خوش رنگ پھول کی پتی جو رخ میں لپکتا تھا  
اور اس سامان خوشی پر بھی خوش نالہ وزاری کر رہا تھا  
گفت باری جلوہ معشوق در این کارواں  
جواب دیا کہ جلوہ معشوق ہی تو مجھکو اس کام میں کہتا ہے  
میں نے اسکو کہا کہ میں وصل میں یہ نالہ دیا کیسی  
خواہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بلبل کو جو رخ میں ایک گل ترکی پتی لپی ہوئے اور اس پر ہی آہ وزاری  
کرتے ہوئے پایا۔ جب اسکو پوچھا یہ کیا بات ہے کہ وصل میں ہی وہ ہی رونا جھینکا تو اسکی جواب یہ  
کہ میں وصل جو مجھکو حاصل ہی میری نالہ وزاری کا سبب ہو رہا ہے حقیقی اعتبار سے گل کا کتنا یہ معشوق کی  
مادت اور بلبل کا عاشق کی طرف ہے۔ یعنی میں نے ایک عاشق زار کو دیکھا کہ وہ باوجود وصل معشوق  
کے ہی روتی ہی جلجلاتا تھا چنانچہ میں نے اس سے دریافت کیا کہ اب یہ زاری کیسی ہے اور اس سے



گرت ز دست بر آید مراد خاطر ما بہ بخش زود کہ خیری برای خوشیست

اگر تیرے ہاتھ سے ہمارے دل کی مراد بر آوی تو جلد بخش کہ یہ خیر اپنے واسطے ہے  
یعنی اے محبوب ہمارے دل کی مراد تیرے ہاتھ سے بر آوی تو اس میں دیر نہ کر اور جلد مراد کو پہنچا کیونکہ گونا گوں  
تو یہ نیکی ہمارے ساتھ کرتا ہے لیکن باطن میں اپنی ہی واسطے عجب اسلئے کہ یہ تیرے کرم و فضل کی شہرت کا  
باعث ہوگی۔ کسی سخی نے ایک روز کہا کہ آج تک میں نے کسی کے ساتھ کوئی نیکی نہیں کی ہے لہٰذا لوگوں نے  
پوچھا کہ اور یہ جو تھے لوگوں کے ساتھ احسان کئے ہیں یہ کہاں جائیں گے جواب دیا کہ یہ تو خود لوگوں کے  
میرے پاس آئے ہوں پس جو کچھ میں نے کیا اپنی ہی ساتھ کیا ہے غیر انکو واسطے کچھ نہیں آیا۔

بجائت ای بت شیرین من کہ بخون صبح شبان تیرہ مرادم فنا کی خوشیست

اے میری بت شیرین تیری جان کی قسم کہ مانند صبح کی شبان تیرہ میری مراد اپنی کو فنا کرنا ہے

شبان تیرہ بمعنی زمانہ جدائی یعنی اے میرے دلر با تیری جان کی قسم کہ میں اس زمانہ جدائی میں شمع  
اپنی فنا کا طالب ہوں اور میری مراد اس سے یہی ہے کہ جلد فنا ہو کر تیرے پاس پہنچوں۔ بموجب آیت کریمہ

فَقَتَّوْا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۛ

چورائی عشق زدی با تو گفتم ای بلبل مکن کہ این گل خود رو برای خوشیست

جب تو نے عشق کا خیال کیا تو ای بلبل میں تجھے کہا کہ عشق مت کر یہ خود رو پہول اپنی دلی

یعنی ای بلبل شیدا جب تو نے محبت کر لیا خیال کیا تو میں نے تجھے کہہ دیا تھا کہ عشق مت کر کیونکہ یہ خود رو پہول  
جسکا اشارہ ہے پروا محبوب کی طرف ہی اپنی ہی لئے ہے یعنی بے نیازی اور کسی کی محبت کی احتیاج نہیں رکھتا۔  
بلبل سے عاشق کامل مراد ہے۔

بمشک چین و چگل نیست حسن گل محتاج کہ ناہماش ز بند قبا کی خوشیست

چین و چگل کے مشک کا حسن گل محتاج نہیں ہے کیونکہ وہ بہت سے نائفے اپنی بند قبا میں کہتا ہے

خلاصہ یہ کہ معشوق تصنع کا حسن دوسری چیز کا محتاج نہیں بلکہ ذاتی حسن کہتا ہے جب پہول میں خود خوش ہو تو وہ کسی اور  
خوشبو کا محتاج نہ ہوگا اور جبکہ بہت سے نائفے اسکو بند قبا کی طرح میں تو ظاہر ہے کہ اس میں خوشبو کا خطا و مشک کی ضرورت نہیں

مرد بخاند ار باب بیمروت دہر کہ لہج عافیتست و سرای خوشیست

زمانہ کے بیمروت ار باب کے گھر پر بخا کہ تیرے لئے گوشہ عافیت ایسی ہی گھر میں ہے

گر مرید راہ عشقی فکر بدنامی مکن

اگر راہ عشق کا مرید ہے بدنامی کی فکر نہ کر

شیخ صنعا خرقہ رہن خانہ خمار و اشت

شیخ صنعا نے شراب خانہ میں خرقہ پہن کر کھدیا

شیخ صنعا ایک بزرے عارفوں میں سے گذرے ہیں اور ان کو سات سو مرید تھے کہتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظم صاحب کی ہمد عاصی وہ کسی بت پرست کی دختر پر عاشق ہو گئے اور اسلام کو ترک کر دیا۔ یا تو شیخ صنعا کی اتنی مرید تھے اور پچاس بار حج کیا تھا یا جب اس عورت کے عشق میں گرفتار ہوئے تو اس زہد و پارہ سائی کو بالالوطی رکھ کر شراب پی بت کو سجدہ کیا قرآن مجید کو جلادیا یہاں تک کہ سورج اڑا اور کسی بدنامی تو نہ ہو یہ سب کچھ عشق کی بدولت کیا لہذا حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ تو اگر زندہ عشق ہو تو شیخ صنعا کی طرح بدنامی کی فکر نہ کر اسلئے کہ عاشقوں کو بدنامی یا نیکنامی سے غم نہیں ہوتا اور نہ ہی مرید ہوتا تو صرف معشوق سے کام ہوتا ہے جس میں وہ خوش رہیں یہ شاد۔ لکھا ہے کہ آخر میں شیخ صنعا تائب غیبی سے بہرہ دار رہے اسلام میں آکر اپنی حالت میں ہو گئے اور مسلمان مرے۔

وقت آن شیرین قلندر خوش کم در طوایر

اوس شیرین قلندر کا وقت یہ تھا کہ اطوار میں

شیرین قلندر سے عاشق صادق مراد ہے اور مطلب یہ کہ اوس عاشق کا وقت بہت اچھا جو باطن کی معموری ظاہری خرابی میں رکھتا ہو یعنی محبوب حقیقی کی طاعت و عبادت اس طور سے کرے کہ جس پر کسی شخص کو توقف نہ ہو۔

چشم حافظ زیر بام قصر آن جوری شہر

کدوس جوری شہر کے محل کے زیر بام حافظ کی آنکھ

جنت تجوی تحتہا الانہار کلام مجید کی اوس آیت کا ایک حصہ ہے کہ حسین اللہ تعالیٰ نے بہشت کی تعریف کی ہے یعنی بہشت میں ایسے باغ و بہار ہیں جتنے نیچے نہیں ہوتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ حافظ نے آنکھوں سے اوس محبوب کے محل کے زیر بام رور و کراد سیطرح ندیان بہانیکا شیوہ کر لیا ہے کہ جسطرح بہشت کے باغوں کے نیچے نہیں بہ رہی ہیں۔ قصر اور حور و زیر بام وغیرہ سب رعایتی الفاظ ہیں جنت تجوی تحتہا الانہار کے واسطے آئے ہیں۔

بدام زلف تو دل مبتلائی خوشیت

نیری زلف کے دام میں اپنا دل بھنسا ہوا ہے

بکشن لغزہ کہ اینش سنرای خوشیت

غزہ سے قتل کر کہ اسکی سزا یہی ہے

یعنی پہلے میں عوام میں شہرہ ہو جائیکے خوف سے ڈرتا تھا کہ مبادا میرے خفیہ عیش جسے عشق بزاری اور شرابخواری مراد ہی لوگوں کو معلوم ہو جائیں اب چونکہ محتسب صاحب خود جان گئے کہ میں یوں پوشیدہ مری اور اتا ہوں تو اب مجھ کو کیا خوف نہیں رہا۔ شرابخواری سے عشق و محبت اور محتسب سے مرشد کامل مراد ہی دلبر آسائش نامصلحت وقت نبرد ورنہ از جانب مادل نگرانی دست  
دلبر نے ہماری آسائش کو مصلحت وقت ندیکھا۔ ورنہ ہماری جانب سے اشتیاق دل جان جانا  
یعنی محبوب نے ہماری آسائش کو خلاف مصلحت سمجھا ورنہ ہماری دل کا وہ اشتیاق جو ہماری طرف سے ہے  
اوسکو معلوم ہو جاتا۔ خلاصہ یہ کہ اوسنے دنیا میں ہمارا وصال مصلحت وقت نہ سمجھا ورنہ ہماری اشتیاق کا  
حال اوسپر ضرور ظاہر ہو جاتا۔

سنگ و گل را کند ازین نظر لعل و عشق ہر کہ قدر نفس بادیمانی دانست  
مٹی اور پتھر کو نظر کی مین سے لعل و عشق کیا جسے کہ نفس بادیمانی کی قدر جانی  
میں ایک ملک کا نام ہے جہاں کا لعل مشہور ہے۔ بادیمانی۔ اِنَّ كَيْفَ لَا كَيْفَ لِنَفْسِ الْبَرِّ حُفْنٍ مِنْ جَانِبِ الْهَيْكَلِ  
جس سے مراد درگاہ حق کے مقبول لوگ ہیں یعنی جسے کہ اپنی انفاس کی قدر و قیمت کو نہ پہچانا اوس کو کہیں  
راہ گمان نہیں کیا حتیٰ کہ کوئی دم ہی یاد الہی سے خالی نہ چھوڑا پس خبریسا کیا اوسکو یہ کرامت حاصل  
ہو گئی کہ اوسنے ایک نظر سے پتھر کو لعل اور مٹی کو عشق بنا دیا۔

ایک از دفتر عقل آیت عشق آموزی ترسم این نکتہ تحقیق ندانی دانست  
ای مخاطب تو نے دفتر کی عقل سے عشق کی آیت سیکھی میں ڈرتا ہوں کہ یہ نکتہ تو نے ٹھیک طور پر بخانا  
خلاصہ یہ ہے کہ ای مخاطب جب تو نے عقل کے ذریعہ سے عشق کیا تو مجھے خوف ہو کہ تو اس باریکی کو نہ پہچانا  
کیونکہ عشق سراسر عقل کی ضد ہے۔ عاشق عقل نہیں رکھتا اور جو عقل کے زور سے عاشق ہو وہ عاشق نہیں  
نقل ہے کہ جب شمس الدین تبریزی کا مولانا جلال الدین رومی (جو مولانا فاروق کے لقب سے مشہور ہیں)  
کے مدرسہ کی طرف گزرے تو انہوں نے مولانا روم کے چاروں طرف کتابوں کے ڈھیر لگے ہوئے دیکھے  
شمس الدین نے پوچھا کہ مولانا یہ کیا چیز ہے جواب دیا کہ تمہیں اللہ کیا غرض یہ علوم فنون کی کتابیں ہیں  
یہ سنکر شمس الدین نے اون سب کو مولانا کے سامنے پانی کے حوض میں پھینک دیا مولانا روم بہت آزدہم ہوئے  
کیونکہ کتابیں بڑی مشکل اور صرف جمع ہوئیں تھیں پس جب شمس الدین نے مولانا کو کتابوں کے لئے بہت بخند

یعنی ادا دل تو ابنا سے زمانہ میں سے جو بیروت میں کسی کے دروازہ پر نجا بلکہ اپنی ہی گھر میں بیٹھ  
اسلئے کہ آرام اس گوشہ عافیت ہی میں حاصل ہوتا ہے۔

**بسوخت حافظ در شرط عشق و جانبازی** ہنوز بر سر عہد وفا بی خوشیست

حافظ شرط عشق اور جانبازی میں حل گیا (مگر ابھی اپنے عہد کی وفا پر جما ہوا ہے)

یعنی گو حافظ جانبازی میں عشق کی آگ سے جل گیا لیکن ابھی اتنا نچتر ہے کہ باوجود اسکے عہد وفا کو نہیں ڈرتا۔

**صوفی از پر تومی راز نہانی دانست** گو ہر کس ازین لعل توانی دانست

صوفی شراب کے اثر سے پوشیدہ راز جان لیتا ہے اس لعل سے ہر شخص کا جوہر جانا جاسکتا ہے

میں سے مراد محبت الہی۔ راز نہانی اسرارِ معرفت دوسرے مصرع میں لعل کا اشارہ اوسے شراب کی طرف

سمجھنا چاہئے یعنی جب عارف فی عشق الہی کیا تو پوشیدہ راز اوس پر منکشف ہو گئی علاوہ اسکے ہر شخص کی قابلیت

معلوم کر نیکا در یو بھی یہی شراب محبت ہے۔ خلاصہ یہ کہ صوفی کو کسی شخص کی قابلیت کی ہی خبر رہتی ہے یعنی

یہ مدعی جہوٹا ہے یا سچا۔

**شرح مجموعہ گل مرغ سحر داند و لیس** کہ نہ ہر کو ورق خواند معانی دانست

مجموعہ گل کا حال صرف مرغ سحری جانتا ہے نہ وہ شخص جو کہ ورق لوٹتا ہو اور معنی سمجھتا ہو

مجموعہ گل سے مراد حالاتِ معرفت اور مرغ سحر سے عاشق صادق۔ یعنی معرفت کے مقامات کا حال کچھ عاشقان

صادق ہی جانتے ہیں اور انکو علماء و فضلا لوگ جو کتابوں کے ورق گردانی کرنے اور انکی معنی سمجھتے رہتے ہیں

کیا جانیں۔ رازِ الفت کا نہ ہر اک عنشیں سے پوچھے یہ ہیں کچھ جانتے ہیں یہ ہیں سے پوچھے۔

**غرضہ کردم دو جہان بردل کار افتادہ** بجز از عشق تو باقی ہمہ فانی دانست

دل کار افتادہ کو میں نے دو جہان و کھلائے (لیکن دوسری تیری عشق کے سوا باقی تمام کو فانی جانا)

یہ شعر اوس حدیث شریف کے مضمون سے مطابقت رکھتا ہے جو یہ ہے کہ میری سامنی تمام دنیا کا مال زرا اکٹھا کر دیا مگر میں نے

سب کو جوڑ کر فقر و فاقہ پسند کیا لہذا حافظ صادق فانی ہیں کہ سوائے تیری عشق کی تمام چیزیں فانی ہیں۔ میں نے اپنی کار افتادہ

دل کے سامنی دونوں جہان پیش کر دی مگر دوسری تیری عشق کے سوا باقی سب کو فانی سمجھا اور چھوڑ دیا۔

**آن شد اکثون کہ ز افواہ عوام اندیشم** محاسب نیز ازین عیش نہانی دانست

اب وہ وقت گیا کہ میں عوام کی افواہ سے ڈرنا نہ تھا محاسب بھی اس پوشیدہ عیش کو جان لیا

منت سدرہ و طوبیٰ از فی سائیکش کہ چه خوش بنگری ای سرور و ان اینست

سدرہ اور طوبیٰ کا اچھا نام سائیک کے لئے اڑھایا اس سرور و ان اگر تو غور کرے تو یہ کچھ نہیں ہے

سدرہ ایک بیر کے درخت کا نام ہے جو پانچویں آسمان پر حضرت جبرئیلؑ کا مقام ہے اور طوبیٰ چودھویں آسمان پر ہے۔ درخت کو کہتے ہیں کہ جو بہشت میں ہے بعض نے لکھا ہے کہ طوبیٰ کی جڑ آسمان چارم پر ہے۔ مگر اسکی شاخیں سب آسمانوں میں پہنچی ہوئی ہیں۔ بعض سدرہ اور طوبیٰ کو مرادف جانتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تو حظ نفس کے واسطے سدرہ و طوبیٰ یعنی بہشت کا طالب نہ بن اور ثواب کی امید سے طاعت نہ کر کیونکہ اگر تو غور کرے تو سدرہ و طوبیٰ یہ سب پیچ میں ماضی کو معشوق سے کام نہواتے اور بہشت ہی چنانچہ رابعہ بطری مناجات میں خدا سے کہا کرتی تھیں کہ یا الہی دوزخ اپنی دشمنوں کو اور بہشت اوسکے طالبوں کو دے مگر اب تو آپ کو میں عنایت فرما۔

دولت آنست کہ بخون دل آید بکناں ورنہ با سعی و عمل باغ جہان اینست

دولت وہ ہے کہ جو بغیر دل کا خون نہ ہو ورنہ سہی عمل سے باغِ جنت بھی کچھ نہیں

ای گرفتار دینا بے فانی اس دولت دوروزہ پر غم نگر اور نہ اس دولت کو دولت جہان دنیا کی دولت جو ہزاروں

ریج و غم اڑھایا حاصل کیا ہے غیب میں حسرت کے ساتھ چوڑنی پڑتی ہے دولت وہ ہے کہ جو بغیر دل کا خون

کئے ہوئے یعنی ریح و مصیبت اڑھایا ہو رہا ہے اُسے وہ دولت عشق ہے جسکو حسرت کے ساتھ چوڑنا نہیں پڑتا

پنجر وزی کہ درین مرحلہ مہلت داری خوش بیاسای زبانی کہ زبان اینست

پانچ روز کہ اس منزل میں تو ٹھہرا ہوا ہے وقت کو آسانی و خوشی سے گذر کہ یہ وقت تجھے نہیں

یعنی ای طالب اس حیات مستعار میں جو تجھے پانچ روز کی مہلت ہے اپنی وقت کو خوش اور آسانی سے گزاری یعنی دنیا کے

دوسو سون سے دل کو پاک کر کے عشق الہی میں مشغول ہو اور دنیا کو نہ ڈھونڈ رہا کہ دنیا کا زمانہ بہت

تھوڑا زمانہ ہے۔

بر لب بحر فنا منتظیم ای ساتھی فرصتی دان کہ ز لب تابداں اینست

ای ساتھی ہم بحر فنا کے کنارہ پر منتظر ہیں فرصت جان کہ لبِ سو مونہ تک تمام یہی ہے

یعنی ای ساتھی میں غریب بحر فنا کے کنارہ پر اپنے وقت کا منتظر کھڑا ہوں اس مہلتِ عمر کو عنایت جان کہ جو لبِ سو من تک ہی یعنی تھوڑی ہے اور نتیجہ میں یہی نہیں گویا کچھ ہی نہیں صرف جنابِ آسمان ہے۔

یا یا تو حوض میں ہاتھ ڈال ڈال کر ایک ایک کتاب نکالنا شروع کی۔ ہر کتاب دیکھی ہی خشک تھی اور کوئی ورق بھی کسی کا نہ تر ہوا اور نہ خراب ہوا تھا۔ مولانا روم اس کرامت کو دیکھ کر متعجب ہوئے اور پوچھا کہ ای شمس الدین یہ بات تمہیں کیسے حاصل ہوئی اور انہوں نے جواب دیا کہ یہ حالت ذوق ہو تم اسکو کیا جانو کیونکہ یہ ان کتابوں میں سے ایک میں ہی نہیں لکھی۔ پس اسی وقت میں مولانا روم کو جذبہ شروع ہو گیا اور سب کتابیں جلا کر شمس الدین کے مرید ہوئے اور عارف کامل بن گئے۔

می سیاور کہ ننازد بگل باغ جنان ہر کہ غارتگری باد خزانہ دانست  
شراب پی۔ کہ باغ جنان کی بول پر ناز نہیں کرتا جسے کہ غارتگری باد خزانہ کو حساب نا  
یعنی شراب عشق حقیقی پی۔ کیونکہ جو شخص عاقل ہے اور جسے باغ دنیا کی باد خزانہ کی غارتگری کو سمجھ لیا ہے  
وہ کبھی یہاں کے عیش و آرام پر ناز نہیں کرتا۔ عاقل وہی ہے کہ جس نے بے ثباتی دنیا کو سمجھ لیا اور  
وہ ہی عارف کامل ہے جو دنیا کو ترک کر کے خدا سے لولگا ہے۔

حافظ این گوہر منظوم کہ از طبع اینکست اثر تربیت آصف ثانی دانست  
ای حافظیہ گوہر نظم کہ جو طبیعت سے نکلے ہیں انکو آصف ثانی کی تربیت کا اثر جاننا چاہئے  
آصف ثانی کا اشارہ مرشد کی طرف ہے کہ وہ حضور رسالت مآب کا نائب ہوتا ہے باقی مطالب تشریح کا

محتاج نہیں۔  
صل کار کہ کون و مکان اینہم نیست بادہ پیش آر کہ اسباب جہان اینہم نیست  
یہ کار گاہ دنیا کا حاصل سب نیست ہے شراب سامنے لا کہ یہ اسباب جہان کا کچھ نہیں  
یعنی اسے گرفتار دنیا سے دنی اس دنیا کا حاصل زن و فرزند مال و زر سلطنت حکومت سب نیست ہیں  
اور کوئی انہیں سے دبستگی کی لائق نہیں پس اس جہان فانی کے اسباب کو پیچ سمجھ کر بادہ عشق الہی

پی اور معرفت حقیقی حاصل کر خست  
از دل و جان شرف صحبت جانان ہمہ آنست و گرنہ دل و جان اینہم نیست  
دل و جان کی غرض صحبت جانان کا شرف حاصل کرنا ہے سب کچھ وہی ہے و گرنہ دل و جان سب نیست ہیں  
یعنی دل و جان کی اصل غرض جس سے حیات و روزہ مراد ہے صرف صحبت جانان کا شرف حاصل کرنا ہے  
اور اگر یہ نہیں تو دل و جان سب محض بیکار اور بے پیچ ہیں۔



نام حافظ رقم نیک پذیرفت ولی پیش زندان رقم تو وزیران این ہم نیست  
 حافظ کو نام در شہرت نیک پڑی ولیکن زندوگر اگر فائدہ اور نقصان کی رقم کچھ نہیں  
 یعنی ہر چند کہ حافظ کا نام ہنگامی میں لگتا گیا اور نیکی ہی میں مشہور عالم ہوا لیکن زندوں کو سظم نرنیکون  
 نفع اور نقصان سب برابر ہیں۔ اس واسطے کہ یہ سب فانی ہیں اور فانی سوماشوق کو کچھ سود کار نہیں  
 بحریت بحر عشق کہ پیش کنارہ نیست آنجا جز انیکہ جان بسیارند چارہ نیست  
 بحر عشق وہ بحر کہ جس کا کہیں کنارہ نہیں اس جگہ بحر اسکو کہ جان دو ڈالیں اور کوئی علاج نہیں  
 یعنی غواصان دریائے محبت اور ملاحان بھروسہ و حقیقت عشق کی خبر اسطرح دی ہو کہ بحر عشق وہ بحر فنا  
 ہے کہ جس کا کہیں کنارہ نہیں پس اس میں عاشق کو سوائے اسکے کیا چارہ ہے کہ وہ اپنی جان حافظ حقیقی کو  
 سوپ لے کہ عشق اولہ حراق و آخرہ قتل۔

آن دم کہ دل بعشق دی خوش دی بود در کار خیر حاجت سچ استخارہ نیست  
 وہ دم کہ جب تو عشق میں نہی بہت اچھا دم ہے کیونکہ کار خیر کیلئے استخارہ کی کچھ حاجت نہیں  
 استخارہ کو لغوی معنی خدا تعالیٰ سے بہلائی جاننا اور اصطلاحی غیب کو حال سے آگاہی پانے کے ہیں۔  
 لہذا مطلب حافظ صاحب کا یہ ہے کہ جسوقت تو عشق الہی اختیار کرے وہ دم ہی بہت ہی ضیعت ہے  
 اس واسطے کہ یہ کام نیک ہر اور نیک کام کیلئے استخارہ کی ضرورت نہیں۔

واضح ہو کہ کسی شکل کام کے پیش آجانے پر استخارہ لینا سنت ہے اور اس کا طریق یہ ہے کہ  
 اول وضو کر کے دو رکعت نماز نفل ادا کرے بعد دو گانہ حمد خدا اور درود بر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم  
 پڑھ کر یہ دعا جو حاشید پر لکھی جاتی ہے پڑھے۔

ما را بمنع عقل مترسان و می بسیار کان شمنہ در ولایت یا مہج کارہ نیست  
 بھگو عقل کو منع کرنے سے بہت ڈرا اور شراب لا کہ یہ شمنہ ہمارے ولایت میں کسی کام کا نہیں  
 یعنی ہم زندوں کی ولایت میں عقل کا شمنہ مخض بیکار ہے۔ اسلئے کہ وہ شراب سے منع کرتا ہے  
 اور ہم مست رہنا اسکے ماننے والے نہیں جب ہم اس سے خوف ہی نہیں کرتے تو اس کا ماننا  
 کیا مانتے۔ ولایت سے جسم مراد ہے کہ جس کا انتظام شمنہ عقل کے ہاتھ میں ہے۔ اور  
 شراب سو وہ ہی عشق چونکہ عقل و عشق سر دشمنی ہر اسکو عقل کو شمنہ کہا۔

یہ شعر حافظ نے اپنے دیوان میں دو جگہ لکھا ہے ایک جگہ "ما را بمنع عقل مترسان و می بسیار" دوسری جگہ "کان شمنہ در ولایت یا مہج کارہ نیست"۔  
 اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ عقل کو منع کرنے سے بہت ڈرا اور شراب لا کہ یہ شمنہ ہمارے ولایت میں کسی کام کا نہیں۔  
 یعنی ہم زندوں کی ولایت میں عقل کا شمنہ مخض بیکار ہے۔ اسلئے کہ وہ شراب سے منع کرتا ہے اور ہم مست رہنا اسکے ماننے والے نہیں جب ہم اس سے خوف ہی نہیں کرتے تو اس کا ماننا کیا مانتے۔  
 ولایت سے جسم مراد ہے کہ جس کا انتظام شمنہ عقل کے ہاتھ میں ہے۔ اور شراب سو وہ ہی عشق چونکہ عقل و عشق سر دشمنی ہر اسکو عقل کو شمنہ کہا۔

نہ نمود بوشہ کیا محیط عالم میں بد ہو کا جب کوئی جو نکا جلا جباب نہ تھا۔

نہ اید ایمین مشوا ز بازی غیرت ز نہار کہ رہ صومعہ تا دیر مغان اینہم نیست

اگر اید بازی غیرت سے ہرگز منکر نہ ہو کہ صومعہ کی راہ دیر مغان تک یہی ہے

اس شعر میں قال اللہ باننا حیوۃ کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ کہ اسے

زائد تو بازی عشرت سے ہرگز بے فکر نہ ہوا سو اسلئے کہ صومعہ اور دیر مغان میں فرق نہیں ہے

یعنی بہت سے آدمی ایسے ہیں کہ چشم زدن میں صومعہ سے دیر مغان میں پہنچ گئے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ غیور ہے کیا عجب ہے کہ تجلو ہی یہاں سے وہاں پہنچاوے اور ایک دم میں

مشرک کو موحد اور موحد کو مشرک بنا دے کیونکہ غیور کا کام علت پر موقوف نہیں۔

در دمندی چمن سوخته زار و نزار ظاہر احاجبت تقریر و بیان اینہم نیست

مجہ سوختہ دل اور زار و نزار کی درد مندی ظاہری۔ اس نام کو واسطے تقریر و بیان کی کیا حاجت

از تہتک کہن اندیشہ و چون گل خوش باش زانکہ تکلیف خہان گذران اینہم نیست

حقارت سے خوف نہ کر اور پھول کی طرح خوش اس واسطے کہ تکلیف خہان کی گذرانو الخالی نہیں ہے

یعنی اگر تیری حقارت کی بجائی یا خلق تجھ پر زبان طعنہ دراز کرے تو تو آرزو نہ ہو اور پھول کی طرح ہستارہ اس واسطے کہ جب

یہ جہان فانی ہو تو یہاں کی حقارت اور تمکنت ہی فانی ہوگی۔ پس تجھ فانی تہتک اور تمکنت کا کیا رنج ہونا چاہئے۔

نقل ہے کہ ایک رات حضرت عوث الثقلمین اپنی جڑ میں بیٹھ ہوئے تھے جب آدمی رات گزری تو یکایک اپنی جگہ سے اٹھ بیٹھ گئے

چند ہی حضرت کی اصحاب میں سے بھی ایک شخص سادہ سادہ گویا رفتہ رفتہ حضرت ایک مقام پر پہنچے کہ جہاں ایک شخص بیٹھا تھا اور دیکھ کر

دیکھیں کہ اسے سب ان موجود تہا شیخ نے اس کو غسل دیا اور تہنیر و تکفین سے فانی ہو کر دیر و زمانہ تیری۔ پس اس وقت تک ایک ایک چہرہ سرخ

اور رخ فوشی سے تر و تازہ ہو گیا۔ مگر تھوڑی دیر بعد حضرت کا رنگ زرد ہوا اور ایسی لافون ہو گئی کہ صیحت کا یا مار ضعیف ہو جانے لگیں

دیر میں یہ صورت ہی نہ رہی اور اپنی اہلی حالت پر آئے۔ پھر اس جگہ سے مراجعت فرمائی اور جڑ میں آگے صبح ہو ان اہلک جو آگے براہ کرتے

تھے کہ وہ دریافت کیا کہ یہ حضرت وہ مردہ کون تھا اور وہاں کا گھر کارنگ سرخ بہ زرد ہو جانے اور بعد از ان اپنی اہلی حالت پر آجانی کا کیا سبب

فرمایا کہ وہ مقام یہاں سے چند سو کوں فاصلہ رکھتا اور وہ شخص جس کا جنازہ ہم دیکھا تھا صیحت کی ایک قطب تھا جب اس کو اس دفعت سے رحلت کی

توجہ ہو کہ وہاں میں اس کی تہنیر و تکفین کروں لہذا حکم کی بموجب میں وہاں گیا اور ہم صیحت علی میں لایا پس اس وقت ملائکہ بھیجے کہ حکم ہو گیا

کہ اس کی بجائی سے اسے اٹھ کر لے کر آدرا کی تہنیر اور دیر و زمانہ تیری ہو گیا تھا وہ توجہ اس بات کی تھی کہ شاید اس کی جگہ تک

مقرر کر دیں۔ پھر بھیجے کہ ملائکہ اس کی جگہ پر پہنچے اور اس کی تہنیر و تکفین کر دیں۔ پھر اس کی جگہ پر پہنچے اور اس کی تہنیر و تکفین کر دیں۔

بہت سے آدمی ایسے ہیں کہ چشم زدن میں صومعہ سے دیر مغان میں پہنچ گئے۔  
چونکہ اللہ تعالیٰ غیور ہے کیا عجب ہے کہ تجلو ہی یہاں سے وہاں پہنچاوے اور ایک دم میں مشرک کو موحد اور موحد کو مشرک بنا دے کیونکہ غیور کا کام علت پر موقوف نہیں۔  
ظاہر احاجبت تقریر و بیان اینہم نیست  
ظاہری۔ اس نام کو واسطے تقریر و بیان کی کیا حاجت  
ز انکہ تکلیف خہان گذران اینہم نیست  
اس واسطے کہ تکلیف خہان کی گذرانو الخالی نہیں ہے  
یعنی اگر تیری حقارت کی بجائی یا خلق تجھ پر زبان طعنہ دراز کرے تو تو آرزو نہ ہو اور پھول کی طرح ہستارہ اس واسطے کہ جب یہ جہان فانی ہو تو یہاں کی حقارت اور تمکنت ہی فانی ہوگی۔ پس تجھ فانی تہتک اور تمکنت کا کیا رنج ہونا چاہئے۔  
نقل ہے کہ ایک رات حضرت عوث الثقلمین اپنی جڑ میں بیٹھ ہوئے تھے جب آدمی رات گزری تو یکایک اپنی جگہ سے اٹھ بیٹھ گئے چند ہی حضرت کی اصحاب میں سے بھی ایک شخص سادہ سادہ گویا رفتہ رفتہ حضرت ایک مقام پر پہنچے کہ جہاں ایک شخص بیٹھا تھا اور دیکھ کر دیکھیں کہ اسے سب ان موجود تہا شیخ نے اس کو غسل دیا اور تہنیر و تکفین سے فانی ہو کر دیر و زمانہ تیری۔ پس اس وقت تک ایک ایک چہرہ سرخ اور رخ فوشی سے تر و تازہ ہو گیا۔ مگر تھوڑی دیر بعد حضرت کا رنگ زرد ہوا اور ایسی لافون ہو گئی کہ صیحت کا یا مار ضعیف ہو جانے لگیں دیر میں یہ صورت ہی نہ رہی اور اپنی اہلی حالت پر آئے۔ پھر اس جگہ سے مراجعت فرمائی اور جڑ میں آگے صبح ہو ان اہلک جو آگے براہ کرتے تھے کہ وہ دریافت کیا کہ یہ حضرت وہ مردہ کون تھا اور وہاں کا گھر کارنگ سرخ بہ زرد ہو جانے اور بعد از ان اپنی اہلی حالت پر آجانی کا کیا سبب فرمایا کہ وہ مقام یہاں سے چند سو کوں فاصلہ رکھتا اور وہ شخص جس کا جنازہ ہم دیکھا تھا صیحت کی ایک قطب تھا جب اس کو اس دفعت سے رحلت کی توجہ ہو کہ وہاں میں اس کی تہنیر و تکفین کروں لہذا حکم کی بموجب میں وہاں گیا اور ہم صیحت علی میں لایا پس اس وقت ملائکہ بھیجے کہ حکم ہو گیا کہ اس کی بجائی سے اسے اٹھ کر لے کر آدرا کی تہنیر اور دیر و زمانہ تیری ہو گیا تھا وہ توجہ اس بات کی تھی کہ شاید اس کی جگہ تک مقرر کر دیں۔ پھر بھیجے کہ ملائکہ اس کی جگہ پر پہنچے اور اس کی تہنیر و تکفین کر دیں۔ پھر اس کی جگہ پر پہنچے اور اس کی تہنیر و تکفین کر دیں۔

بنوک خامہ رقم کردہ سلام مرا کہ کارخانہ دوران مبادی رقت  
 قلم کی نوک سے تونے مجھے سلام لکھا: «ہاں کیا گویا کارخانہ کو تیری وجود کو بنیاد ہو چو  
 نگویم از من بیدل بسو کر دے یاد کہ در حساب خرد نیست سہو پر گشت  
 من نہیں کہو گا کہ ہمہ بیدل کو تو نے ہو کر سی یاد کیا کیونکہ عقل کو حساب میں تیری قلم پر سہو نہیں ہے

اکابران سلف لکھتے ہیں کہ خواجہ صاحب فریہ غزل بطور خط کے ایک دوست کے خط کے جواب میں  
 لکھی ہے۔ اور بہت سنی قرآن سے تنبیہ معلوم ہوتا ہے کہ ضروری بات ہی مطلع کا یہی مطلب ہے کہ  
 جب میری حقوق خدمت کے آگے کرم کے سامنے عرض کیا تو آپ نے مجھے خط لکھا گویا ابکا خط ہیجنا میرے  
 خدمات کا باعث تھا۔ دوسرا شعر دعائیہ ہی یعنی بھکوتے سلام لکھا میں دعا کرتا ہوں کہ زمانہ کو بغیر تمہاری  
 وجود کو ثبات نہو۔ خلاصہ یہ ابد الابد تک زندہ رہو۔ تیسری شعر میں کہتے ہیں کہ میں بہہ نہیں کہو گا کہ آپ نے  
 ہمہ بیدل کو بھول کر یاد کیا اسوجہ سے کہ ہم کو سہو ہو جانے کی عقل گواہی نہیں دیتی۔ پس جب عقل بتیں  
 کہی تو یہ کہنا کہ ہونے سے یاد کیا صحیح نہو گا۔ گویا یہ دوستانہ شکایت ہی جو کی جاتی ہے کہ میں نہیں ہو کر سی  
 یاد آیا۔ حقیقی اعتبار سے سہو بمعنی فراموشی خطاب خرد مقتضای عقل۔ یعنی امری محبوب حقیقی میں یہ نہیں کہتا  
 کہ تو نے ہمہ بیدل عاشق کو ازراہ فراموشی نامہ و پیام سے یاد فرمایا۔ چونکہ تیری جناب میں فراموشی  
 اور سہو کو دخل نہیں اسلئے ایسا کہنا عقل سے بعید ہے۔

مرا ذلیل مگر دان بشکر این نعمت کہ داشت دولت سرمد غریز محترمت  
 مجھے اس نعمت کو شکر یہ میں ذلیل نکر جو کہ دولت ابدی تجری غریز اور مخیر مدد کنتی ہے  
 یعنی اسے مرشد کامل تو مجھے اپنے فیض سے اس دولت ابدی کے شکر یہ میں جو اللہ تعالیٰ نے تجھ  
 بخشی ہے ذلیل و محروم نکر۔

بیا کہ تا سر زلفت تیرا خواہم کرد کہ گرم برود بر بندارم از قدمت  
 آتا کہ تیری زلف کے سو فرار پکڑوں کہ اگر میرا سر ہی جا تا ہے تو تیری قدموں سے نہ اٹھاؤں  
 شرف کا اشارہ بند مجھ کو کھینچ کر لے کر آتا ہے تیرا عشق اس طور پر کہ میں جا ہی جاؤں تیری قدموں سے نہ اٹھوں۔  
 ز حال مادت کہ شود نگر و رفت کہ لالہ رودما ز خال کشندگان نعمت  
 ہمارے حال سے تیرا دل آگاہ ہوتا ہے مگر اسوقت کہ تیری غم کو کشتوں نگر خال کشندگان نعمت  
 کہ تیری غم کو کشتوں نگر خال کشندگان نعمت کہ تیری غم کو کشتوں نگر خال کشندگان نعمت

از چشمِ خود پس کہ مارا کہ می کشد جانان گناه طالع و جرم ستاره نیست  
 بنی آنکہ کسی پوچہ کہ ہو کون قتل کرتا ہے ہر جان بندہ طالع کا گناہ اور ستارہ کا جرم نہیں ہے  
 یعنی خود سے تو اپنی چشم ہی سے دریافت کر کہ میں کسوار ڈالا۔ پھر کہتے ہیں کہ مای جانان یہ نصیب کا گناہ  
 یا ستارہ کا جرم نہیں ہے بلکہ خود تیری چشم کا ہے۔ حقیقی اعتبار سے چشم کا گناہ یہ غمزہ کی طرف جس سے ظہور و خفا  
 مراد ہو گا اور مطلب یہ ہے کہ مای محبوب حقیقی مجھے تیری غلی کی ظہور و خفا نے مہرِ ہلاکت میں ڈالا اسکے  
 تمت طالع اور ستارہ پر نہیں لگائی جاسکتی کیونکہ وہ چھکارا ہے وجود میں تیری ہی تو محتاج ہیں پس جو کچھ  
 کرتا ہے تو کرتا ہے۔

رویشِ چشمِ پاک تو ان دید چون ہلال ہر دیدہ جا جلوہ آن ماہ پارہ نیست  
 اوسکو رخ کو مثل ہلال کو پاک چشم سے دیکھنا چاہو اوس ماہ پارہ کو جلوہ کی جگہ ہر آنکہ نہیں ہے  
 چونکہ ہلال باریک ہوتا ہے لہذا اوسکے دیکھنے کے لئے ایسی آنکہ کی ضرورت ہوتی ہے جو گرد و غبار سے  
 پاک و صاف ہو۔ مگر خواجہ صاحب نے محبوب کو جس پاک صاف آنکہ سے دیکھنے کی ہدایت کرنی ہے۔ وہ  
 گرد و غبار سے نہیں بلکہ کسی اور کے تصور یا عکس سے پاک ہونی چاہو پہلو کہ ہر آنکہ اور جلوہ کی جگہ نہیں  
 لینے ہر شخص کی آنکہ محبوب حقیقی کے جلوہ کو نہیں دیکھ سکتی اوسکو وہ ہی آنکہ دیکھ سکتی ہے جس میں اور کسی کی  
 تصویر نہیں ہوتی ہوگی۔

فصحتِ شعر طریقہٴ رندی کہ این نشان چون راہ گنج بر ہم کس آشکارہ نیست  
 رندی کے طریقہ کو غنیمت جان کہ یہ راستہ مانند راستہ خزانہ کے کسی پر ظاہر نہیں ہے  
 یعنی جس طرح خزانہ کا راستہ یا اوسکا حال ہر شخص کو نہیں معلوم ہوتا اسی طرح عاشقی و رندی کا طریقہ بھی ہر آدمی

نہیں جانتا اسی مخاطب نے غنیمت جان کہ تجھ کو یہ راہ معلوم ہے  
 نگرفت و تو گریہ حافظ پر ہر روزے حیران و دم کہ کم از سنگ خارہ نیست  
 حافظ کی نزاری نے تجھ پر کسی طور اثر نہیں کیا بن اوس دل سے حیران ہوں جو سنگ خارہ کو کم نہیں  
 پیچیدہ و بڑے پیچیدہ معنی میں سنگ خارہ کو کم نہیں کہ عاف کی گریہ و زاری نے تمہیں میں کچھ اثر نہیں کیا۔  
 چہ لطف بود کہ ناگاہ رشتہ و قلمیت حقوق خدمت مانع من کرد بر کرم  
 کیا افاق تھا کہ ناگاہ تیری قلم کی چکیدگی نے ہمارے حقوق خدمت کو تیری کرم کر سامنے عرض کیا

مطلب یہ کہ اگر محبوب میں تیری لئے اس قدر خون کے آنسو نئے رو یا ہوں کہ میری آنکھ کی تیلیاں خونین  
 ڈوب گئیں پس اس سے تو قیاس کر سکتا ہو کہ لوگوں (ماشقون) کا حال تیری طلب میں کیا ہو گا  
 خلاصہ یہ کہ اونکا بھی یہی حال ہو جو تیری طلب میں میرا ہو رہا ہے۔

بیاد لعل لب چشم مست میگوئیست ز جام غم می لعلی کہ منجور مخون مست  
 تیری لب لعل اور چشم مست میگوئی کی یاد میں سا غم سو جو می سرخ کہ میں پتا ہوں خون پہ جاتی  
 خلاصہ یہ کہ تیری لب لعل اور مست لعلی آنکھ کی یاد میں اگر میں شراب سرخ بھی پتا ہوں تو وہ میرا سطر  
 گویا خون ہو جاتی ہے۔

ز مشرق سر کوی آفتاب طلعت تو اگر طلوع کند طالع ہم ایون مست  
 مشرق کی طرف سے تیرا آفتاب طلعت اگر طلوع کرے تو یہ طالع ہم ایون ہے  
 خلاصہ یہ کہ اگر تیرا آفتاب طلعت جس کا کنایہ تجلی ذاتی کی طرف ہو سر کوی مشرق سے جس سے مآشن کادل  
 مراد ہو کلک و مشاہدہ قلبی ہو تو اس کا توڑ ہر نصیب و ہر مبارک طالع ہے۔

حکایت لب شیرین کلام فرہاد مست شگن طرہ لیلی مستام مجنون مست  
 لب شیرین کی حکایت فرہاد کے کلام سے ہے اور طرہ لیلی کی شگن مجنون کا مقام ہوتا ہے  
 کلام فرہاد کہ جس کا کنایہ عاشق ہو سوا نمی بیان لب شیرین کہ جس کا اشارہ لطف محبوب سے ہی نہیں ہوتا۔  
 اور مجنون کا مقام کہ جس سے وہی عاشق مراد ہو سوا می طرہ لیلی کی شگن کے جس کا اشارہ جذبات عشق و محبت  
 کی طرف ہی کوئی نہیں۔

دلچسپ کہ قدرت چھو سرود لچوی ست سخن بگو کہ کلام لطیف و موزون ست  
 میری دلچسپی کہ تیرا قدر مثل سرود کہ لچو ہے باتیں کہ تیرا کلام لطیف و موزون ہے  
 ز دور بادہ بجان حتی سان ساقی کہ پنج خاطر م از جو ز دور گردون ست  
 ساقی دور شراب سے جان کو راحت پہونجا کہ میری خاطر جو گردش گردون سے بخیلہ ہے  
 از ان زمان کہ ز دستم رفت بار عزیز کنار دیدہ من منجور و جیون ست  
 اوسوقت کہ جب سے یاد میری پاس سے چلا گیا میرے چشم کا کنارہ مثل دریا جیون کے



یعنی ہماری حال پریشان ستیر اول آگاہی تو پاتا ہی۔ مگر اس وقت کہ ہم مرکز خاک ہو جائیں اور ہماری اس خاک سلاخ چمکے۔ اس میں تغافل محبوب کا مضمون ہے۔

روان تشنہ مارا بجر عہ دریا ب چو میدہند زلال خضر بجام حمت  
ہماری پیاسی روح کو ایک گونٹ سیرا د فرما جب تجھے جام جم میں آب حیات دین  
مطلب یہ کہ ایمرشد کامل جب تجھ کو فووضات سردی قلب احمدی سیرا ہو چین تو او سمین سیرا ایک جود  
یعنی کہہ تھوڑا سا ہلکو ہی عنایت کرتا کہ ہمارا دل تشنہ اس سے سیرا ب ہو۔

صبا ندوی تو باہر گلی حدیثے کرد رقیب کی رہ غماز داد در حرمت  
صبا نے تیری رخ کی بات ہر گل سے کمی رقیب کو کوئی راہ غمازی کی تیری حرم میں کدی  
صبا کا کناہہ مرشد کی جانب کل کا سنہ شدان کی طرف سنبھنا چاہے رقیب کی شیطان یا نفس مارہ مراد ہے  
یعنی مرشد نے مریدوں سے تیری مشاہدہ تجلی کی بابت سب کچھ کمدیل ہے اب شیطان یا نفس امارہ  
چنل خوری کا موقع وہاں نہیں ملے گا خلاصہ یہ کہ خواہ شیطان طابون کو کتنا ہی ورغلائے وہ  
اوسکے کہنے میں نہیں آسکے۔

دل مقیم درست حشرش میدار بشکر آنکہ خدا داشته است محرمست  
میرا دل تیری در پر مقیم ہوا اوسکی حرمت کر اوس شکرانہ میں کہ خدا تجھ (اپنی جانب) محترم رکھتا ہے  
ہمیشہ وقت تو ای عیسی صبا خوش باد کہ جان عاشق دل خستہ زندہ شد بدست  
ای عیسی نفس تیرا وقت ہمیشہ خوش ہو جیو کہ عاشق خستہ دل کی جان تیری دم سز زندہ ہوئی ہے  
عیسی نفس کا اشارہ مرشد کی طرف ہے جو مرید و مکرمدہ دل کو اپنی فیض سوزندہ کرتا رہتا ہے باقی مطلب صاف۔  
کہیں کہ است تو خوش تیر میری حافظ مکن کہ گرد برآید ز شہرہ عدمست  
ای حافظ یہ کہیں گاہ ہو اور تو بہت تیز جا رہا ہے (جلدی) مکن کہ گرد برآید کہ راہ عدم سے تیری گرد آئے  
تیرا حافظ عشق کی راہ گہات کی جگہ ہے جو اُنات ہو رہے ہیں تو اس آہ میں جلدی جلدی چل رہا ہے ایسی جلدی کہ  
فلک شہرہ عدم سے تیری گرد آئی جو توتا ہو جائے اور مطلب کو نہ پہنچے۔ شہرہ شابرہ کا مخفف ہے۔

زگر یہ مردم چشم تشنہ در خون ست نہیں کہ در طلبت حال مردمان خون ست  
مردم تیری آنکھوں کی تیلی خون میں دھونی دیکھ کہ تیری طلب میں لوگوں کا حال کیوں مگر ہے



در زلف چون کندش از دل مسیح کا بنا  
سر باریدہ بینی بی جرم ولی خیانت  
انید او سکر زلف کندشال بن نہ پست کہ وہان  
نوبت سے سر و گلوں گناہ فرط و گناہ وادیکر گا  
این راہ را نہایت صحت کیا توان  
کس صندھار منزل میش سستہ بدایت  
اس بر پابان راہ کو کس طرح کوئی ہو چک سک  
کہ او سکر سو ہزار منزل اگر بھی ابتدا ہی ہے  
اس راہ کا اشارہ راہ عشق کی طرف ہر یعنی راہ عشق ایسی مشکل الا انقطاع ہے کہ سو ہزار منزل بھی  
طے کر کے ہنوز پہلا ہی قدم ہوتا ہے لہذا اس سبب سے کہتی ہیں کہ کوئی شخص اس کو مقام معرفت میں  
نہیں پہنچ سکتا کوئی اول قدم پر جان دید تیا ہی کوئی دوسری پر کوئی تیسری پر کوئی دروازہ پر  
مگر منزل مقصود تک پہنچنے کی نوبت نہیں آتی۔

چشم بخرمہ مارا خون خورد می پسند  
جانار و انباشد خون زیر حمایت  
نیری چشم غمزہ سے ہمارا خون کیا اور تو پسند کرتا ہے  
انے جان قاتل کی حمایت روا نہیں  
بے اداری قاتل کی حمایت نہیں کرنی چاہی بلکہ مقبول کی طرف داری کرنی چاہئے۔  
ہر چند بر دی آبم روار حوت تنابم  
جور از مجنبت غم شتر کز مدعی رعایت  
ہر چند کہ تو نے مجھ کو اکیلا کر تیرے دروازہ کی شہر زدگا  
جور از مجنبت غم شتر کز مدعی رعایت  
دوست کی دشمنی بھی دشمن کی دوستی بھی  
ای جان من ہر چند کہ تو نے مجھے ذلیل و خوار کیا مگر تیرے در سے نجاؤنگا اس واسطے کہ دوست کی دشمنی بھی  
دوستی سچا ہی ہوتی ہے۔

امرا آفتاب خوبان می سوزد اندرونم  
یک ساعت گنجان در سایہ عنایت  
اگر خوب و بون کے آفتاب قلب پہنکا جاتا ہے  
کوئی ساعت گنجان در سایہ عنایت  
در این شب سہا ہم گشتہ راہ مقصود  
از گوشہ برون امرا کوکب ہدایت  
اس اندھیری رات میں راہ مقصود کو کم کر دیا ہے  
ای رہنمای کو تار و گوشہ سے باہر نکل آ  
قاعدہ ہے کہ جب رات میں راستہ بھول جلتے ہیں تو ستاروں کو دیکھ کر راستہ معلوم کرتے ہیں۔  
یہاں شب سیاہ سے دنیا اور کوکب ہدایت سے مرشد کامل مراد ہے۔ یعنی امرا مرشد کامل ہیں  
مکروہات دنیا میں گرفتار ہو کر اپنی مقصود اصلی سے جو کہ معرفت ہے محروم ہو گیا ہوں پس تو افریدی مدد  
یعنی مشعل ہدایت ہاتھ میں دے تاکہ اس کی روشنی سے منزل مقصود پہنچ جاؤں۔

چگونه شاد شود اندرون غمگینم  
باختیار که از اختیار بیرون ست  
میرادل غمین کیونکر خوش ہو سکتا ہے  
اختیار میں کہ اختیار ہی باہر ہے  
اور طلبِ اشعار کا مطلب صاف ہوا سنے ہم اونکی شرح کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اور اس شعر کی معنی ہیں  
کہ جب دل غمین میری اختیار سے باہر ہے تو اس کا شاد اور خوش کرنا ہی میری اختیار میں نہیں جو چیز  
اپنی اختیار ہی میں نہواؤ سکر قلب باہیت کیسے ممکن ہے۔

ز بخودی طلب یا رسکند حافظ  
چو مفلسی کہ طلبگار گنج قارون ست  
بخودی میں حافظ یا ر کی طلب اس طرح کرتا ہے  
کہ جیسے مفلس تلاش قارون کو خانہ کا طلبگار ہو  
زمان یا ردنواز م شکریت باشکایت  
گزشتہ دان شعی خوش شنوائی حکایت  
مجاورس یا ردنواز م شکر کے ساتھ شکایت ہے  
اگر غش کا نکتہ شناس ہر نواس بات کو بغور سن

یا ردنواز مہر محبوب حقیقی یا مرشد کامل مراد ہوا اور مطلب یہ ہے کہ مجبور اس یا رس م شکر ہی ہوا اور شکایت ہی  
چونکہ یہ دونوں ایک دوسری کی ضد ہیں اسلئے یہ تعجب کی بات ہے کہ جب شکر ہو تو ہر شکایت کیسی  
لہذا دوسری مصرع میں کہتے ہیں کہ اس شکر و شکایت کو اجتماع کو کہ کس طرح یہ دونوں اکٹھے ہو گئے ہیں  
وہ ہی شخص سمجھ سکتا اور سن سکتا ہے جو عشق و محبت کا نکتہ شناس ہو۔ اگر تو نکتہ رس ہی تو سمجھ لے  
کہ شکایت تو استغنا محبوب کی وجہ سے ہوا اور شکر اس پائت کا ہے کہ وہ مجبور اپنی عاشقوں میں تو شمار  
کرنے لگا۔ اس دعویٰ کی دلیل یہی ہے کہ وہ مجبور اپنی عاشقوں میں سمجھتا ہے وہ ہی استغنا ہے کیونکہ اگر  
عاشق و طالب نہ سمجھتا تو استغنا ہی نہ کرتا۔

بہر دود و منت ہر خدمتی کہ کردیم  
بارب مباد کس را مخدوم بی عنایت  
جو خدمت کی بنی وہ منت بلا احسان کی  
بارب کیسا مخدوم بی عنایت نہو جیو  
زند ان تشبہ را آبی ننید بدس  
گویا ولی شناسان فتنہ از ولایت  
تشبہ زند و نکو کوئی شخص بانی ہی نہیں دیتا  
گویا ولی شناس لوگ ولایت سے چلے گئے  
یہ تشبہ زند جو ہمیشہ شراب پیئے میں اگر وہ پیاسی ہوں تو شراب تو درکار کوئی اور نکو بانی ہی نہیں  
دیتا سکی وجہ یہ ہے کہ ولی شناس لوگ جن سے عارفان کامل مراد ہیں دنیا سے مل گئے اگر وہ ہوتے تو  
ولی را ولی می شناسد کہ اعتبار سے زند و نکو پہچان لیتے۔

یعنی کج جیکہ میں زندہ ہوں اور تیرا عاشق ہوں تو تو مجھ پر رحم فرما کل کوجب مر جاؤ گا تو زندہ اس کے کیا فائدہ  
 اے آنکہ تیرا دیوانہ مرنے سے عشق  
 اے شخص کہ تو تیرا دیوانہ سے عشق کا دم بہرنا ہے  
 درویش کہن نالہ ز شمشیر احسا  
 اے فقیر دوستوں کی تلوار سے نالان نہو  
 درخیز زن آتش کہ خم ابروی سانی  
 نرگہ کو آگ لگا کہ ابرو سے سانی کا خم  
 خرف کو آگ لگانا زہد و اتقا کو چوڑ دینا۔ یعنی اے مخاطب تو زہد و اتقا چوڑ کر عاشق آئی ہو جا  
 سنے کہ ابروی سانی کا خم جس پر ظالم مشوق حقیقی مراد ہر محراب امامت کہ خم کو شکستہ کر دیتا ہے۔  
 خلاصہ یہ کہ عشق میں زہد و اتقا کی ضرورت نہیں رہتی۔

بیدا و لطیفان ہمہ لطف سب کو کمر بست  
 کیونکہ معشوق کا ظلم سرس لطف و کرم ہوتا ہے  
 ہرگز ایسا نہو گا کہ تیرے چور و جفا کی شکایت کروں  
 کو تہ نہ کن بجٹ سزلت تو حافظ  
 مافط تیری زلف کی بجٹ کو کوناہ نہیں کرے گا  
 زلف کا اشارہ تعینات اور بیان عشق کی طرف ہے۔ یعنی مافط تیرے عشق و محبت کو ذکر کو مختصر نہیں کرے گا  
 کیونکہ میرا بسا طول و طویل اور دلچسپ ذکر ہے کہ اگر قیامت تک کرتے رہوں تب بھی ختم نہو۔ یا یہ کہ  
 عشق و محبت کا سلسلہ قیامت تک یونہی چلا جائے گا۔ یعنی عاشقان آئی کی بعد دیگر ہی پیدا ہوتے  
 رہینگے پس امین اس ذکر کو کیون چوڑ و ن اور اللہ کا عشق کیون نہ کئے جاؤں۔

ساقی خمر خمرست وی آب حیات  
 ساقی میرا خمر ہے اور شراب آب حیات ہے  
 تو بزمی چون کتم مہیات ہات  
 شراب سے کیسے تو بہ کروں جلد شراب لا  
 ہات اسم فعل امر کے معنی میں ہے یعنی شراب لایا شراب بخش۔ ساقی سے خمر شد کمال اور می ہو محبت  
 آئی مراد ہے آب حیات و سکی صفت کیونکہ عشق آئی کر کے انسان بقا با اللہ ہو جاتا ہے۔ باقی مطلب  
 صاف ہر معنی میں نہیں۔ بعض شارحین نے لفظ ہات کو مہیات کا بھفت مانا ہے اور شمع کے معنی

از ہر طرف کہ رفتم جز و چشم نیفزود  
زنہار ازین بیابان مین راہی نہایت  
جس طرف سو کہ مین گیا سوا می و حشت  
ہرگز اس بیابان اور اس بیابان راہ مین  
مغلب ہو کہ راہ عشق مین جو معرفت الہی ہے مین نے ہر چند نگ و دو کی مگر آخر کار سوا می و حشت کے  
اور کچھ حاصل نہوا پس اس بیابان خو خوار مین کہ جو عشق کا بیابان ہے سوائے خو خوار کی  
کچھ حاصل نہیں اور اس لیے پابان راہ معرفت کو جو مشکل الانقطاع کہی نوع طے کرنا  
ممکن نہیں ہو سکتا

عشق تیری فریاد کو ہونچا اگر خود حافظ کی طرح  
قرآن زیرِ جوانی با چارہ روایت

یعنی عشق تیری فریاد کو ہونچے اسی مخاطب اگر تو حافظ کی طرح قرآن سے چودہ روایتوں کی حفظ  
یاد کرے۔ یہ چودہ روایتیں وہ ہیں جو رسالہ تجوید میں لکھی ہوئی ہیں۔

یارب سببی ساز کہ یارم بسلاست باز آید و لہاندم از چنگ ملاست  
 یارب کوئی ایسا سبب کر کہ میرا پرستامتی سے لوٹ آؤ اور مجھ کو ملاست کہ چنگل سے چڑھائی  
 یارب مشاہد حق مراد ہو اور چنگ چکل کا مخف یہ غزل بطور مناجات کے ہے یعنی یا اللہ کوئی ایسا  
 سبب کر کہ مشاہد حق پر اپنا طبع کم و کاسف مجہر کرے اور طعنہ ہائے خلق سے جو او سکر جدائی میں  
 لوگ مجہر رہتے ہیں یعنی ملاست کرتے ہیں رہائی دی ۔

خاک رہو آن یار سفر کردہ بیارید  
 تا چشم جهان بینش جانی اقامت  
 آج کہ تیرا اختیار بین ہوں رسم کر  
 فریاد کہ از شش جہت را وہ بہتند  
 خود کہ میرانی بین خط و غیرہ لفظ ہیں  
 فریاد کہ شش جہت کی راہ روک لی ہے  
 خود کہ میرانی بین خط و غیرہ لفظ ہیں  
 فریاد کہ شش جہت کی راہ روک لی ہے  
 خود کہ میرانی بین خط و غیرہ لفظ ہیں

اتنی ہر بانی اور جو کہ سب دُعا، فضول اور بیہودہ ہے۔

شیرینی از لب لغزش نہ چشیدیم و رفت روزی مہ سیکر او سیر ندیدیم و رفت  
ہمنوا کی لب لعل سو شربت نہ چکنا کہ چلا گیا اہ پیکر کا چہرہ دلی بہر کے ندیچکا کہ چلا گیا

غیر سہل حالت فیض و ارادات میں لکھی ہے یعنی ہمنے اسکی لب لعل سے شیرینی ہی جس کا کہنا یہ  
فضل و لطف کب طرف نہ حاصل نکلی اور شیریں حاصل کرنا تو درکنار جی بہر کر صورت ہی نہ دیکھنے

پائی تے کہ وہ نمبے علیہ ہو گیا۔

گوئی از صحبت یانک تنگ آمدہ بود بار بست بگردش ز سیدیم و رفت

گویا ہماری صحبت سے یہاں تک تنگ آیا تھا کہ ہم اسکی پاس تک بھی نہ پہنچ سکے اسباب یاد کر چلایا

بسکہ ما فاکہ و حرز یمانی خواندیم و ز پیش سورہ اخلاص ندیدیم و رفت

اے بسکہ ہم سورہ فاتحہ اور حرز یمانی کو پڑھا اور اسکی سورہ اخلاص کو بھی نہ دیکھا چلا گیا

حرز یمانی چند دعائیں ہیں کہ جو حضور رسالت مآب نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ملک میں کو سفر کو وقت

تعلیم و تلقین فرمائی تھیں اور اسوجہ سے اونکا نام حرز یمانی ہو گیا یہ سورہ فاتحہ سورہ الحمد سورہ اخلاص

قل ہو اللہ کو کہتے ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ جتنے سورہ الحمد اور دعائے حرز یمانی محبوب کو سفر سے باز رکھو گئے

اور سورہ اخلاص اس غرض سے کہ وہ مجھے محبت کرے اور نہ جاے سب کچھ پڑھا اور دم کیا مگر وہ اسپر بھی

چلا گیا۔ مصرع ثانی میں اخلاص کا لفظ دم کرنے کے لئے بہت اچھا آیا ہے۔

سرفرومان خطم گفت کاشتیان زوم مانسرخوین خطش نکشیدیم و رفت

کہا کہ میری حکم کے خط سے مرمت کچھ تو نہیں جاوگا نین اپنی سر کو اسکی حکم کے خط سے نکلیا اور لا سپر بھی چلا

یعنی محبوب نے مجھے کہا کہ اگر تو میرے حکم سے سرتابی نہ کرے تو میں بخاؤں ورنہ چلا جاؤں گا۔ لہذا دوسرے

مصرع میں کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا یعنی اسکی حکم سے سرتیہ پیرا مگر وہ اسپر بھی چلا گیا اور نہ رکا

یہ گویا خواجہ صاحب کسی کے سامنے معشوق کی شکایت کر رہے ہیں۔

عشوہ میداو کہ از کوئی ارادت نروم دیدی آخر کہ حسان عشوہ خریدیم و رفت

فریب دیا کہ میں کو چہ ارادت سے نہ پہرون آخر کار تو نے دیکھا کہ میں نے کیا دیکھا کہ کیا دیکھا

مذکورہ بالا شعر کی توضیح ہے شرح طلب نہیں۔



یون بیان کئے ہیں کہ جب میرا سانی تھوڑا ہے اور شراب آبجیات تو مہیات مہیات کہ میں ایسے  
وقت میں شراب سو کس طرح تو بہ کروں۔ خلاصہ یہ کہ میں ایسے حالت میں کہی تو بہ کروں گا۔

بادہ تلخ از لب شیرین لبان      در حلاوت می برد آب از نبات  
شیرین بیون کہ لب کی کڑوی باتین      حلاوت میں منبری کی آبرو نہیں لیتے ہیں  
چون دم عیسیٰ نسیم اوز لطف      مردہ صد سالہ را بخشد حیات  
اوسکے لطف کی نسیم دم عیسیٰ کی طرح      مردہ صد سالہ کو زندگی بخشی ہے  
یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے دم کی طرح جو کہ مرد و نکو زندہ کر دیتا تھا اوسکر لطف کی نسیم سو برس کے  
میری ہو مرد و نکو زندہ کرتی ہے۔

جز باب آتشین یعنی شراب      حل نیگرو و مرا این مشکلات  
بجز آب آتشین یعنی شراب کے      میری یہ مشکل حل نہیں ہوتی  
مطلب یہ کہ یہ مشکل جو مجھے اس غفلت گاہ دنیا میں پیش آتی ہیں یعنی معشوق حقیقی کو عشق سر  
باز رکھتے ہیں وہ سوا شراب عشق و محبت ہے ہو میرے حل نہیں ہو سکیں گی۔ خلاصہ یہ کہ حبیب  
بادہ محبت پیتا ہوں تو اسرار معرفت ہمہ ظاہر ہو پیدا ہوتے ہیں۔

روز می بامین کہ از دیوان عشق      جز می حمرانی شاد مار ابر ات  
ہمارے قسمت کو دیکھ کہ دیوان عشق سے      بجز شراب سرخ کو اور کوئی چیز نہیں آئی  
دیوان عشق سے مراد روز ازل۔ می حمرانی سرخ یعنی بادہ عشق و محبت۔ مطلب یہ کہ روز ازل ہی کو  
سوا کو عشق و محبت کو اور کوئی چیز ہماری حصہ نہیں آئی۔

شاد مار و اح آن زندگی کہ او      بر سر کوی معنایا بد وفات  
اوس زندگی ارواح خوش ہو یہ کچھ      کو چہ معنایا بد وفات پاجائے  
کوی معنایا سے مراد کامل مراد ہے۔ بانی مطلب صاف ہے۔

حاصل عمر تو حافظ و حبان      بادہ صافیت بانی ترہات  
اسے حافظ تیری عمر کا حاصل جہان میں      شراب صاف ہے بانی فضول  
یعنی حافظ تیری عمر کا حاصل (جہان میں پیدا ہونے کا نتیجہ) شراب صاف یعنی خالص عشق



درم کہ بنگری یعنی از تو مبتلاست یک دل ندیده ام کہ ز عسقت خرابست  
 جس سیکو تو دیکے گا وہ تیری غم میں مبتلا ہے مینو کوئی دل ہی ایسا نہ کیا کہ جو تیری عشق میں خراب ہو  
 یہ اشعار گویا محبوب حقیقی سے بطور عرض حال کر نیکے تصنیف کئے گئے ہیں اور زمین عاشق زار عشق کی  
 حالت بیان کر رہا ہے مطلب کچھ عجز نہ نہیں صاف ہے۔

ہر کہ بدست عشق تو شد کشتہ بردر اور اور ان جناب سوال و جوابت  
 جو کوئی کہ تیرے عشق کے ہاتھ سے تیری در پرل ہو اوسکی لہی اوس جناب میں سوال و جواب نہیں  
 جو کوئی عشق الہی میں مر جاوے وہ شہید ہوتا اور درجہ شہادت پاتا ہے چونکہ قیامت کو دن شہیدوں کے  
 اعمال کی باز پرس ہوگی اسلئے خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ اے محبوب جو کوئی تیری محبت میں تیری در پر  
 فنا ہوا اوسکو درجہ شہادت ملا پس اوس سے باز پرس اعمال ہی نہ کجا یگی۔

حافظ چو زربتوبہ در افتاد و تابست عاشق نہا شد آنکہ چو زار اہتابست  
 جب حافظ نے زکو برتن میں ڈالاروشنی پائی وہ عاشق نہیں کہ جسکے زمین چمک نہیں

معنی ظاہر میں تشریح کی ضرورت نہیں۔

ختم زلف تو دام کفر و دین ست زکارستان او یک شمعہ نیست  
 تیری زلف کا پیچ کفر و اسلام کے لٹو دام ہے یہ اوسکی کارستانی کا ایک شمعہ ہے

یعنی اسے محبوب تیری زلف کے پیچ میں مومن اور کافر دونوں پہنتے ہیں تیری عشق کے لئے کفر و  
 اسلام کی قید نہیں جو کوئی تجھے محبت کرے گا وہ گویا تیری زلف کا اسیر ہوا جاوے گا اور زلف پر پیچ کا  
 کسی کے دل کو پھانس لینا اوسکی ذرا سی کارستانی ہے۔

جمالت معجز حسن است لیکن حدیث غمزہ ات سحر بین است  
 (گو) تیرا جمال حسن و خوبی کا معجزہ ہے لیکن تیری غمزہ کی باتیں کہلا ہو اجاد و سے  
 بر آن چشم سید صدف زین باد کہ در عاشق کشتی سحر آفرین است  
 اوس چشم سیاہ پر صدف آفرین ہو کہ عاشق کشتی میں ساحر کامل ہے  
 محبت را ہی ست راہ عشق پیہا کہ چرخ ہفت مشرفتم زمین است  
 انھوں عشق کی راہ عجیب راہ ہے کہ اوسکا سا توان تا سمان ساوین زمین ہو

شد چمان در چین حسن لطافت لیکن  
 (دور) حسن لطافت کو چین میں خرامان ہوا لیکن  
 گفت از خود بر دہر کہ وصالم طلبد  
 کہا کہ جو پیرا دل چاہی وہ اپنی سی قطع ہو جاؤ خودی کو چھوڑ  
 صورت او بلطافت اثر صنع خدا  
 اس کی صورت لطافت میں صنعت خدا کی شان ہے  
 یہ شعر بالکل سہل ہیں اس لئے ہم انکی شرح جان کر چھوڑتے جاتے ہیں اور صرف ترجمہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں  
 اچھو حافظ ہم شب نالہ و افغان کریم  
 افسوس کہ اوسکی وداع کو نہ پہنچے اور وہ نصبت ہوا  
 اس شوہر میں روح یاد دل شکم سمجھا جائیگا۔ یعنی ہم نے حافظ کی طرح عمر بھر نالہ و زاری کی مگر افسوس کہ صبح  
 کے وقت اوسکے رخصت کرنے کو یہی نہ پہنچے تھے کہ وہ رخصت ہو گیا۔ بعض نسخوں میں ووداعش کی جگہ  
 وصالش ہے۔ اور وصالش ہی صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ وصالش کے معنی اس جگہ اچھی طرح چسپیدہ  
 ہوتے ہیں۔

ما را از آرزوی نغمہ پروائی خواب نیست  
 بی روی دلفریبے بودن صواب نیست

مجھے تیری آرزو میں نیند کی پروا نہیں ہے  
 بغیر تیری دلفریب صورت (دیکھنے) رہنا اٹھان نہیں  
 اس مطلع کے اول مصرع کا مضمون عربی کے اس شعر کی مطابق ہے۔ عجباً للعجب کیف نیام کل نوم علی الحب حرام  
 یعنی تعجب ہے کہ محبت میں کوئی کیسے سوتا ہے جبکہ تمام عاشقوں پر نیند حرام ہوتی ہے۔ اور دوسرا مصرع  
 اسکا مصداق ہے۔ من کان فی ہذہ اعمی فلو فی الاخرۃ اعمی۔ یعنی جو آج کے روز  
 دنیا میں اندھا ہے وہ قیامت کو بھی ضرور اندھا ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ جس کسی نے جلال دوست دیکھنے کی  
 دنیا میں کوشش و فکر کی وہ قیامت کے دن کیا دیکھ سکے گا۔  
 در دو چشم مست تو بشیار کس نغید  
 تیری چشم مست کے دوہر میں کسی کو بشیار نہ کیا  
 کو ویدہ کہ تصویر حشمت خواب نیست  
 وہ کونسی آنکھ ہے کہ تیری آنکھ کے تصور سے خواب میں

ز جام عشق می نوشید حافظ مدام شستی و رندی ازین  
حافظ نے اوسکو جام عشق سے شراب پی ہی اسی سے ہمیشہ مستی و رندی میں رہتا ہے  
یعنی حافظ جو ہمیشہ رند و مست رہتا ہے تو اوسکی یہی وجہ ہے کہ اوسنے جام عشق سے خوشی محبت  
پی لی ہے۔

دید ی کہ یار جز سر جو رستم نداشت بشکست عہد ما و از و میج غم نداشت  
تو نے دیکھا کہ یار سوا ی جو رستم کو خیال اور خیال کشا ہم سے جو عہد کیا تھا اوسے توڑ دیا اور اوسے کچھ غم نہیں  
اسکا مخاطب دل ہے یعنی اے دل تو نے دیکھا کہ یار کو ہمیر سوا سے جو رستم کر نیکے اور کچھ خیال  
نہ تھا کیونکہ اوسنے جو عہد وفا کا ہم سے کیا تھا اوسے توڑ دیا اور اسکی کچھ پروا نہ کی کہ عہد  
شکنی اچھی بات نہیں۔

یار ب ملکیش ارچہ دل چون کہ تو بم افکن و کشت حرمت صید حرم نداشت  
یار ب اوسکو مت پکڑ اگرچہ دل کو کبوتر کی طرح پکڑا اور مار ڈالا اور حرمت صید حرم کا خیال نکلیا  
حرم خانہ کعبہ کے احاطہ کو کہتے ہیں کہ جہاں حلال حیوانات کا شکار ہی حرام ہے یعنی اوس جگہ کوئی  
شکاری کسی پرند وغیرہ کو نہیں پکڑتا نہ مارتا ہے ایسا کرنا خانہ کعبہ کی حرمت میں داخل ہے مگر اس  
موقع پر حرم سے مراد محبت الہی ہے یعنی اے اللہ میری معشوق کو اس تقصیر میں ماخوذ نہ کیجو کہ اوسنے میرے  
کبوتر دل کو جو تیری احاطہ محبت میں پرواز کر رہا تھا پکڑ لیا اور مار ڈالا۔ گو اوسنے صید حرم کی عزت نہ کی مگر میں  
چاہتا ہوں کہ اوس سے مواخذہ نکلیا جائے۔ کبوتر میرا تھا جب میں اوسے معاف کرتا ہوں تو تو بھی معاف کر دی۔

بر من جفا ز بخت بد آمد و گر نہ یار حاشا کہ رسم جو و طریق ستم نداشت  
مجھے جفا میری بد نصیبی سے ہوئی ورنہ یار ہرگز ظلم کی رسم اور ستم کا طریق نہیں رکھتا  
نیکو جو جفا کی نسبت معشوق کی طرف کرنا ترک ادب ہے اسلئے خواجہ صاحب اوس سے احتراز کر کے فرمائی ہیں  
جو کچھ جفا جو مجھے ہوا وہ بد نصیبی کے بس ہو کر سوا در نہ یار کا ہرگز یہ طریقہ نہیں کہ وہ مجھے ظلم و ستم رفا کرتا۔ چونکہ  
اوس کے دشمن یا کسی صید حرم شکار کر نیکی عذر خواہی خود ہی خدا سے کر چکی ہیں مگر اس میں ہمدردی اور وضاحت فرمائی ہیں  
جو کچھ مجھے گزرا وہ بخت بد کا نتیجہ تھا نہ یار کا قصور۔

دل این ہمہ جفا کہ بخاری کشید از تو ہر جا کہ رفت میج گشت محترم نداشت  
باین ہمہ کہ دل خواری کے ساتھ اوس نے جفا اور جفا  
جس جگہ گیا کسی نے اوسکی عزت نہ کی

مطلب یہ کہ عشق کی راہ ایک ایسی عجیب راہ ہے جو سکوس ترقی رکھتی ہے۔ چونکہ ساتوان آسمان انتہائی  
اوج ہے اور ساتوین زمین انتہائے حقیض پس سالک راہ طریقت باعتبار اپنی علوی مرتبت کے  
آسمان ختم سے بھی اونچا اور بہ کھانا اپنی عاجزی اور خاکساری کے ساتوین زمین سے بھی پست  
ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ سالک اس کی راہ میں جتنی ترقی کریگا اتنا ہی خواری اور فروتنی کے سبب مائل  
ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سالکان راہ طریقت عشق کی ایسی ناممور راہ اپنی سامنے طے کر لیں کہ جو رتوں  
تو پنداری کہ بدگوشت جان برد حسابش باکرا کا تبین ست  
تو جانتا ہے کہ بدگوشت کیا اور جان کو لے گیا اس کا حساب کرا کا تبین کے پاس ہے  
یعنی ای مخاطب تو یہ گمان کرتا ہے کہ بدگوشت وزن نے مرکز نجات پای یہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اس کا حساب کرا کا تبین  
کے پاس ہے اور وہ فروزاہی کوئی سزا یا ٹیگا۔ کرا کا تبین دفعہ شری میں جو کہ ہر آدمی کو نیک بد اعمال روزانہ لکھتی جاتی ہے  
اور ہر وقت اعمال نامہ لکھنے کے لئے اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔

ز چشم شوخ تو کی جان توان برد کہ داکم ہا کمان اندر گمیں ست  
تیری چشم شوخ سے جان کب بچ سکتی ہے کہ جو ہمیشہ کمان کی ہوئے گہات میں ہے  
کمان سے ابرو مراد ہیں۔ اور مطلب صاف ہے کہ تیری چشم شوخ جو ہمیشہ ابروؤں کے اندر قتل عاشق  
کی تاک میں بیٹھی رہتی ہے اس سے جان عاشق بچے تو کیسے بچے۔

لبت را آبجیوان گفتم آما چہ جائی آب کان ماء معین ست  
تیرے لب کو میں نے آب حیات کہا لیکن پانی کہاں وہ تو ماء معین ہے  
معین بفتح میم و کسر عین بمعنی جاری دروان اور یہ لفظ معین صیغہ اسم مفعول ہے جس طرح کہ بیچ سے  
مسیح بنا ہے اس لئے عین سے معین بنا ہے ماء معین بہشت میں ایک نفیس چشمہ ہے پس اسی وجہ  
ماء معین کو آب حیات پر فوقیت دی گئی۔ علاوہ اسکے چونکہ آب حیات کا شیخ تاریکی میں ہے اور اسی  
اعتبار سے اس کو آب ظلمات بھی کہتے ہیں مگر ماء معین جو بہشت کی نہر ہے اور روشنی میں جاری ہے  
اس واسطے اس کو آب حیات پر بدرجہا ترجیح ہوگی۔

مشوای جان ز کین ز نفس ایمین کہ دل برد و کتون در بند دین ست  
ای جان اس کی زلف کے فریب سے بے فکر ہو کہ دل لے گیا مگر ابھی دین کی فکر میں ہے

منعم از می کن ای صوفی صافی کہ حکیم در ازل طینت ما را ز می صاف شست  
 ای صوفی صافی مجکو شراب سے منع نہ کر کہ حکیم نے ازل میں میری طینت کو شراب صاف سے بنایا  
 صوفی صافی سے بطور استہزا کے واعظ یا ظاہری صوفی مراد لین گے اور مطلب یہ ہو گا کہ ای صوفی صاف  
 مجکو می نوشی سے کہ جس کا کنایہ عشق محبت کی طرف سے منع نہ کیجئے کیونکہ خلاق عالم نے میری مٹی کا خمیر ای  
 شراب سے گوندنا ہی پس جسکی سرشت میں ہی شراب آمیز ہو وہ شراب (عشق بازی) سے کیسے باز رہ سکتا ہے  
 اور آپ کا کہنا کیون مان سکتا ہے۔

صوفی صاف بہشتی ہو ذرا نہ کہ جو میں خرقہ درمیکد ما رہن می ناب بہشت  
 صوفی صاف اس واسطے بہشتی نہیں ہے کہ میری طرح جبکہ بہشتی می ناب کے تجاذب میں رہن کیا  
 یعنی صوفی صاف جو غیر خدا کی محبت سے پاک و صاف ہے بہشت کی لائق نہیں ہے بلکہ سزاوار بقای الہی ہے  
 اس واسطے کہ اس نے اپنی خرقہ بہشتی کو محبت الہی میں فنا کر دیا ہے۔

لذت از حور بہشت و لہو خورشید ہر کہ اودا من معشوق خود از دست بہشت  
 حور بہشت اور کنارہ حوض کوثر کے لذت اوست نہیں مگر جس کسی نے کہ اپنی محبوب کے دامن کو ہاتھ سے چھوڑا  
 جس کسی نے اپنی معشوق کو دامن کو چھوڑا یعنی اوس سے جدا ہوا تو اوس کو وہ لذت نہ حور بہشت میں مل سکتی  
 نہ آب کوثر میں جو کہ اوسکی گرفتگی دامن میں ملتی تھی۔ اور یوں ہی کہہ سکتے ہیں کہ جس کسی نے محبوب حقیقی کا عشق  
 چھوڑ کر بہشت کو لئے۔ ہر دو اتقا کیا اوس کو باغ بہشت میں نہ ہو چکر وہاں کی حوروں سے یا آب کوثر سے کیا لذت  
 ملیگی۔ خلاصہ یہ کہ ان چیزوں میں وہ لطف کہاں جو عشق الہی میں ہے۔

حافظا لطف حق اربا تو عنایت دارد باش فارغ ز غم دوزخ و شادی گشت بہشت  
 اوست حافظ اگر لطف حق تیری شامل حال ہے تو دوزخ کے غم اور بہشت کی خوشی سے تو فارغ ہو  
 مطلب صاف ہے تشریح طلب نہیں۔

ای نسیم صبح آرام گہ بار صبحا است منزل آن مہ عاشق کش عیار کجا  
 ای نسیم صبح آرام کی جگہ کہاں ہے اور اوس ماہ عاشق کش عیار کا مقام کونسا  
 شب تار است و رہ وادی آن گشت آتش طور کجا وعدہ دیدار کجا  
 اندھیری رات اور وادی ایمن کی راہ و پیش پتو کہاں طور کی آگ اور کہاں وعدہ دیدار



یعنی باوجود اسکے کہ دل بخت سی جھانیں غماری و ذلت کو ساتھ محبت سہیں لیکن اگر کہیں اور گیتا تہی اوسکی عزت نہ ہوئی  
 اور وہ ان پر بنی لیل بجا گیا چاہے تو یہاں کہ محبوب ہی خواہیجھا اگر وہ نہ ہو لیل اسکو ایسا ہی لیل جانا کہ صیاد و شکار جانا  
 ساقی بیار بارہ و بامدعی بگو انکار یا مکن کہ تہنن جام جم نہ داشت  
 اوساقی شراب لا اور مدعی سے کہو کہ ہننے انکار نہ کرے ایسا یا کہ تہنن پاش تھا  
 ساقی سر مشد باوہ کیادہ عشق مدعی ہی حاسد بگمراہ میں یہ اور مطلب تہم کہ ایام شد شراب محبت لا اور اگر حاسد ازراہ حسد پھر  
 ملنے زنی کری تو اوس ہمارے جانب گہر کہ دم ہمارا انکا کیون کرتا ہی اسلئے کہ ایسا جام مصفا ہے کہ ہمارا دل جو چمکے پاش  
 نہ تھا اور تہنن پاشیہ سالہ میں تو عرف دنیا کی ملکوتی ہی سر کرتا تھا ہم اپنی ساغر (دل) میں عالم بالا کا کل حال دیکھتے تہنن  
 ہر رہ روی کہ رہ بحریم در شش نہرد مسکین برید وادی و رہ در حرم نہ داشت  
 جو مسافر کو اسکو در کے حیم پر راستہ نہ چلا غریبے جنگل تو طے کئے اور کبہ میں نہ پہونچا  
 یعنی جس سالک کے ہاتھ اوسکی معرفت کی راہ نہ آئی وہ اسے سب ازلی ہے کہ جو راہ کچھ خوف جنگل تو طے کر لے کر کعبہ میں پہونچ سکے علامتہ کہ اوسکی  
 خوش وقت رند و مست کہ دنیا و آخرت برباد و اود و صبح غم از بیش و کم نہ داشت  
 وہ رند اور مست خوش وقت ہے کہ جس دنیا و آخرت کو برباد کر دیا اور کوئی غم کم و بیش کا نہ رکھا  
 حافظ بر تو گوئی فصاحت کہ مدعی ہمیش خبر بود و نہر نیز ہم نہ داشت  
 اوی حافظ تو فصاحت میں سبقت کر جا کہ میں ہی کوئی ہنر نہیں اور وہ خبر ہی نہیں رکھتا  
 یعنی اوی حافظ تو خوش میں ثابت قدم رہ اور بخان معرفت کی فصاحت میں مدعی تو سبقت کر جا اسلئے کہ نہ تو اچھن کچھ ہنر ہی تو حیرت افشا  
 کر د اور نہ سر کے حال کسی خواہ کہ جو ہر امنکر نہوشاید مدعی ہی زیادہ ظاہر بر مراد ہے کہ جو عشق ہی مسکین رکھتا۔  
 بروای زارہ و دعوت مکمل سوی بہشت کہ خدا و را زل بہر بہشت نہ سر داشت  
 اود اعظا جل مجھے بہشت کی طرف نہ مہلا کہ خدا نے ازل میں مجھے بہشت کئے لی نہیں پیدا کیا  
 مطلب یہ کہ اود اعظا جل اپنا کام کر چھ نہ مدد تقوی کی غیبت و نیز بہشت کی طرف نہ مہلا اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی ازل کر دے مجھے  
 بہشت میں جاننا کہ اوسطحا نا اسلان عشق میں پیدا کیا بلکہ اپنی عشق کو اسی پیدا کیا ہی پس جان سکی محبت جو ہر کہ بہشت کو نہ پہونچا  
 یک جواز خرم ہستی نتواند برداشت ہر کہ در راہ فنا درہ حق دانہ نہ داشت  
 ایک جو بھی خرم ہستی سے نہیں اٹھا سکتا جس نے کہ دار فنا میں راہ حق کے لئے دانہ نہ لوبا  
 یعنی شخص ہمسایہ الدین فانی ہو کر حق کے ساتھ باقی نہ ہو تو گویا اسے خرم ہستی ہی ایک جو بھی نہ حاصل کیا۔  
 تو دل تہیچو مصالی اورہ زہد و ورع من معنی ازہ و ناقوس و رہ دیر و داشت  
 تری پس سچ اور جای نماز اور طہر زہد پر سرنگاری کا میر کی پاس تہیخانہ اور سنگ در راہ دیر و داشت کی

مطلب یہ کہ اود اعظا جل اپنا کام کر چھ نہ مدد تقوی کی غیبت و نیز بہشت کی طرف نہ مہلا اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی ازل کر دے مجھے  
 بہشت میں جاننا کہ اوسطحا نا اسلان عشق میں پیدا کیا بلکہ اپنی عشق کو اسی پیدا کیا ہی پس جان سکی محبت جو ہر کہ بہشت کو نہ پہونچا  
 یک جواز خرم ہستی نتواند برداشت ہر کہ در راہ فنا درہ حق دانہ نہ داشت  
 ایک جو بھی خرم ہستی سے نہیں اٹھا سکتا جس نے کہ دار فنا میں راہ حق کے لئے دانہ نہ لوبا  
 یعنی شخص ہمسایہ الدین فانی ہو کر حق کے ساتھ باقی نہ ہو تو گویا اسے خرم ہستی ہی ایک جو بھی نہ حاصل کیا۔  
 تو دل تہیچو مصالی اورہ زہد و ورع من معنی ازہ و ناقوس و رہ دیر و داشت  
 تری پس سچ اور جای نماز اور طہر زہد پر سرنگاری کا میر کی پاس تہیخانہ اور سنگ در راہ دیر و داشت کی

مطلب یہ کہ اود اعظا جل اپنا کام کر چھ نہ مدد تقوی کی غیبت و نیز بہشت کی طرف نہ مہلا اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی ازل کر دے مجھے



عاشق خسته ز درد غم بحر تو بسوخت

خونبیری تو که آن عاشق غمخوار است

عاشقِ خستہ تیری سحر کے درد و غم سے جل گیا

تو نے خود نہ پوچھا کہ وہ عاشقِ غمِ خوار کون ہے

بادہ و مطرب و گل جلمہ ہست و بی

عیش بی دوست مہیا نشود یاد کجاست

شراب اور مطرب اور گل یہ تمام موجود ہیں لیکن

محبتیں بغیر یار کے مہیا نہیں ہوتا یار کہاں ہے

بادو سے ذکوہ محبوب کہ جو بخود ہی کا سبب ہوتا ہے مطرب سے مرشد نگلی سے تجلی اور نیز بیان اسرار مقامات

مراد میں۔ باقی مطلب صاف۔

عقل و روانہ شد ان سلسلہ مشکین کو

داز ما گوشه گرفت ابروی دلدار بجا است

عقل دہوانی ہوئی وہ مشکین زنجیر کھان ہر

دل نے سمجھے علیحدگی کی ابرو سے دلدار کہاں ہے

سلسلہ مشکین زلف کو کہتے ہیں جس سے جذبہ عشق مراد ہے اور ایروے مشاہدہ تجلیات۔ یعنی عقل دیوانی

ہوئی ہے پس وہ سلسلہ مشکین جذبہ عشق کہاں ہے جس نے اسے باندھ کر ڈالا جائے اور دل جو مسموم

جدا ہوتا ہے لہٰذا اسکے لئے ابرو و عدلہ را یعنی مشاہدہ تجلیات کی ضرورت ہو تا کہ یہ عاشق کو نہ چھوڑے۔

لا م از بصومہ وصحبت شیخ نست ملول

یارِ رسائی کو خانہ خمار کجاست

میرا دل عبادتِ خدا: اور شیخ کی صحبت سے ملوں ہی

ترسا چھ پارکھان اور خانہ خمار کس جگہ ہے

بار ترسناک سے مراد کامل مراد اور خانہ خمار سے مقام عشق یعنی میرا دل خلوت گزین اور شیخ کی صحبت سے

خون بہ کی علامت ہے بچید ہو گیا ہے پس مرشد کامل اور مقام عشق کہاں ہے تاکہ اس کی طرف متوجہ ہوں

اور اپنی مراد حاصل کروں۔

حافظ ارباب دخران در حین دہر مرغ

فکر معقول بفرما گل بنجار کجاست

ما فطحن دہرین بادخران سے بخیہ مت ہو

فکر معقول کر کہ گل بنجار کون سا ہے

یعنی اس حافظ تو اوس یادِ خزان سے جو چینِ دنیا میں چلتی ہے رنجیدہ مت ہو اس واسطے کہ دنیا ماند گل

ہے اور باد خزانِ خار کی طرح ہند اور اسوچ تو سہی کہ دنیا میں وہ ایسا پھول کو بسا ہے جسے حسین کاٹا ہو

ہے۔ ایہ لازمی بات ہے کہ چین و سہری بنجر ان نہوگا۔

ماب آن رلف پرستان نوبی خری

جواب آن سرکس فتان ثوبی غری

اور اس زلف پریشان کے چہرہ و تاب ہی یہ ہے

منزل اس فغان کی مینڈ بے بیٹو ہمیں ہے

[illegible]

جہاں شب تار سے اوس رات کی طرف اشارہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وادیِ یمن میں آگ کے لئے تشریف لائے تو آتش طور سے تجلی ہو رہی۔ پس یہ معرکہ رحمت الہی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور دوسرا دیکھنے قدر کی جانب یعنی موسیٰ علیہ السلام کو رحمت کے وقت اندھیری رات اور وادیِ اربعہ والی معاملہ پیش آیا تھا کہ اوس شب میں دولت رسالت اور اعجازِ یہی صفت مشرف ہوئی اور حالتِ قہر طور کی آگ سے نامزد ہوئی کہ تجلی کی ایک جھپک سے کوہ طور جل گیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گرے لہذا حافظ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ سالک کو حالتِ قہر میں مضطرب ہونا چاہئے اس لئے کہ نہ تو وہاں وعدہ دیدار میں کچھ دیر سے اور نہ طور کو جلانے اور موسیٰ کو بیہوش کرنے میں ذرا تاخیر سے خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھنا احوال بخیر آگ لینے کو جائیں پھیری مل جائے۔

ہر کہ آمد بچہاں نقشِ خرابی وار . در خرابات نہ پرسید کہ ہشیار کجاست  
جو کہ جہاں میں آیا صورتِ فنا کی زلفیات خرابات میں مت پوچھ کہ ہشیار کون ہے

خرابی۔ فنا خرابات مقامِ عشقِ ہشیار باقی و باخود۔ مطلب یہ کہ جو کوئی اس دار فانی میں آیا اور سکامدار فنا پر ہے کہ کل من علیہا فان پس مت پوچھ کہ کون شخص باقی اور برقرار ہے اور ممکن ہے کہ یہ مطلب جو کوئی عشق کے جہاں میں آیا وہ سرا سیمہ اور لایق ہو کر مقامِ فنا میں پہنچا اسلئے مقامِ عشق میں نہ پوچھ کہ ہشیار کون ہے۔

آنکس است اہل بشارت کہ اشارت داند . نکستہ است بسی محرم اسرار کجاست  
وہ شخص اہل بشارت ہے کہ جو اشارہ سمجھتا ہے اس میں بہت سی باریکیاں ہیں محرم اسرار کون ہے یعنی عشق میں بہت سے نکات ہیں لیکن جو محرم اسرار ہے وہ انکو جانتا ہے پس اوسکو بشارت ہو جو کہ جو اسرار عشق کو اشارہ اور رمز سے معلوم کرے۔

ہر سر ہوئی مرا با تو ہزاران کاست . ما کجائیم و نصیحت گر بیکار کجاست  
میرا ہر بال تجھے ہزاروں مقصد کہتا ہے ہم کہاں اور بیکار نصیحت گو کہاں یعنی میرے سر کا ایک ایک بال تجھے ہزار ہا آرزو میں رکھتا ہے پس نصیحت گو کی ملامت بیکار ہے۔ خلاصہ یہ کہ اہل دنیا جو ہماری معاملہ عشق میں وقوف نہیں رکھتی اور طعن کرتے ہیں کہاں ہم عاشق اور کہاں وہ نا آشنا و محبت ہماری اور انکو درمیان میں بہت بڑا فرق ہے۔

دوش باد از سر کویت بگلستان بگشت  
ای گل بن چاک گریبان تو بچیزی نیست  
کل تیر کوچ سے ہو کر صبا باغ کو گئی ہے  
ای گل بیزری گریبان کا چاک ہونا خالی از گلستان  
یعنی ای عاشق تیرے یہ چاک گریبان جن سے مراد رسوائی و پریشانی ہے بے سبب نہیں بلکہ عشق کی وجہ سے  
کیونکہ کل باد فیض جسکا کنایہ عشق موفت کی طرف ہوا میں محبوب کے کوچ سے عاشق کے گلستان وجود میں کو  
گذری۔ اسلئے تو نے اپنا گریبان چاک کیا۔

درد عشق ارچہ دل از خلق نہان بیدار  
حافظ این دیدہ گریبان تو بچیزی نیست  
دل اگرچہ عشق کا درد خلق سے پوشیدہ رکھتا ہے  
ای حافظ تیری یہ دیدہ گریبان بے سبب نہیں ہے  
یعنی ای حافظ اگرچہ تیرا دل درد عشق کو خلق سے چھپا کر پھرتا ہے لیکن اشکباری جو بلا وجہ نہیں ہے صاف  
کہہ دیتی ہے کہ تو کسی پر عاشق ہے۔

دیدمش دوش کہ میرست و خرا مان میرفت  
جاسم جی بر کف و در مجلس ندان میرفت  
مین نے کل او سے دیکھا کہ مست و خرا مان جاتا تھا  
نساغ شراب ماتہ مین اور زندہ کی مجلس طرف گیا تھا  
شس کی تغیر یا عشق کی طرف یا رشد کی طرف کو راجع ہے یعنی کل مین نے مرشد کو دیکھا کہ می محبت سے مست  
ہو رہا تھا ماتہ مین شراب معرفت کا پیالہ لئے ہوئے زندان (مردان) کی مجلس میں کو گیا تھا تاکہ شراب معرفت  
سیراب کرے۔

مطلع ثانی

یاد میرہ چہرہ من بادل گریان میرفت  
متغیر شدہ و زبندہ گریان میرفت  
میرا یاد میرہ پارہ بادل گریان گیا  
سندہ سے متغیر ہو کر بہا گیا  
چونکہ بعض مخون مین اس غزل کا مطلع ہی ہے اور تمام غزل کا مضمون اس سے مربوط کیا تا ہوا معلوم  
ہو رہا ہے لہذا ہم مطلع اول کی شرح کرنیکے بعد اسکی شرح لکھنے میں چونکہ مین فیض و لادیت یا عدم  
مشاہدہ کا مضمون ظاہر کیا گیا ہے اسلئے غزل کے کل اشعار کی جداگانہ شرح کی ضرورت نہیں رہے۔

چون ہمی گفتش ای مونس و بر نہین  
سخت میگفت دل از زردہ پریشان میرفت  
جب مین نے اس کو کہا کہ ای میری برائی عکسار  
سخت کہتا تھا دل از زردہ و پریشان گیا  
نقش خوارزم و خیال لب جھون می  
باز دران گام از ملک سلیمان میرفت  
شہر خوارزم کا نقشہ خیال کننا ہے چون کا بارہم تھا  
باز دران گام کے ساتھ ملک سلیمان میرفت

خواب کا اشارہ تغافل کی نسبت اور زکس فتان چشم مست یافتہ انگیز جس سے نقد ذات عبارت ہے  
 سے مست چشم اینجا یعنی نقد ذات کو عیان بیند وجود کائنات و زلف پریشان عالم کثرت  
 اور سچ و تاب سے مقصود اسکی آراستگی ہے۔ اور مطلب یہ کہ ای محبوب بوس مشاہدہ ذات سے  
 تیرا تغافل یا اخفا کہ جو بھی عالم اطلاق میں حاصل تھا اور اس آراستگی زلف پریشان یعنی ظہور عالم کثرت  
 کچھ نہ کچھ غرض ضرور ہے یعنی یہ سب باتیں نہ خیالی از علت ہیں اور نہ ہماری پریشانی اور سرگردانی محض  
 برائے بیت ہے۔

از لب شیر روان بود کہ من میگفتم کاین شکر گردنکدان تو بی خبری نیست

تیر لب سے دودہ جاری تھا کہ من کہا کرتا تھا کہ نکدان کے آس پاس یہ شکر بے نتیجہ نہیں ہے  
 نکدان سے دہن اور شکر سے وہ ہی شیر مراد ہے۔ مجازی مطلب یہ کہ میں تیری ایام طفولیت میں کہا کرتا  
 کہ اس دہن سے فتنے برپا ہونے والے ہیں۔ ہونٹوں سے دودہ پھٹتا ہے دودہ کی خوشبودہن کو آنا شیر خوا  
 ہ کی حالت طفلی ظاہر کر نیلے واسطے بولا کرتے ہیں۔ پس از لب شیر روان بود سے زمانہ طفلی یعنی روز ازل  
 مراد ہے اور حقیقی اعتبار سے یہ مطلب یہ کہ روز ازل میں جب اللہ تعالیٰ نے پوری طور پر اپنا ظہور مخلوق  
 کیا تھا یعنی یہ تخلیقات متنوعہ اور انوار متلونہ نہ تھیں۔ تو میں اپنی آپ سی یہ کہتا تھا کہ اوشکا ہمیر یہ لطف  
 و فضائل محض بے نتیجہ نہیں ہر کبھی نہ کبھی خلق کر کے اپنا والد و شیدا بنا بیٹا لگا۔

چشمہ آب حیات دست دمانت اما زیر لب چاہ ز نخدان تو بی خبری نیست

تیرا منہ آب حیات کا چشمہ ہے لیکن لب کے نیچے چاہ ز نخدان ہی بے سبب نہیں ہے  
 جان من با و فدائی تو یقین میدا تم در کمان ناوک شرگان تو بی خبری نیست  
 میری جان تجھ پر قربان ہو میں یقین کہتا ہوں کمان میں تیرا ناوک شرگان بولت نہیں ہے  
 کمان سے ابو شرگان سے بلکہ مراد ہیں۔ تیرا کمان کے واسطے یہ الفاظ لائی ہیں مطلب صرف یہ کہ  
 میری جان تجھ پر قربان ہو اسکا کچھ خوف نہیں یہ نہ تار ہو می چکی ہے مگر کمان ابو میں ناوک شرگان کا  
 ہونا ہی محال از علت نہیں

بستلای بغم و محنت و اندوہ فراق ایدل امین نالہ و افغان تو بی خبری نیست

تو غم و محنت اور رنج فراق میں مبتلا ہو ایدل امین نالہ و افغان تو بی خبری نیست  
 ایدل امین نالہ و افغان تو بی خبری نیست

اس عالم میں سالک پر ظاہر ہوے وہ درد کشوں یعنی عاشقوں کے مشاہدہ تجلی سے ظاہر ہوے۔  
 بیا و معرفت من شنو کہ در سخنم ز فیض روح قدس نکتہ سعادت  
 میری معرفت کی یاد سے سنو کہ میری کلام میں روح قدس کے فیض سے نکتہ سعادت پہنچا ہے  
 یعنی ای طالب چونکہ معرفت چھو یاد ہے اسلئے تو میری کلام میں جسٹ روح القدس کے فیض سے نکتہ سعادت  
 پہنچا ہے معرفت کا حال پڑہ دوسروں کے سخن میں یہ اثر اسلئے نہیں کہ او نکو باری کی کلام کے واسطے کسی  
 فیض نہیں پہنچا۔

مجوز طالع مولود من بحر زندگی کہ این معاملہ با کوکب ولادت رفت  
 میری طالع ولادت سے سوا زندگی کا اور کچھ نہ ہوگا  
 یعنی میری کوکب ولادت کا یہی اثر تھا کہ جو کوئی اس وقت پیدا ہوتا وہ سوائے عشق بازی اور زندگی کے  
 اور کچھ نکرتا پس ای مخاطب تجکو مجھے ہی سوائے مستی اور زندگی کا اور کس کام کی امید نہ کہنی چاہئے کیونکہ یہی  
 اس وقت پیدا ہوا ہوں۔

ز بامداد بدست دگر بر آمدہ . وظیفہ می دوشین مگر زیادت رفت  
 صبح کو تو دوسرے طور پر برآمد ہوا  
 شاید کہ وظیفہ می دوشین کا زیادہ ہو گیا  
 وظیفہ می دوشین سے مراد مشاہدات تجلیات ہیں یعنی ای سالک آج تیرا حال کچھ اور ہے ایسا معلوم ہوتا ہے  
 کہ شاید تجکو رات مشاہدہ تجلی کا زیادہ ہوا ہے۔

مگر بمعجزہ کو شد طبیب عیسی دم چرا کہ کار من خستہ از عبادت رفت  
 مگر وہ عیسیٰ دم طبیب معجزہ میں کوشش کری  
 اس واسطے کہ مجھے خستہ کا کام عبادت سے باہر  
 عاشق کہتا ہے کہ عیسیٰ نفس طبیب کو میری زندہ کرنے کے لئے معجزہ کو کام میں لانا چاہئے اگر صرف عبادت ہی کو  
 کیا تو عبادت سے میرا کام نہیں چلے گا اس واسطے کہ میں اس کی چرخ میں قریب الہی ہوں۔  
 ہزار شکر کہ حافظ زراہ میکہ دوش . بلنج ز او یہ و طاغوت و عبادت رفت  
 ہزار شکر کہ کل میکہ سے حافظ  
 گوشہ طاعت و عبادت کی طرف گیا  
 یعنی بڑی شکر کی بات ہے کہ حافظ زندگی کو چھوڑ چھا کر کل میخانہ سے سیدنا محراب عبادت کی طرف گیا اور  
 زراہ بن گیا بعض نسخوں میں یہ شعریں ہے ہزار شکر کہ حافظ براہ میکہ دوش بلنج ز او یہ و طاغوت

خوارزم سے بہشت اور لب حیوان سے لب کوثر ملک سلیمان سے دنیا مارا ہے یعنی بہشت کا نقش اپنی آنکھوں میں جمائے ہوئے حوض کوثر کا تصور کرتا ہوا دنیا کے ہزاروں گلوں کے ساتھ یہاں سے ہٹا رہا۔  
 پیشہ آنکس کہ چو او جان سخن کس ساخت  
 وہ شخص کو نہا کہ جسے اس سخن کی جان کو پہنچا  
 من ہمید یدم و از کالبدم جان میرفت  
 کان شکر لہجہ خوشگوی سخن دان میرفت  
 میں دیتا تھا کہ میری بدن سے جان جاتی تھی  
 کہ وہ شکر لہجہ خوشگو سخن دان تو چلا گیا  
 ز انکہ کار از نظر رحمت سلطان میرفت  
 اس واسطے رحمت سلطان کی نظر سے کام میرا گذر گیا  
 میں نے بہت سی چالوسی کی لیکن اوسنی جھجھکاؤ نہ دیا  
 جب محبوب نے جان کا قصد کیا تو اسلئے کہ اب اسرار معرفت ہم سے کون کہو گا میں نے اوسکی بہت سی چالوسی  
 اور خوشامد کی لیکن وہ کچھ بھی سود مند نہ ہوئی اس واسطے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی مرضی یوں ہی تھی۔ کہ معشوق  
 ہم سے جدا ہو جاوے۔ چنانچہ اوسنے ایک نہ سنی اور چلا گیا۔

پادشاہ از کرم از سر جرمش بگذر  
 ای پادشاہ اپنے کرم سے اوسکا گناہ سہو در گذر کر  
 چون بشد آن صنم از دیدہ حافظ غائب  
 جب کہ وہ محبوب حافظ کی نظروں سے غائب ہو گیا  
 چہ کند سوختہ از غایت حرمان میرفت  
 سوختہ دل کیا کرے کہ بے نصیبی کی غایت ہو گیا  
 اشک ہموارہ ز رخسار بد امان میرفت  
 آنسوؤں کا تار رخساروں سے دامن کی طرف گرتا رہا

معنی ظاہر میں۔ شرح کی کچھ ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔  
 ہر آن تجستہ نظر کرنی سعادت میرفت  
 ہر مبارک نظر جو طالب سعادت ہوا  
 یعنی سعادت اوسی شخص کو ملی کہ جس نے میخانہ کے کونہ میں عزلت اختیار کی اور ہر شہر سے بیعت ہوا۔  
 میخانہ کے کونے اور خانہ ارادت میں گیا  
 میخانہ کے کونے اور خانہ ارادت میں گیا  
 سیکرہ سے منزل عشق ہوا ہے۔

ز رطل دور و کشان کشف کرد سالک راہ  
 دور و کشان کے پیمانہ سے سالک کی راہ کھلی  
 رموز غیب کہ در عالم شہادت رفت  
 غیب کے ہیید کہ جو عالم شہادت میں گئے  
 رطل یعنی شاہد تجلی اور عالم شہادت سے دنیا مارا ہے۔ یعنی جو کچھ کہ اسرار معرفت اور غیب کے ہیید



اوسکی ذات مراد ہوگی۔ صبا کا گناہ مرشد کی جانب حکایت زلف سے مقصود اسرار عشق پر یعنی حب عاشق نے اپنی ذات کو تہ اسنگی دی تو مرشد نے اوسکو عشق کا قصہ بیان کر کے پشیمان کر دیا کہ تجکو محض عشق کی وجہ سے یہ مرتبہ حاصل ہوا ورنہ تو کہاں اور یہ کمال کہاں۔

کنون بآب می لعل خرقہ می شویم نصیبہ ازل از خود نمیتوان انداخت  
ابکہ میں شراب سرخ سے خرقہ دھوتا ہوں یہ نصیب ازل کا سبب ہی اپنی آپ نہیں ڈالا جا سکتا

شراب سے خرقہ دھونا بمعنی عشق کرنا۔ یعنی میں جو عشق کر رہا ہوں یہ از خود نہیں کرتا ہوں بلکہ ازل سے ہی میری قسمت میں لکھ گیا ہی پس یہ شراب میں جبہ کا دھونا ازلی ہے کچھ آج سے نہیں اور نہ میں نے خود بخود جبہ کو شراب سے رنگا ہے۔

نبود رنگ دو عالم کہ نقش الفت بود زمانہ طرح محبت نہ این زمان انداخت  
دونوں عالموں کا رنگ تھا کہ نقش محبت ہو چکا زمانہ نے کچھ بنیاد عشق کی اسوقت سے نہیں ڈالی  
یعنی کچھ عشق و محبت کی بنیاد کو زمانہ نے اسوقت سے نہیں ڈالا ہے بلکہ یہ بنیاد اسوقت سے پڑی ہوئی ہے کہ جب دونوں عالموں سے کوئی عالم ہی موجود نہ تھا۔

من از ورع می و مطرب ندیدی برگز ہوائی معجی کاغذ در این و آن انداخت  
میں زہد و تقویٰ کی وجہ سے معی و مطرب کے نہیں ٹکنا لیکن معجی کاغذ کی ہوائ نے مجکو اس میں آن میں لا  
معجیوں سے معشوق لوگ مراد ہیں یعنی میں تو بڑا پارسا تھا لیکن ان معشوقوں کی خواہش نے مجھے معی و مطرب اور اس آسمن سب ہی میں مبتلا کر دیا۔

جہان بکام دل کنون شود کہ در زان مرا بہ بندگی خواجہ زمان انداخت  
اب جہان دل کے مقصد میں ہو جاوے کہ گردش زمانہ مجکو خواجہ زمان کی بندگی میں ڈالا  
خواجہ زمان بمعنی مرشد کامل جہان بکام دل شدن بمعنی مقصود دل بر آمدن۔ یعنی اب کہ گردش فلک نے مجکو مرشد کامل کی اطاعت میں لا ڈالا ہے۔ بیشک میں اپنی دلی مقاصد میں کانبہا ہوں گا اور مراد کو ہوں گا

مگر کشائش جانیدین خرابی بود کہ قسمت از لش در می معان انداخت  
شاید حافظ کا اشارہ اسی خرابی میں تھا کیونکہ قسمت ازلی سنہ اوس کی دماغ میں ڈالا  
معلوم ہوتا ہے کہ شاید حافظ کی کامیابی اسی خرابی میں تھی جو قسمت ازلی نے اوسکو عشق باری اور شرفی میں

اسکا مطلب برعکس ہوتا ہے۔ **خست**  
 خمی کہ ابروی شوخی تو درگمان اندا **خست**  
 وہ خم کہ جو تیرے شوخ کی گمان میں نہ  
 شراب خوردہ خود کردہ کی شدی خمین **خست**  
 شراب پی کر عرق میں ترکیب تو خمین میں گیا تھا  
 عاشق پوچھتا ہے کہ اے محبوب تو خود ہو کر عرق بر و باغ میں کب چلا گیا تھا کہ تیرے چہرہ کی رونق  
 گل ارغوان کو غیرت سے جلادیا۔ واضح ہو کہ گل ارغوان کی مشابہت معشوق کے چہرہ پسینہ دار سی دیجاتی  
 اور اوس کی رعایت سے یہ مضمون لایا ہے۔ **خست**  
 بیک کرشمہ کہ نرگس خود فروشی کرد **خست**  
 ایک ہی کرشمہ سے نرگس خود فروشی کرنے لگی  
 یعنی اے محبوب نرگس صوفی ادوس ایک کرشمہ سے کہ جو اوسکو چشم معشوق سے تشبیہ دیکراتی ہو خود فروشی کرنے لگی  
 یعنی شہرہ آفاق ہو گئی۔ تو تیری نگاہ کہ جو ایسے ایسے صدمہ فتنے جہان میں ادٹھاتی ہے کیوں مشہور نہ ہو اور  
 عالم کو کیوں اپنا مفتون و شیدا نہ بنائے۔ **خست**  
 ز شرم آنکہ بروی تو نسبتش کردند **خست**  
 ہنس شرم سے کہ اوسکی نسبت تیری چہرہ سے ہو گئی  
 بہ نرم گاہ چمن روش مست بگد شتم **خست**  
 میں کل نرم گاہ چمن میں مست ہو کر گدرا  
 یعنی کل میں مستی کی حالت میں باغ کی سیر کو اسلئے کیا کہ تیرے دہن سے غنچہ کو جو نسبت دیتی میں آیا یہ نسبت  
 صحیح ہے اور میں اوسکا یقین کروں یا نہ کروں۔ **خست**  
 بنفشہ طرہ مقتول خود کردہ میزد **خست**  
 اپنے طرہ مقتول میں بنفشہ نے گرہ لگائی  
 طرہ مقتول یعنی طرہ پیچیدہ خلاصہ یہ کہ بنفشہ نے اپنے طرہ پیچیدہ میں گرہ لگائی یعنی اوسکو سنوارنا کر آراستہ کر  
 کیا تھا مگر صبا نے تیری زلف کا قصہ بیان کر کے اوسکو شرمندہ کر دیا حقیقی طور میں بنفشہ سے عاشق طرہ مقتول

شام سبز لطف کو نئی زلف جس سے دنیا راوے مقصود ہے صبا کا اشارہ مرشد کی جانب لہذا حافظ صاحب فرماتے ہیں چونکہ میں عاشق ہوں اور اوسکی خوبی کو پا گیا ہوں اسلئے صبح کو میری بحث مرشد سے اس بنا پر ہوتی ہے کہ وصف شام سبز لطف میں جسکا اشارہ جذبہ عشق کی طرف ہر دم نہ مارنا چاہئے اور نہ اوسکا پردہ فاش کرنا چاہئے تاکہ مذعیون کو قیل و قال کا موقع نہ ملے۔

من ازین طالع شوزیدہ برچشم ورنہ بہرہ مند از سر کویت و گریخت کہیت  
میں اس نصیب کم بخت کی وجہ سے رنج میں ہوں ورنہ کیا اور لوگ تیری کوچہ سے بہرہ مند نہیں ہیں  
یعنی میں اپنے شومی طالع سے رنج اٹھاتا ہوں ورنہ دوسری لوگ تیری کوچہ سے بہرہ مند ہو رہے ہیں اگر میرا نصیب ایسا ہوتا تو میں بھی ضرور بہرہ مند ہوتا۔

از خیال لب نوشین تو ای چشمہ نوش غرق آب عرق اکنون شکری نیست کہ نیست  
اچشمہ نوش تیرے لب شیرین کے خیال سے اب کون سی شکر ہے کہ غرق آب شرم نہیں ہے  
آب چشم کہ برو منت خاک در تست زیر صدمت او خاک دری نیست کہ نیست  
میری آنکھ کا آنسو کہ چیر تیری در کی خاک کا احسان ہے کون کی در کی خاک کہ جو او بیک صدا احسانوں کی برائیں  
اے محبوب چونکہ میری اشکون بہ تیری در کی خاک کا احسان ہے اسلئے وہ کونسو دروازہ کی خاک کہ چیر میرے

اشکون کے صدا احسان نہوں۔  
از وجود انقدرم نام و نشان نیست کہ نیست ورنہ از ضعف در آنجا اثری نیست کہ نیست  
وجود سے میرا صرف اسقدر نام و نشان معلوم ہوتا ہے کہ جو در سے میرے وجود سے صرف اسقدر نشان باقی ہے کہ ہمت کہہ سکتے ہیں  
چونکہ میں مقام عشق میں ہوں پس میرے وجود سے صرف اسقدر نشان باقی ہے کہ ہمت کہہ سکتے ہیں  
در نہ جو کہ اثر یا نشان کمال ضعف کا ہوتا ہے وہ سب مجھ میں موجود ہے۔ یعنی ضعف کمال کو پہونچ گیا ہے  
اور کچھ باقی نہیں رہا۔

شیر در باد یہ عشق تو رو باہ شود آہ ازین راہ کہ دروی خطری نیست کہ نیست  
شیر تیری جنگل عشق میں بوٹری ہو جاتا ہے آہ کہ یہ راہ کہ جس میں خطر ہے موجود ہیں۔  
یعنی تیرے بیابان عشق میں در اگر شیر ہی ہوتے ماری توٹری ہو جاتا ہے۔ فہولش اس راہ عشق میں بڑی خطرے موجود ہیں۔

دالیا۔ می مغان سے مراد اون لوگوں کی محبت ہے کہ جو عشق الہی کی آگ میں اپنی آپکو سوختہ کر دیں۔  
 روشن از پر تو رویت نظری نیست کہ منیت خاک ت بر بصری نیست کہ نیست  
 تیرے چہرہ کے پر تو سے ہر نظر روشن ہے تیرے در کی خاک احسان کو نسی چشم پر نہیں ہے  
 قاعدہ ہے کہ نفی کا لون نفی پر واقع ہو کر اثبات کے معنی دیتا ہے اسلئے نیست کہ نیست کو معنی ہے ہو  
 مطلب صاف ہے اور اسکا خطاب معشوق یا مرشد کی طرف سمجھنا چاہئے۔

ناظر روئی تو صاحب نظر اندولی سر گیسوی تو در پیچ سری نیست کہ نیست  
 تیرے چہرہ کے دیکھنے والے صاحب نظر تو ہیں لیکن کون سر ہے کہ جسمیں تیرے گیسو کا خیل نہیں ہے  
 صاحب نظروں سے مراد وہ اولیاء کامل ہیں جو دیدہ باطنی سے ہر شے میں جمال باری تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں  
 یعنی ہر چند کہ تیری قلبی محبت اولیاءوں سے مخصوص ہے لیکن مخلوق میں کوئی ہی ایسا نہیں کہ جسمیں عمومیت  
 کے ساتھ جاری و ساری ہو۔

اشک غماز من او سرخ بر آید چہ عجب خجل از کردہ خود پر درہ دری نیست کہ نیست  
 میرا خجلو اشک اگر خون سے سرخ ہو تو گنہا عجب کون پر درہ دری جو اپنی گنہوں سے شرمندہ نہیں ہوتا  
 یعنی اگر میرا اشک آنکھوں سے مثل خون سرخ نکلتا ہے تو کچھ تعجب نہیں اسلئے کہ یہ دل کا پردہ فاش کر دیا ہے  
 اور اپنے پردہ کا فاش کر دیا اور شرمندہ و پشیمان ہوتا ہے۔

کہ کہین بخت چہ بندی کہ ز مہر بر میان دل و جانم کمری نیست کہ نیست  
 نہ تو نے کہینہ کو جو بخت کہئے کیوں بلند کا بخت میرے دل اور جان کی کمر پر جو ہے  
 تابدا من نہ نشیند ز نیست گروی میل اشک از نظم سر گذری نیست کہ نیست  
 تاکہ تیرے دامن پر ہوا سے گرد نہ جے میل اشک میری نظر سے راہ گز زمین ہے  
 یعنی یہ میری گہر و زاری تیری رہ گز کو اسوا اسطے ترک کرنے کے لئے تاکہ جب تو راہ میں گزے تو ہوا سے گرد اوگر  
 تیرے دامن پر نہ جے۔

تادم از شام سوز لاف تو ہر جا نرند با صبا گفت و شنیدم سحری نیست کہ نیست  
 تاکہ تیری زلف کی سیاہی میں ہر جگہ دم نہ مارے صبا کے ساتھ میری گفت و شنید سحر کو ہوتی ہے

طرف سے اسیر ہیں۔ ہر شخص وہ مومن ہو یا کافر ہمیشہ یار ہو یا سست نیک ہو یا بد بادشاہ ہو یا خیر غرض کہ اپنے اپنے خیال میں نہیب تیری طالب اور تیری ہی طرف کو رجوع کرنا واسطے ہیں یہاں تک کہ تیری ہر مخلوق وہ جاندار ہو یا جان درخت ہو یا پتھر پانی ہو یا ہوا تیری یاد سے غافل نہیں و بہت من شیء بالکسب من حیث حیث  
 روی تو مگر آئینہ لطف الہی است . حقا کہ چنین بست درین روی تو است  
 تیرا چہرہ مگر لطف الہی کا آئینہ ہے قسم خدا کی ایسا ہی ہے اور اس میں کوئی عیب نہیں  
 زاہد و ہدم تو بہ زروی تو زری روی ہمیشہ ز خدا شرم و زروی تو حیات  
 زاہد نے جو تیری روی تو بہ کرائی او کی عجیب صورت ہے نہ او سکھو خدا سے شرم نہ تیرے روی حیا  
 اس میں تو بہ کرنا ہوا نے زاہد کی مٹی پلید کی گئی ہے یعنی ای دوست زاہد مجھے تیری صورت دیکھنے سے تو بہ کراتا ہے۔ ذرا او کی صورت تو دیکھ کہ کیا معقول ہے جسکو نہ تو خدا سے شرم آتی ہے اور نہ تیری روی حیا کا خیال ہوتا ہے۔

نرگس طلبد شیوہ چشم تو زہی شیم مسکین خیرشن از سر و دریدہ حیات  
 نرگس تیری آنکہ کاشیوہ طلب کرتی ہے کیسی عجیب ہے نہ او میں بیماری کو تیری بہید سے خبر نہ آنکہ میں جبار  
 یعنی تیری آنکہ تو عجیب آنکہ ہے مگر نرگس اسکا کاشیوہ اختیار کرنا چاہتی ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اس دیکھا کو تیرے بہید کی کیا خبر کہ اس چشم میں کیا بہید ہوا ہو چو نکہ اسکی آنکھوں میں جیا نہیں ہے شاید اس وجہ سے وہ ایسی ناشائستہ حرکت کی مرکب ہوئی اگر غیرت دار ہوتی تو چلو بہر پانی میں ڈوب مرنے لے  
 از بہر خدا زلف میارای کہ مارا شب نیست کہ صد عیدہ بابا و صیانت  
 خدا کے لئے زلف کو مت سنوار کہ ہمارے لئے کوئی شب نہیں ہوتی کہ سو جگہ گری یاد صیانت لڑو  
 ظاہری مطلب صاف ہے باطنی اعتبار زلف سے مراد عالم کثرت و تعین میں میارے سے اونکا نہ سنوارنا باد صبا سے دم زندگی یعنی ای محبوب حقیقی تو عالم کثرت تعینات کو ہماری واسطے آراستہ نفرما کیونکہ ہر شب باد صبا سے (دم زندگی میں) ہو جگہ گڑے کرنے پڑتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہم گرفتار دنیا ہو ناہیں چاہتے اور تفکرات دنیا ہلکو مجبور کرتی رہتی ہیں۔

باز آئی کہ بی روی تو ای شمع دل افروز در بزم حریفان اثری نور و ضیانت  
 ای شمع دل افروز لوٹ آ کہ بغیر تیری ریح روشن کے عاشقو کی بزم میں ذرا ہی اثر و نشانی کا نہیں

نہ من دل شدہ از دست تو خون جگر  
از غم عشق تو بر خون جگری نیست  
میں ہی دیکھ کر تیرا ہاتھ سوخا نہیں جگر نہیں ہوا ہوں  
کون سا جگر ہے کہ جو تیرے عشق سے خون نہیں  
از سہر کوئی تو رفتن تو انہم کامی  
ورنہ اندر دل بیدار سہی نیست کہ نیست  
تیرے کوچے سے میں ایک قدم ہی نہیں آسکتا  
ورنہ دل بیدار کے اندر کون سفر ہی نہیں ہے  
یعنی میرا دل ہر سفر کو نیکو پیار ہے یا دوسرے بہت سے سفر میں مگر تیرے کوچے سے ایک قدم ہی سر نہ کھینے کا

ارادہ نہیں۔  
تو خود ای شعلہ خشنہ چہ داری دیر  
کہ کیا ہے حرکات جگری نیست  
ای شعلہ خشنہ تو خود اپنی خیال میں کیا کہتا ہے  
کون سا جگر ہے کہ جو تیری حرکات کو کیا نہیں ہوا  
اے محبوب عالم جو کوئی جگر ہے وہ تیرے غمزہ و ناز کے شعلے سینہ کباب ہو رہا ہی نہیں معلوم کہ تو اس  
سوختگی جگر ہائے کیا مطلب رکھتا ہے۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد  
وز در مجلس زندان خبری نیست  
راز کار وہ سے باہر لانا مصلحت نہیں  
ورنہ کونسی خبر ہے کہ جو زندان کی مجلس میں نہیں ہو جاتی  
یعنی ہم زند لوگ جن سے عاشق مراد میں راز کا افشا کرنا مصلحت نہیں سمجھتے۔ ورنہ وہ دنوں جان کا ہبید

ہم پر مشکف ہی۔  
بجز این نمکتہ کہ حافظ از تو ناخوشنود  
در سراپای وجودت ہنری نیست  
معناوی اس نکتہ کے کہ حافظ تجھے ناخوش ہے  
کونسا ہنر ہے کہ جو تیری سراپا کو جو دین نہیں  
یعنی ای محبوب تیری ذات سراستشف باوصاف حمیدہ ہے اور کوئی ہنر کیا مال ایسا نہیں کہ جو تیری سراپا میں  
موجود نہ ہو البتہ حافظ تجھے خوش نہیں اسلئے کہ تو اس سے وفا نہیں کرتا۔ چنانچہ اس سے پہلے کہ یہ حکم میں  
سے جزیں قدر بتوان گفت در جمال تو عیب ہے کہ حال ہر دو وفا نیست روی زیبا را بہ حقیقی اعتبار کو ایسا  
کہنا سخت ہے ادبی ہے لیکن جو کہ عاشقان الہی مجذوب ہوئے ہیں اسلئے ان کو کچھ کہنے میں ہرج نہیں۔  
کس نیست کہ افتادہ ان زلف دوستان  
ورنہ کد زری نیست کہ دامی ز بلا نیست  
کوئی ایسا نہیں کہ جو تیری زلف دوستان کا اسیر نہ ہو  
ایسی کوئی رہ گز نہیں کہ جسمیں بلا کا جال نہیں ہے  
یعنی ای محبوب حقیقی ایک میں ہی تجھ پر عاشق نہیں ہوں بلکہ ہر دو عالم تیری زلف میں جسکا اشارہ جذبہ عشق کی



یعنی بیچارہ عاشق ملاست کے تیرون کو کیسے روک سکتا ہے کیونکہ یہ تو اسکی ازلی قسمت ہے اور کوئی ہمارا  
ایسا نہیں کہ جسکے پاس مقدر کی قرب روکمنیکے لئے ڈھال ہو۔

در صومعہ زراہد و از خلوت عابد جز گوشہ ابروی تو محراب و عبادت

عبادت خانہ میں زراہد کو خلوت میں عابد کو تیرے گوشہ ابرو کی سوا کوئی محراب دعا کی گواہ نہیں  
خلاصہ یہ کہ زراہد عبادت خانہ میں عابد خلوت میں صوفی خانقاہ میں سب تیری ہی طرف کو متوجہ ہیں کیونکہ  
تیری محراب ابرو کے سوا اور کوئی جگہ دعا کی نہیں۔

ای چنگ و برہ بخون دل حافظ فکر مگر از غرت قرآن خدا نیت

ایک تونے حافظ کے دل کے خون میں چنگل کر لیا شاید کہ تجھے قرآن خدا کی عزت کی فکر نہیں

یعنی ای شخص تو جو حافظ کے قتل کا ارادہ رکھتا ہے اور اس کے دل کے خون میں اپنا چنگل ڈبوئے کو پرتا ہے  
شاید تیرے دل میں قرآن پاک کی عزت نہیں اور نہ اسکا اندیشہ ہے کہ جو شخص قرآن حافظ ہو اسکا قتل گناہ عظیم  
حافظ صاحب چونکہ قرآن حافظ تھے اسلئے یہ لفظ لائے ہیں۔ بعض نسخوں میں غرت کی بجائے غیرت ہے پس اگر اسکو  
غیرت پڑ میں تو یہ معنی ہوں گے کہ اگر قاتل تجھ کو قرآن پاک کی غیرت نہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے فہم کی مین قتل  
مُو مِیْنًا مُتَعَدِّیًا فَجْرًا اَلَا جَهَنَّمُ خَالِدًا یعنی جس نے مومن کو جان بوجہ قتل کیا اسکی سزا یہ ہے کہ  
وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

رواق منظر چشم من آشیانہ تست کرم نما و فرودا کہ خانہ خانہ تست

میری مرد مک چشم تیرا آشیانہ ہے کرم کر اور تشہیف لاکہ یہ گہر تیرا ہی گہر ہے  
رواق منظر چشم بھی آنکھ کی پتلی یعنی ای محبوب تیرے ملنے کی نگہ اپنی ہی آنکھ کی پتلی ہے پس کرم فرما اور شوق  
تشریف لاکہ یہ گہر تیرا ہی خانہ بے تکلف ہے اور اس میں سوائے تیرے کسی دوسرے کی گنجائش نہیں۔

بلطف خال و خط از عارفان ربودنی ل لطیفہائی عجب زیر دام و دانہ تست

تو نے عارفوں کے دل کو خال و خط کر لطف لیلیا تیرے دام و دانہ کی تیرے عجب لطیفہ ہیں

خط سے دام اور خال سے دانہ مراد ہے۔ حقیقی صورت میں زلف اور خط و خال کا کنا یہ مصنوعات کی طرف یا جذبات  
عشق و مشاہدات تجلیات کی جانب ہوتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ تو نے عاشق کے دل کو بذریعہ اپنی مصنوعات کے  
لے لیا۔ اور اونسے اپنی آپ کو بذریعہ حجاز کے پردہ کے پوشیدہ کر لیا یہ تیری دام و دانہ کی تیرے عجب لطیفہ ہیں

دی میشد و گفتم صنما عہد بجا آر گفتا غلط ایخوا جہ درین عہد نیست  
کل جاتی وقت میں نے کہا کہ اویار وعدہ وفا کر کہا کہ ایخوا جہ غلط یہ زمانہ ہی وفا کا نہیں  
کل جس وقت یار جانے لگا تو میں نے اوس سے وعدہ وفا کرنے کو کہا یعنی یہ کہا کہ مت جاتو نے تو بخانیکا

وعدہ کیا تھا مگر وہ یہ کہہ کر چلا گیا کہ ایخوا جہ میں کیا کروں اس زمانہ میں وفا کہیں نہیں۔ نیست  
تیمار غریبان سبب ذکر جمیل ست جانان مگر اس قاعدہ در شہر شہادت  
غریبوں کی غم خواری ذکر جمیل کا سبب ہوتی ہے مگر ایجان تمہاری شہرتیں یہ قاعدہ نہیں  
چون چشم تو دل می بردار گوشہ نشینا و نہال تو بودن گنہ از جانب نیست  
جب تیری آنکھ گوشہ نشینوں کا دل لیجاتی ہے تو تیرے پیچھے پڑنا ہماری طرف کا گناہ نہیں ہے

یعنی جب تیری آنکھ ہم گوشہ نشین لوگوں کا دل لئے جاتی ہے تو اس کو لینے کے لئے تیرے پیچھے دوڑنے میں  
ہمارا کیا گناہ ہے کیونکہ جو کوئی کچھ لئے ہاگتا ہے تو اس سے چہیننے کے لئے پیچھے دوڑا ہی کرتے ہیں۔

گر پیرمغان مرشد ماشد چہ تفاوت در پیچ سری نیست کہ سری ز خداست  
اگر پیرمغان ہمارا مرشد ہوا تو کیا فرق ہے کوئی بہید ایسا نہیں جو نہ الہامید و عین سے ہو

مطلب یہ کہ اگر عین زہد و اتقی کو چھوڑ کر پیرمغان سے بیعت کر لی تو اس میں کیا فرق ہو اسلئے کہ جو خیال ہو اسکی  
طرف سے ہے اور اوس کی طلب کے لئے ہے پیرمغان کیا کچھ نہیں سکھاتا اور کوئی ہدایت نہیں کرتا کہ جو

زاد ہی کرتا ہے۔  
گفتن بر خوشید کہ من چشمہ نورم دانند بزرگان کہ سزاوار سہاست  
سوچ کے مقابلہ میں کہنا کہ میں ہی چشمہ نور ہوں بزرگ لوگ جانتے ہیں کہ سہا کو زیبا نہیں

یعنی سوچ کے سامنے سہا کا یہ دعویٰ کرنا کہ میں ہی چشمہ نور ہوں اس کے لئے کہی زیبا ہوگا اس بات کو عقلند  
اور بزرگ لوگ جانتے ہیں کہ اگر سہا ایسا کہے تو اسکی یہ حماقت ہوگی اسبطح اگر معشوقان مجازی اوس  
محبوب کی برابری کا دعویٰ کریں تو بہت ہی بچا ہے یا اور معشوق میری معشوق کے سامنے ایسا کہیں تو ہی

صحیح نہیں۔  
ماشوق چہ کند گر نخورد تیر ملاست با پیچ دلاور سپر تیر قضا نیست  
عاشق کیا کرے اگر ملاست کے تیرے کہائے کیونکہ کسی بہادر کے پاس تیر قضا کی رک کیلئے تو نہیں ہے

تو خود چہ لعبتی امی شہسوار شیریں کار  
کہ تو سنی جو فلک رام تازیانہ لست  
او شیریں کار شہسوار تو خود ہی کیا لعبت ہے  
کہ فلک سا تو سن ہی تر اسطیع فرمان ہے  
ام تازیانہ بعضی طبع فرمان - جیسا کہ ترجمہ کیا گیا ہے - باقی مطلب صاف ہی محتاج شرح نہیں - جسکا آسان  
فرمان بردار ہے وہ ہی اسکا مخاطب سمجھنا چاہئے -  
سرور مجلس است اکنون فلک قصہ آورد  
کہ شعر حافظ شیریں سخن ترانہ لست  
تیری مجلس کا راگ اب آسمان تو قصہ میں لایگا  
اسلئے کہ حافظ شیریں سخن کے شعری ترانہ میں ہیں  
مطلب صاف شرح کی ضرورت نہیں ہے -

ساقی بیا کہ یار ز رخ پردہ برگرفت  
کار خراغ خلوتیان باز در گرفت  
ای ساقی جل کہ یار نے رخ سے پردہ ہٹایا  
گوشتہ نشینوں کے چراغ نے تازہ رونق پائی  
یہ غزل قبضہ کے بیسٹ کے حال میں لکھی گئی ہے کہ ای ساقی تجلی رخ محبوب نے پہنچو فرمایا جس کو گوشتہ نشینوں  
بزم چراغ کو تازہ رونق ہوئی پس اب تو ہی آ اور شراب موفقت پلا -

آن شمع سرگرفتہ دگر چہرہ بر فروخت  
وان پیر سا کوزہ جوانی ز سر گرفت  
اگر اوس سرگرفتہ شمع نے چہرہ روشن کیا  
تو اس پیر کس سال نے تو سر سے جوانی پائی  
شمع برگرفتہ کا اشارہ رخ یار کی طرف اور تجلی شامات کی جانب ہے پیر سا کوزہ سے عشق مراد ہے یعنی  
جب اوس یار نے اپنے چہرہ سے نقاب ہٹا کر پہنچو فرمایا تو یہ پیر کس سال عشق ہی چھو ایک مدت نے  
افسردہ اور نیم مردہ ہو رہا تھا از سر نو جوان ہو گیا -

آن عشوہ داد عشق کہ مفتی زرہ رفت  
وان لطف کرد دوست کہ دشمن گرفت  
عشق نے وہ عشوہ دکھلایا کہ مفتی جی لبہ پر ڈراہ ہو  
دوست ذوہ مہربانی کی کہ دشمن نے پناہ مانگی  
یعنی جب یار نے اپنا جمال نکال دیکھلایا تو عشق کے زور میں مفتی ہی فتویٰ دینا ہوں لگے - اور جو دوست نے  
پہنچو فرمایا تو وہ دشمن منکر جو میر طغہ زنی کیا کرتے تھے علیحدہ ہو گئے یعنی اونہوں نے بعض معن سے پہنچو  
اختیار کر لیا -

ز تہا زین عبارت شیریں و لہر  
گوئی کہ پستہ تو سخن در شکر گرفت  
اس شیریں اور لہر عبارت شیریں و لہر  
گوا کہ تیر سے دہن کو پستہ نے شکر سے جگہ لایا

جو سچ میں نہیں آتی۔

دلت بھل گئی بلبل چرخ شاد کہ در چین ہمہ گلبانگ عاشقانہ تست

ای بلبل تیرا دل گل کی دھن سے شاد ہو جو کہ چین بہرین عاشقانہ آواز تیری ہی تو ہے  
 بلبل کو دلا دیتے ہیں کہ ای بلبل تیرا دل گل کی دھن سے خوش ہو جو کہ تمام چین میں سوا تیری عاشقانہ آواز  
 اکیکی غننے میں نہیں آتی۔ حقیقی محاط سے گل کا کنایہ معشوق حقیقی کی طرف اور بلبل سے مرشد کامل مراد ہے  
 یعنی اور مرشد کامل خدا کرے کہ تجھے معشوق حقیقی کا وصال ہو کہ اس چین دنیا میں عاشقانہ آواز تیری سوا  
 کسی اور کی نہیں سنی جاتی۔

علاج ضعف دل کا بلبل حوالہ کن کہ آن مفرح یا قوت در خزانہ تست

ہمارے ضعف قلب کا علاج ایو لب کو حوالہ کر کہ وہ مفرح یا قوتی تیرے خزانہ میں ہے  
 مفرح یا قوتی ایک قسم کی مقوی معجون کو کہتے ہیں جس کا جزو اعظم یا قوت ہوتا ہے۔ یہاں مقوی و مفرح قلب کا  
 کنایہ اسرار عشق کی طرف ہے۔ خزانہ سے مقصود سینہ مرشد جو معرفت کے نور سے منور ہوتا ہے اور چونکہ اس کا  
 مخاطب مرشد ہی اس لئے کہتے ہیں کہ ای مرشد کامل تو اپنے سینہ کے خزانہ سے مفرح یا قوتی یعنی حقائق و معارف  
 کی باتیں نکال کر سنا دے کہ دل کو فرحت حاصل ہو۔

وہی خلاصہ جان خاک آستانہ تست بہ تن مقصوم از دولت ملازمت

لیکن جان کا خلاصہ تیری دہلیز کی خاک ہی تیری ملازمت کی دولت بندہ تو کما حقہ  
 ازین حیل کہ در انبیا نہ بہانہ تست چہ جای من کہ بلرز و سپر شعبہ باز  
 ان حیلوں سے کہ جو تیری مکر و فریب میں ہیں میں کسی دن ہوں بلکہ فلک شعبہ باز ہی تہرا باز  
 یعنی اگر مجھ ب تیری فریب اور بہانی اس قدر میں کہ جسے آسمان باوجود اس شعبہ بازی اور سنگری کے  
 تہراتا ہے تو ہر میں کس شہادہ و قیاس میں ہوں جو ادنیٰ سے نہ تہراؤں۔

من آن نیم کہ دم نقد دل بہر سوخی در خزانہ بھر تو دولت شائہ تست

میں وہاں کہ ہر شیخ کو نقد دل دے دیتا ہوں اس خزانہ کو مہر پر تیری ہی مہر اور تیرا ہی نشان  
 یعنی اس خزانہ پر حسین نقد دل رکھا ہے تیرے ہی نام کی مہر لگی ہے پس میں وہ نہیں ہوں کہ سوا تیری  
 اور حسین سے ہر شیخ حسین کو نقد دل دید یا کروں۔

یقیناً علیہ السلام ہرگز فرزندِ نکاحی بات کہی تھی کہ فراق کا حال جیلہ تقرر و تحریر سے باہر ہے دل پر وہ صدمہ گزرتا ہے کہ جسکو میان نہیں کر سکتے۔ اگر پر کنگان سے عاشق اور یار سے معشوق مراد ہیں تب یہی مطلب ہوگا۔

حدیث مول قیامت کہ گفت واعظا کُنایتی ست کہ از روزگار بجران گفت  
شہر کے واعظ نے مول قیامت کی شاگب سائی (بلکہ) بجر کی حالت کی طرف ایک اشارہ کیا ہے  
نشان یار سفر کردہ از کہ پرسم باز کہ ہر جہ گفت برید صبا پر نشان گفت  
یا سفر کردہ کا نشان پر کس سے پوچھوں کہ جو کہ صبا علیحدہ شدہ بیان کیا ہے وہی شکایت ہے  
فغان کہ آن مہ نامہ زبان سخن دوست ترک صحبت یاران خود چہ آسان گفت  
فریاد کہ اوس مہ نامہ زبان دشمن دوست ہے  
غم کہن بھی سا کز وہ دفع کنید کہ تخم خوشدلی امنیت پر دو مقام گفت  
پُرانے غم کو دیرینہ شراب سے دور کیا کرو بڑھو کسان بے کہا کہ خوشدلی کا تخم یہی ہے  
لفظ دہقان باعتبار بیچ بونیوالے کے لائی میں حقیقی اعتبار سے اسکا کنا یہ مرشد کی طرف ہوگا

یعنی مرشد نے فرمایا کہ اپنی پُرانے غم کو پرانی ہی شراب سے دور کرتے رہا کرو کیونکہ میرا تجربہ ہے کہ خوشدلی کا تخم یہی ہے یا اس سے خوشدلی پیدا ہوتی ہے۔

موج مقام رضا بعد ازین و شکر قریب کہ دل بدر تو خود ترک در مان گفت  
مین اور مقام رضا اسکے بعد قریب کا شکریہ کہ دل کو تیرے درد کی عادت ہوئی علاج چھوڑ گیا

یعنی اب قریب کی شکایت کی ضرورت نہیں بلکہ شکر کا موقع ہے اس واسطے کہ دل کو قریب کی وجہ سے دردِ غم اور ٹھانے کی عادت ہو گئی اور مین نے اسکا علاج چھوڑ دیا یا قریب نے گو کسی دوسری غصہ سے علاج کرنے کو منع کیا بلکہ جو کہ مجھے رنج و غم کی عادت ہو گئی ہے لہذا مین اس کے مشورہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں گا۔

گرہ بہاد مزین گوجہ بر مراد وزر کہ این سخن بمثل باد بہا سلیمان گفت  
ہو امین گرا نہ لگا اگر چہ حسب مراد چلے کہ یہ بات بطور مثال کہے ہو ان حضرت سلیمان کے لیے

ہو امین گرہ لگانا دنیا پر اعتبار نہ کرنا۔ گرہ بہاد مزین بعضی دنیا پر اعتبار نہ کرے یعنی خیال پر اعتبار نہ کرنا چاہیے کہ وہ بالکل تیری موافق ہو۔ یہ بات خود جو اس نے بطور مثال کہے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہی ہے

مطلب یہ کہ میں تیری اس شیریں اور دلفریب عبارت سے پناہ چاہتا ہوں کہ جس کی وجہ سے پستہ نے جو ایک حقیر ہوہ ہے، متکبر سے مقابلہ کی لڑائی کی گویا تیری باتیں بہت ہی شیریں اور دلفریب ہیں۔ چونکہ معشوق کے دہن کو پستہ سے تشبیہ دیتی ہیں اسلئے پستہ دہن کے واسطے لائے ہیں۔

بار غمی کہ خاطر ماخستہ کردہ بود عیسیٰ دمی خدا بفرستاد و بر گرفت

غم کے بوجہ نے کہ ہمارے دل کو زخمی کیا تھا خدا نے عیسیٰ دم کو بھیجا اور اس سے بچات دلوای یعنی اوس یار کے غم جو نے جو ہمارے دل کو زخمی کر دیا تھا خدا نے ہر اوسمی سیما کو بھیجا جان بچائی یعنی غم کو خوشی سے تبدیل کر دیا۔

ہر سر و قد کہ بر مرہ و خورشید منفرخت چون تو در آمدی پی کار گرفت

جو سر و قد کہ چاند سورج بد حسن و خست کرتا تھا جب تو آیا تو اوسے دوسرا کام اختیار کر لیا جو معشوق مجازی کہ خوبصورتی میں چاند و سورج سے باتیں کرتے تھے یعنی وہ خود پر فوق رکھتی تھی جب تیرا ظہور ہوا تو اوہ نہوں نے اس خود خوشی کو چھوڑ کر دوسرا کام اختیار کر لئے۔

زین قصہ ہفت گنبد افلاک پر صد کویہ نظر بین کہ سخن مختصر گرفت

اس قصہ کی آواز سے ساتوں گنبد آسمان کی ہر ہر پہلیں ہماری کوتاہ نظری کہ بات کو مختصر کر دیا ہے یعنی قصہ عشق وہ قصہ طویل ہے جس سے ساتوں آسمانوں کے گنبد گونج رہے ہیں مگر ہماری کوتاہ نظری یا کوتاہ سخن دیکھنا چاہئے کہ ہم اسکو مختصر کر رہے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہم اپنی کوتاہ سخن سے اس قصہ عشق کا حال مختصر کر دیتے ہیں اور نہ یہ بہت طویل ہے۔

حافظ تو این دعا ز کہ آموی کہ یار تعویذ کر و شعر ترا و بر گرفت

حافظ تو نے یہ دعا کس سے سیکھی ہے کہ یار نے تیرا شعار کا تعویذ بنایا اور اوسکو سونے میں لپیٹا یعنی اسے حافظ تو نے دعا کی قبولیت کے لئے مانگنے کا ڈھنگ کہاں سے ادا کیا کہ تیرے کلام کو یار تعویذ بنا کر سونے میں رکھا۔ یعنی تیرا کلام مقبول الہی ہو گیا۔

شندہ ام سخن خوش کہ سر کنعان گفت فراق یار نہ آن میکند کہ بتوان گفت

سنا میں نے کیا اچھی بات بزرگ کنعان نے کہی فراق یار وہ نہیں کرتا کہ بیان کیا جاسکے پیر کنعان سے حضرت یعقوب علیہ السلام اور یار سے ابو نکر و زید حضرت یوسف علیہ السلام مراد ہیں یعنی



سوا دلوح بینش را عزیز از بہر آن دارم کہ جائز النسخہ باشد نقش خال ہندویت  
 لوح بینش کی جای کوین اس غرض سے عزیز کہتا ہوں کہ تیر خال ہندو کے نقش سے جان کا نسخہ بناؤ  
 یہ اشعار نہ تو مشکل الفہم ہی ہیں اور نہ انہیں لغات میں اسلئے ہم انکی شرح عمدہ چاہوئے جاتی ہیں  
 اور صرف اردو ترجمہ پر التفاکرتے ہیں۔

تو گر خواہی کہ جاوید باخمان یکسب میرا صبار کو کہ بردار دزدانی برفع از روت  
 تو اگر چاہتا ہے کہ ہمیشہ جہان کو سنوار تار سے تو صبار کو حکم دی کہ دم توڑ دیر نہ کر کہ موندہ سے برفع او تار  
 و گر رسم فنا خواہی کہ از عالم براندازی ہیشتان زلف تار یزدنہر از ان جان سرخ  
 اور اگر تو چاہتا ہے کہ فنا کی رسم کو عالم سے اوشا تو زلف کو جہاز تار نہر از ان جان سرخ  
 یعنی اگر محبوب حقیقی اگر تو چاہتا ہے کہ اس دنیا سے فنا کی رسم جاتی ہے تو تو اپنی زلف کو جہاز دی تاکہ وہ سطحین جو تیر کی ایک پالی  
 ہزار دہر از گردن قرار میں کل پڑیں اور نیستی کے رواج پر وہ دنیا سے اوشا جائے۔

من و باو صبا مسکین و سرگردان بی حال من از افسون چشمت مست از بوی گیت  
 میں اور غریب صبا دونوں سرگردان اور بی حال ہیں میں تیری چشم کے پھر سے مست ہوا وہ تیر کی گیسو کی خوشبو  
 من از لطف صبا دارم سپاس نگہت جانا و گرنہ کی گزردی سحر گمان از من توت  
 میں لطف صبا سے نگہت جانان کا پاس گزرا ہوں و گرنہ تیر صبح کی وقت اس طرف کو گزرا کب ہوا

یعنی اگر جانان تیری نگہت جسکا میں شکر گزار ہوں صبا کی عنایت سے صبح کو میری پاس پہنچتی ہے ورنہ تو کب میری پاس  
 ہو کر گزرا کہ جو تیری نگہت میری پاس پہنچتا تو سب دیگرے پہنچتی ہو۔

سوا دیدہ ہر وقتی بچوں دل ہمیدرم عزیزم دارم این سبیا و خال ہندویت  
 جو وقت کہ آنکھوں کی سیاہی خون دل کو ساتھ دیکھتا ہوں او وقت میں او سے تیر خال ہندو کی او سے بہت عزیز کہتا ہوں  
 یعنی اس میں ہوا وہ کہ چاہا نہیں جانتا تھا کہ جب کہ تیر خال ہندو کی شہادت ہو میں پای کبی میں لاد سکو بہت رکھنے لگا۔  
 نرمی بہت کہ حافظ بہت از دنیا و از غمی نیاید ریح در شمنی بحر خال سرکویت  
 نرمی بہت کہ حافظ دنیا و غمی کو جگر سے چھوٹ گیا سوا تیری کوچ کی خاک کی کوئی چیز سب سے نظر میں نہیں آتی

خلاصہ یہ کہ سوا سے تیری کوچ کی خاک کے کوئی چیز حافظ کی نظروں میں نہیں آتی پس وہ دنیا و آخرت  
 تمام جگروں سے چھوٹ گیا۔

جو بالکل سچ ہے خلاصہ یہ کہ دنیا پر مغرور ہونا اور اسکی ہوس نکرنا چاہئے دیکھ تو سہی کہ باوجود اس  
عظمت و شوکت کے حضرت سلیمانؑ کیا ہو وادوہ تمام سامان سلطنت و مملکت کے کہاں چلے گئے۔  
مزن بخون و چرا دم کہ بندہ مقبل قبول کہ دشمن ہر سخن کہ جانان گفت  
چون و چرا میں دم نہ مار کہ مقبول بندہ نے سرورہ بات قبول کرنی کہ جو دوست نہ ہی  
خلاصہ یہ کہ بندہ مقبول وہ ہی ہے کہ جو راضی برضائے خود حقیقی کی بجائے اپنی اطاعت میں دم نہ مار سکے۔  
بعشوہ کہ سہرت و ہزار راہ مرو ترا کہ گفت کہ این زال ترک و تان گفت  
جو کچھ فریب کہ آسمان تجھے دھڑا دھڑا سے ہٹا دے تجھے کہنے کہدیا کہ یہ بوڑھے ترک و تان کہا  
یعنی ہر فریب کہ جو آسمان تجھے دی اور اسکی وجہ سے راہ راست کو نہ چوڑا اور مغرور نہ ہو تجھے کہنے کہا کہ اس زال  
ترک و تان نے فریب کیا اور آخر الامر اپنی دام فریب میں نہ پہنچا۔

بیاباد وہ بخور زانکہ پیر میکدہ دوش بسی حدیث غفور و رحیم رحمان گفت  
شراب لا اور پی اسلئے کہ کل پیر میکدہ نے بہت سی باتیں غفور اور رحمن و رحیم کی کہیں  
پیر میکدہ سے مراد پیر و مرشد یعنی اسی مخاطب خوب دل کہول کہ شراب پی یعنی شبقازی کہ کیونکہ کل پیر و مرشد  
خدا کی یہ صفیتیں کہ وہ بخشے والا اور رحم کرنے والا رحمن ہے بیان فرمائی تھیں پس جب ایسا بخشے والا اور معاف

کرنے والا قادی مطلق ہو تو ہم شراب جس سے مراد وہ ہی شراب محبت ہی کیونکہ نہ نہیں۔  
کہ گفت حافظ از اندیشہ تو آمد باز چہ این نگفتہ ام آنکس گفت بہتان گفت  
کہنے کہا کہ حافظ تیری فکر سے باز آگیا میں نے یہ نہیں کہا جسے کہا اور سنی جھوٹ کہا  
یعنی اسی محبوب تجھے کہنے کہدیا کہ حافظ نے تیرا عشق چھوڑ دیا واللہ میں نے ہرگز ایسا نہیں کہا جس کی سنی  
تجھے یہ بیان کیا ہے اور سنی مجھ پر تہمت لگائی ہے۔

مدام مست میدار و نسیم جعد کیسویت خرابم میکند مدام فریب چشم جادویت  
تیرے جعد کیسوی کی نسیم مجھے ہمیشہ مست رکھتی ہے تیری چشم جادو کا فریب ہر دم خراب کرتا ہے  
خراب یعنی مست اور حقیقی صورت میں فریب کا کتنا یہ ظہور و خفا کی جانب سے باقی مطلب صاف۔

پس از چندین شکبای شبی یا تو ان کہ شمع دیدہ افروز کم در محراب ابرویت  
اگر بے ہودی شکبای کی کوئی رات تو دیکھنا لازم ہے کہ تیری محراب ابرو میں تھنے آنکھوں کی شمع روشن کی

جو بندہ یا بندہ کیسکی محنت را لنگان نہیں جاتی جو تجھے ڈھونڈے گا تو آخر کار اوس کی ہی جائیگا۔

ازروان بخششی عیسیٰ از زخم پیش تویم زانکہ در روح فراخی خود دست قاصرست

عیسیٰ کی جان بخشی کا تیری سامنے قدم نہ ہوگا اسلئے کہ وہ روح فراخی میں تیری دم کی طرح نہ ہوگا

منکہ از آتش سودائی تو آہی ز زخم میں کہ تیری آتش عشق میں آہ نکلے

روز اول کہ سبز زلف تو دیدم گفتم روز اول ہی میں جب میں تیری زلف کو دیکھا تھا کیا

روز اول یعنی روز اول یا روز ابتدا سے عشق۔ سبز زلف سے جذبہ عشق مراد ہے یعنی میں نے جس روز کہ تیرا جذبہ عشق معلوم کر لیا اوسی روز کہ کہا تھا اسکی سلسلہ دار پریشانی ختم ہوگی یعنی دعا

اور بلیات عشق کی کہی انتہا نہیں ہو کر گئی۔ کیست آنکس ہونڈ تو در خاطر نیست

سر ہونڈ تو تنہا نہ دل حافظ راست تجھیں لمجائیکا خیال صرف حافظ کو دل کو ہی نہیں

یعنی میں ہی تنہا تیرے عشق میں گرفتار ہو کر تجھے ہونڈ ہونا نہیں چاہتا ہوں بلکہ کون ایسا ہے جو ایسی آرزو نہیں رکھتا۔

بی مہر رخت روز مر نور نما ندہ است وز عجم مر اجز شب پچور نما ندہ است

تیرے رخ کو سوچ بغیر کسی اور میری لہو روشنی نہیں ہے اور میری عمر ہر کے لہو سوا اور میری رات کو کچھ نہیں ہے

ہنگام وداع تو ز لبس گریہ کہ کردم دور از رخ تو چشم مر نور نما ندہ است

تیرے وداع کے وقت جو زاری کہ میں نے کی تیری چہرہ سے دو دم ہوں کہ میری آنکھیں نور ہوئیں

یعنی تیری رخصت کے وقت جو گریہ و زاری کہ میں نے کی۔ اوس سے میری آنکھوں میں روشنی نہ رہی پس وہ آنکھیں جنہیں نور نہ رہا ہو تیرے چہرہ سے علیحدہ ہی اچھی ہیں۔

من بعد چہ سودا رفتی رنجہ کند دو لڑ جان معنی در تن بدخور نما ندہ است

میری بعد اگر دوست قدم رنجہ فرما کیا فائدہ کہ جان سے ایک حق ہی میں لاغریں نہیں ہے

بلم سید جانم تو بیا کہ زندہ مانم پس از انکہ من ناختم پچو کار خواہی آمد۔

مردم دیدہ ماجز بخت ناظر نیست دل گزشتہ ماغیر تراذا اگر نیست

میری آنکھ کی پتلی تیری رخ کے سوا اور کی کھنٹی الی

اشک حرام طواف حرمت می بند

میری اشک تیرا حرم کے طواف کیلئے احرام باندھتی

قاعدہ ہے کہ طواف کعبہ کا احرام پاک ہو کر باندھتے ہیں۔ لہذا حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ اسے محبوب حقیقی میرے آنسو تیرے حرم کے طواف کرنے کے لئے احرام باندھتے ہیں باوجودیکہ کسی وقت دل کے خون سے پاک و مضاف نہیں رہتے۔ علاوہ اسکے چونکہ عربی میں خون کو دم کہتے ہیں اسلئے اس شعر میں خون اور دم کے الفاظ بھی رعایتی ہیں۔

لبتہ دامن قفس باد جو مرغی وحشی طائرہ سدرہ اگر در طلبت سائست

مرغ وحشی کی طرح قفس کے جال میں پھنس جا

طائر سدرہ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔ یعنی اگر جبرئیل علیہ السلام بھی تیری طالب نہوں تو اوںکو بھی وحشی طائر کی طرح قفس میں اسیر ہو جانا چاہئے۔

عاشق مفلس اگر قلب دلش کرو شمار مکنش عیب کہ بر نقد روان قادر نیست

مفلس عاشق نے اگر اپنے نقد دل کو شمار کیا تو اس پر عیب لگا اسلئے کہ وہ سکے خریدی پر قادر نہیں

یعنی اگر مفلس عاشق کے پاس سکے چہرہ شاہی معشوق پر قربان کرنے کو ہوں اور وہ اپنی دل کا کہو ٹھانھدی بتلا کر دی تو اسکو شرم مت دلا اسلئے کہ جو کچھ اس کے پاس تھا وہ اسے موجود کر دیا اور جو چیز اسکی قبضہ اقتدار سے باہر ہو وہ کہاں سے لائے۔ خلاصہ یہ کہ عشق الہی اور اطاعت خداوندی ہر ہر شخص اپنی استعداد اور اقتدار کی موافق کرتا ہے پس خفیہ عاشق یا ضعیف پرستش کنندہ کو حقارت سی دیکھنا نہیں چاہئے اسکی ذات مستغنی ہو وہ تو بڑے کو بہت اور بہت کو تو ہوا کر دیتا ہے۔ بہت سی نذر گزراں ہوئے اوس بارگاہ عظیم میں اکثر نہیں پہنکنے پاتے اور حقیر پیشکش لیواں ہوا لے بس اوقات مقبول ہو گئے ہیں۔

عاقبت دست بران سرو بلند شمع ہر کر اور طلبت نیت اوقاص نیست

آخر کار اوس سرو بلند تک پہنچنے کا

اوسکا ہاتھ جسکی ہمت تیری طلب میں قادر نہیں

یعنی میری آنکھوں کی پتلیاں جو ہمیشہ خون تاب جگر میں غرقاب رہتی ہیں اوسکی وجہ یہ ہو کہ اوسکی

محبت کا چشمہ ہمارے سینہ میں موج زن ہے

آب حیوان قطرہ از لعل بحون شکرش

آب حیات اوسکی لب شکر شاق کا ایک قطرہ ہے

تا نفخت فیہ من روحی شنیدم شقیں

جس وقت میں نے نفخت فیہ من روحی کو سنا کہ

اللہ تعالیٰ نے نفخت فیہ من روحی کا اشارہ انسان کی طرف کو فرمایا کہ میں نے اوسمیں اپنی

روح پھونکی ہے لہذا خواجہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب کسی نے نفخت فیہ من روحی کو سنا ہو

اس بات کا یقین ہو گیا کہ ہم اوس سے ہیں اور وہ ہم سے ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہم اور وہ دونہیں۔ بلکہ ایک ہی

ہیں۔ اور صوفیاء کرام کا یہی مذہب ہے کہ وہی ایک چیز یعنی خدا عالم کثرت اور تعدد میں اپنی بیشمار

صورتوں کے ساتھ ظاہر ہوا ہے چونکہ خدا خالی نہیں اسلئے نفخت فیہ من روحی کے اعتبار سے روح ہی

خالی نہیں وہ اپنی ہاوی اہل میں ملجاتی ہے جہاں سے جدا ہوئی تھی۔

ہر دلی را اطلاعی نیست بر اسرار غیب

محرم این سر معنی دار علوی جان ما

ہر دل کو غیب کے بید پر اطلاع نہیں

چند گوی اسی مذکر شرح و جان ہوشیار

ای ذکر کر نیوالی دین کی شرح کب تک گویا ہوگا

یعنی اے عظیم دین دین پکارنے والے اور دین کی شرح بیان کر نیوالے چپ ہو جا اسلئے کہ یہاں اے

وہاں صرف دوست کی صحبت میں رہنا ہی ہمارا مذہب ہے۔

حافظ تاروز آخر شکر اس نعمت گذار

کان صنم از روز اول داروی درمان ما

ای حافظ مرنے دم تک اس نعمت کا شکر ادا کر جا

ای حافظ چونکہ محبوب حقیقی روز ازل سے ہی تیرے اوپر نظر لطف و عنایت مبذول کرتا اور تیری ہر ادا کو

بر لاتا رہا ہے پس تو ہی اوسکی نعمت کا مرنے وقت تک شکریہ ادا کئے جا۔ مصرع

شکر نعمت مائی تو چند انکہ نعمت مائی تو۔

میرفت و خیال تو ز چشم من میگفت  
میرا خیال میری آنکھ سے کیا اور کہتا گیا  
تیرا خیال میری آنکھ سے کیا اور کہتا گیا  
نزدیک شد آندہم کہ قیدیان تو گویند  
وہ وقت قریب ہی کہ قریب تجھے کہیں  
تیرے در سے دور وہ خستہ اور پریشان رہا  
خلاصہ یہ کہ وقت موت کا اتنے قریب ہو چکا گیا ہے کہ دربان تجھے کہدین گے کہ اب ہی دور بارگاہ  
عالی پر عاشق بیمار خستہ نہیں رہا یعنی ہجر کے صدموں سے رحلت کر گیا۔

وصل تو اجل از سرم دور زمین دست  
تیرا وصل موت کو میری پاس ہی دور رکھتا تھا  
از دولت ہجر تو کنون دور نمانده است  
اب تیری ہجرت کی بدولت دور نہیں رہی  
تیرے ہجر کا علاج میری لئے ہجر تو ہی ولیکن  
چون صبر توان کرد کہ مقدور نمانده است  
صبر کس طرح ہو سکتا ہے کہ جب تقدیر او سپر نہ رہے  
در ہجر تو گر چشم مرا آب نماند  
گو خون جگر ریز کہ معذور نمانده است  
اگر تیری جدائی سے میری آنکھ میں پانی نہیں رہا  
یعنی اسے محبوب اگر تیرے عشق میں گریہ و زاری کے سبب میری آنکھیں خشک ہو گئیں اور یوں آنسو نہ  
پیتہ نہیں رہا تو اس غم کو قبول نہ کر کہدے کہ اگر آنکھوں میں پانی نہیں رہا تو عاشق آنکھوں سے خون دل  
گرنے کے لئے مجبور نہیں ہے اور سکو چاہئے کہ بجائے آنسو دل کے خون دے۔

حافظ ز غم از گریہ پیرداخت بچندہ  
حافظ غم و گریہ کی وجہ سے غم کی طرف متوجہ ہوا  
ما تم زردہ را داعیہ سور نمانده است  
ما تم زردہ کو خوشی کے داعیہ سے کیا کام  
خلاصہ یہ کہ حافظ نے بسبب غم و زاری کے کبھی ہنسنے سے غرض نہ کی اس لئے کہ جو شخص ماتم زردہ ہو  
اوسے ادعاے خوشی و خرمی سے کیا کام۔

مدتی شد کالتش سودائی او در جان ما  
مدت ہوئی کہ اس کو عشق کی آگ ہماری جان میں ہی  
وین تمنابین کہ دائم ذر دل ویران ما  
اس آں زو دو یک جہ کہ ہمیشہ ہمارے دل ویران میں رہتی ہے  
چشمہ ہر خوش در سینہ نالان ما  
کہ اس کو ہر خوشی کی محبت کا چشمہ ہماری سینہ نالان میں ہے  
میری آنکھوں کی پتلیاں خون ناب جگر میں اسلحہ غرق ہیں



اس غرض سے کہ مجھے اوس در سے خاص نیلِ حاصل ہے۔ **ست** **ست**  
**جمہا ہمہ در جوئل و خروشنہ ز مستی** **وان می کہ در انجا حقیقت نہ مجاز**  
 تمام شگے مستی سے جوش و خروش میں ہیں اور وہ شراب کے جوادس جگہ ہی حقیقت نہ مجاز  
 خون سے طالبانِ حقیقت اور می سے فی عشق مراد ہے در انجا کا اشارہ آستانہ مرشد کی طرف  
 یعنی وہ شراب کہ جو ہمارے مرشد کے پاس ہی وہ حقیقی ہے مجازی نہیں اور اوس میں اشارہ ہے کہ  
 طالب لوگ جوش و خروش سے مست اور نشہ میں متوالے ہو رہے ہیں۔  
**از وی ہمہ مستی و غرور ست و تکبر** **وز ما ہمہ بیچارگی و عجز و نیاز ست**  
 اوس مستی اور غرور تکبر سے زد ہوتا ہے اور ہم سے لاچارگی اور عجز و نیاز مندی کرنی آتی ہے  
 مستی و غرور تکبر سے استغناء محبوب مراد ہے اور مطلب یہ کہ محبوب کا کام استغنا کرنا اور محکم کا  
 کام عاجزی اور نیاز مندی سے پیش آنا ہوتا ہے۔

**شرح شکن لطف خم اندر خم جانان** **کو تہ نتوان کرد کہ این قصہ دراز ست**  
 جانان کی لطف پیچ در پیچ کی شکن کا بیان مختصر نہیں ہو سکتا کہ یہ قصہ طویل ہے  
 زلف کا پیچ در پیچ جس سے جذبہ عشق مراد ہے اور عشق کا قصہ ایسا طویل طویل ہے کہ جسکو  
 کسی طرح مختصر کر کے بیان نہیں کر سکتے۔

**باول مجنون و خم طرہ لیلی ست** **رخسارہ محمود و کف پائی ایاز ست**  
 طرہ لیلی کی خم کا بوجہ مجنون کے دل پر ہے محمود کا رخسارہ ایاز کے پاؤں کی بلو کی جگہ  
 برد و خستہ ام دیدہ چو یاز از ہمہ عالم **تا دیدہ من بر رخ زیبائی تو باز ست**  
 میں نے باز کی طرح آنکھوں کو تمام عالم سے زیبائی  
 قاعدہ ہے کہ باز کی آنکھیں شکاری لوگ سے دیتی ہیں لہذا حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے  
 اپنی آنکھیں تمام عالم کے دیکھنے سے لیں ہیں یعنی دنیا میں کسی کو نہیں دیکھوں گا جسوقت کہ میری  
 آنکھوں کو تیرے رخ زیبائی کا دیدار میرے ہو گا اوسوقت کہوں گا۔

**رازیکہ بر خلق نہ نفیتم و نہ گفتیم** **بادوست بلویم کہ او محرم راز ست**  
 جو راز کہ ہم خلق سے چھپاویں اور نہ کہیں دوست کو کہہ دیتی ہیں کہ وہ محرم راز ہے

ہفت

امروز شاہِ انجمنِ دلبہران کیست      دلبر اگر ہزار ہو و دلبران کیست  
 آج کے روزِ دلبر و نکی انجمن کا شاہ ایک ہے      دلبر اگر ہزار ہوں مگر جو دل لیکیا وہ ایک ہی ہے  
 یعنی دلبروں کی انجمن کا بادشاہ صرف وہ ہی ہے جو تیرا محبوب ہی دنیا میں دلبر لاکھ ہی مگر جو میرا دل  
 لے گیا وہ صرف ایک ہی شخص ہے اس شعر میں دلبروں کا اشارہ حضور سرور کائنات کی طرف  
 سمجھنا چاہئے۔

من بہر آن یکی دل و دینِ دادہ ام بہا      عظیم مکن کہ حاصلِ سرو و جہانِ یکیت  
 میں نے اس ایک کی واسطے دل و دین برابر کر دیا ہے      مجھے عیب نہ لگاؤ کہ حاصلِ دونوں جہان کا ایک ہی ہے  
 سودا ئیانِ عالم پندار را بگوئی      سرمایہ کم کنند کہ سود و زیانِ یکیت  
 عالم پندار کے سودا ئیوں سے کہہ دو      سرمایہ کہو دین کہ نفع نقصان ایک ہی ہے  
 یعنی عالم مغرور کے عاشقوں سے کہہ دو کہ وہ سرمایہ دینا کم کر دین اس لئے کہ اس کا نفع نقصان برابر ہے۔  
 خلاصہ یہ کہ ظاہری دولت و ثروت جتنی میں کام نہیں آتی۔

خلقی زبان بدعویٰ عشقش کشادہ اند      ای من غلام آنکہ دلش بازبانِ یکیت  
 ایک خلق نے اس کے عشق کے دعویٰ میں زبان کھولی      ای مخاطب میں اس کا غلام ہوں کہ جس کا زبان دل لیکتا ہے  
 یعنی اس کے عشق کا دعویٰ تو ہر کس کو ناکس کرنے لگتا ہے مگر اسے مخاطب میں اس کا غلام ہوں کہ جس کا  
 دل اور زبان ایک ہے یعنی جیسا کہ وہ زبان سے کہتا ہے ایسا ہی دل سے عاشق الہی ہی ہے  
 یا یہ کہ میرا مرشد جس کا میں مرید ہوں اس کی دل و زبان ایک ہے۔

حافظِ بر آستانہ دولت نہادہ سر      دولت درانِ سرست کہ با آستان  
 حافظ نے آستانہ دولت پر سر رکھا ہے      دولت اسی سر میں ہے جو ایک آستانہ پر ہو  
 مطلب یہ کہ حافظ نے جس آستانہ پر سر رکھا ہے اس سے عالی کوئی آستان نہیں ہے پس جو کچھ دولت  
 وقت سے وہ حافظ کے ہی سر میں ہے۔

المنۃ لک کہ در میکہ بازست      ز انرو کہ مرا بردار و روی نیازست  
 شکر خدا کہ میخانہ کا دروازہ کھل رہا ہے      اس واسطے کہ مجھ کو اس در پر روی نیاز حاصل ہے  
 میکہ ہے مقامِ عشق و محبت۔ یعنی خدا کا شکر کہ میرے لئے عشق و محبت کا دروازہ کھل رہا ہے اور یہ ضرور

ایک ہی سی ہن اور وہ سب جگہ تیری سی سانسے مرتا۔

کنون کہ نمیدم از بوستان نسیم بہشت من و شراب فرخ بخش یار جو بہشت

اب کہ باغ سے نسیم بہشت چل دی ہے میں ہوں اور شراب فرخ بخش یار جو بہشت

بوستان سے مرا وجود سالک نسیم بہشت سے افلاس مقصود میں جو باغ وجود سے آتی زہنی میں

اور یا اونی نسیم میں شراب سے عشق و محبت اور یار جو بہشت کی عبارت مرشد کامل ہی یعنی جگہ کہ میں حالت جہاں میں ہوں

اوسوقت تک عشق و محبت اور مرشد کامل کو نہیں چھوڑو گا اور زندگی بہر منیر اقلق انسے رہے گا۔

چمن حکایت اردی بہشت میگوید نہ عاقل است کہ نسیم خرید و نقد بہشت

باغ اردی بہشت کی باتیں کہتا ہے وہ عاقل نہیں کہ نقد کو چھوڑ کر اود مار کرے

اردی بہشت اوس فارسی مہینہ کا نام ہے جو موسم بہار میں واقع ہوتا ہے۔ اور مطلب یہ کہ باغ موسم

بہار کی باتیں کہتا اور یہ کہتا ہے وہ بیوقوف ہے کہ جو نقد کو چھوڑ کر اود مار کرے اسید کرے۔

بہی عمارت دل کن کہ این جہان خراب دران بہشت کہ از خاک بسازد بہشت

دل کی عمارت کو شراب سے تعمیر کر کہ یہ جہان خراب اس خیال میں ہے کہ ہماری خاک سے اینٹیں بننا

خلاصہ یہ کہ یہ جہان خراب اس خیال میں ہے کہ ہمیں برباد کر کے ہماری خاک سے اینٹیں بنایں

ای مخاطب تو اپنی عمارت دل کو عشق الہی سے تعمیر کرتا کہ بقا باللہ ہو جائے اور یہ زمانہ بکلو نیست و نابود

نہرے کیونکہ عشق الہی میں فنا ہونیوالا خدا کے ساتھ باقی ہو کر زمانہ کی دست برد سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

تعمیر کی رعایت سے اینٹ کا لفظ لائے ہیں۔

وفاجوی ز دشمن کہ پر تومی ندید چو شمع صومعہ افروزی از چراغ کنش

دشمن سے وفاء نہ ہونکہ کہ روشنی نہیں دیگا جو تو عبادت خانہ کی شمع تجا نہ کی چراغ سے روشن کرے

یعنی اگر تو کنشت ہن پرستش کر کے اوس سے اپنے عبادت خانہ کی عبادت کا نتیجہ نکالنا چاہے تو یہ نہیں

ہو سکتا۔ وہ دشمن ہے اور دشمن سے وفا کی امید نہیں رکھنا چاہئے۔ فائدہ۔ گو صومعہ نصاریٰ کی مسجد کا

کو کہتے ہیں مگر بیان دیر کے مقابلہ میں خانقاہ کے معنی دے رہا ہے۔

مکن بنامہ سیاہی ملامت من بہشت کہ آگاہ است کہ تقدیر بر سرش چہ نوشت

مجھے نہ کہ نام سیاہی ملامت سے نہ کہہ کون جانتا ہے کہ اوسکی پیشانی پر تقدیر نے کیا لکھا

در کعبہ کوئی تو ہر آن کس کہ در آید از قبلہ ابروی تو در عین نماز است  
 تیرے کوچے کے کعبہ میں جو شخص کہ آجاوے تیرے ابرو کے قبلہ سے عین نماز میں ہوتا ہو  
 خلاصہ یہ کہ جو شخص تیرے کوچہ میں جو بمنزلہ کعبہ کے ہو چلا آوے تو وہ تیرے محراب ابرو کے قبلہ میں  
 گویا عین حالت نماز میں ہے۔

ای مجلیان سوز دل حافظ مسکین از شمع بپر سید کہ در سوز و گداز است  
 اچھم صحبت لوگو میری دل کا سوز شمع سے پوچھو کہ سوز و گداز میں ہے  
 یعنی ا۔ بھم صحبت لوگو میری دل کا سوز شمع سے پوچھو کہ خود سوز و گداز میں رہتی ہے۔ ظاہر  
 کہ درد مند کے حال کو درد مند ہی خوب جانتا ہے۔

میر من خوش میروی کاندہ سر ایا میر ترک من خوش می خرامی پیش بالا میر  
 میرا سر اکیا خوب چلتا میں میں اپنا تیراں ہو جاؤ ترک من خوش می خرامی پیش بالا میر  
 گفتہ بودی کہ میری پیشم این عجیبیت تو اپنا تقاضا کرتا ہی بن تقاضہ سہمی ساری مڑا ہوا  
 عاشق مجھ کو مخموم بت ساتی کجاست کہو خرامان شو کہ پیش قدر عنایا میر  
 میں عاشق مجھ کو مخموم بت ساتی کہاں ہے تو نگاہی کن کہ پیش چشم شہلا میر  
 گفتہ عمل منبت ہم در دم بخش شفا اب تو نگاہ مجھ پر ڈال تاکہ تیری نظر تو نگاہی سارو مجھ کو  
 تو نے کہا کہ لب نقل میرا تھو دہی بنا ہی او شغابی شہلا خوش خرامان میروی چشم بداز روی تو دو  
 تو کیا اچھا چلتا ہے نظر بداز روی سامنے سے دور ہو گریہ جانی حافظ اندر خلوت وصل شوی  
 اگرچہ حافظ کو خلوت میں تیری وصل کی جگہ نہیں یعنی اگر حافظ کو تیری خلوت وصل میں جگہ نہیں ملتی تو بھی کچھ شرج نہیں آئے کہ تیری واسطے سب جگہ

سزو کہ از ہمدہ دلبران ستانی یاج  
چرا کہ بر سر خوبان عالمی چون تاج  
اگر تو تمام حسینوں سے خراج لے تو جانو  
اسلئے کہ تو خوبان جہان کو سہ کا تاج ہو  
یہ شعر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف میں ہے اور دلیرون سے اور تمام انبیاء  
علیہم السلام مراد ہیں۔ باقی مطلب ظاہر ہے۔

روح شمع شوخ تو بر ہم زدہ خطاوتن  
بچین زلف تو ماچیں ہندو دادہ خراج  
تیری دونوں آنکھوں نے خطاوتن کو دہم کر دیا  
اور تیری زلف کی شکن کو ماچیں اور ہندو خراج دیا  
خطاوتن ماچیں اور ہندو یہ چاروں نام ملکوں کے ہیں مگر مصرعہ ثانی میں چین زلف کی صفت ہے  
ملک چین کے لئے نہیں آیا ملک کے نام کا لطف تو ظاہر ہے لیکن یہاں اسکے معنی مشکین کمر میں  
جس کا بھنے ترجمہ کیا ہے۔

بیاض روی تو روشن جو عارض خورشید  
سواد زلف تو تاریکتر ز ظلمت داج  
تیری چہرہ کی سفیدی مانند عارض آفتاب کی روشن  
تیری زلف کی سیاہی اندھیری رات سے زیادہ تاریک  
بیاض رو سے رحمت اور سواد زلف سے قہر مراد ہے۔ داج عربی میں اندھیری رات کو کہتے ہیں۔  
مطلب ظاہر ہے۔

لب تو خضر دمان تو آب حیوان  
قد تو سرو و میان تو موی گردن غلاج  
لب تیری خضر اور دمن تیرا آب حیات  
قد تیرا سرو و کتری بال گردن ہاتھی کی طرح گوی  
ازین مرض بحقیقت کجا شفا یا بجم  
کہ از تو درد دل من نمیرسد بعلاج  
اس مرض سے حقیقت میں کیسے شفا پاؤں  
کہ تجھ سے میری درد دل کا علاج نہیں ہو سکتا  
بعض مرض عشق سے حقیقت میں مجھے صحت نہوگی اسلئے کہ اسے محبوب تو کچھ درد دل کا علاج نہیں کرتا  
خلاصہ یہ کہ میری طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

دمان تنگ تو دادہ باب خضر بقا  
لب چو قند تو برد از نباتات مصر رواج  
تیرے دمن تنگ نے آب خضر کو بقا رحمت کی  
تیری لب قند سان نے نباتات مصر کو بیکار کر دیا۔  
آب خضر سے آب حیات اور بقا سے زندگی مراد ہے نباتات مصر صری کے لئے آپا ہے لب قند اور نباتات  
مصر کی رعایتیں ظاہر ہیں۔

گدا چرانزند لاف سلطنت امروز کہ خیمہ سایہ ابرست و بزنگہ کشت  
نقیر آج کیلے لاف سلطنت کا نہ مارے کہ سایہ ابر کا خیمہ (اوسکو چتر) اور بزنگہ اوسکی دنیا ہی

لب کشت سے دنیا مراد ہے باقی مطلب صاف محتاج تشریح نہیں۔  
قدم در یغ مدار از جنازہ حافظ کہ گرچہ غرق گناہ است میر و دہشت  
حافظ و جنازہ سود و چار قدم در یغ نکرو اگرچہ غرق گناہ ہے لیکن بہشت کو جاتا ہے

مطلب صاف تشریح طلب نہیں۔

درد مارا نیست درمان الغیاث فریاد کہ ہمارے درد کا درمان نہیں  
بھرمار نیست پایان الغیاث دو مائی ہے کہ ہمارا بھراخت تمام نہیں کہتا  
دین و دل بردند و قصد جان کنند الغیاث از جور خوبان الغیاث  
دل و دین بے گئے اب جان کا قصد کرتے ہیں فریاد ہے خوب رویوں کے ظلم سے فریاد  
در بہائی بوسہ جانی طلب میکند این دستاں الغیاث

فریاد کہ یہ دل بیجا بنو اے۔ ایک بوسہ کی قیمت میں جان طلب کرتے ہیں۔

خون ماخوردند این کافر دلالان ای مسلمانان چہ درمان الغیاث  
ان کافروں نے ہمارا خون پی لیا فریاد کہ اے مسلمانوں اسکا کیا علاج  
فاوہ سکینان بدہ ای روز فضل از شب یلدا ای بھران الغیاث  
اے محبوب و صل کے روز غریبوں کی داد دے جدائی کی اندھیری رات سے۔ فریاد

فضل سے مراد دولت ویدار محبوب حقیقی یا مرشد کامل کی صحبت۔ یعنی دیدار کے روز ہم غریبوں کی داد دے کہ ہم پر بھران کی شب تار بڑی سختی کرتی ہے۔

ہرز مائیم درد دیگر می رسد زین حرفیان بردل و جان الغیاث  
ہر وقت تازہ درد پہنچتا ہے ان حرفیوں سے دل و جان پر فریاد  
ہمچو حافظ روز و شب بچو لیشتن گشتہ ام سوزان و گریان الغیاث  
حافظ کی طرح و نرات بچو دی سے فریاد کہ میں سوزان و گریان ہو گیا ہوں

ان اشعار کا مطلب صاف تھا اسلئے شرح کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔



فتادہ در دل حافظ ہوا جو خوشی  
ماظ کو دین تیرے شای کی ہوس بہری ہو  
کینہ مندہ خاک در تو بودی کج  
ای کاش کردہ کینہ تیرے دکی خاک ہوتا  
کاج بھی کاش۔ کہو کہ فارسی میں شبن مجھ سے بدل جاتا ہے۔  
اگر بہ مذہب خون عاشق است مباح  
تو ہماری بھی یہی مصلح ہے جو تیری ہے  
اگر تیرے مذہب میں عاشق کا خون کرنا جائز ہے  
یعنی اے محبوب اگر تیرے نزدیک عاشق کا خون کننا درست ہے تو ہمیں بھی قبول ہے تو شوق تیرے کویا  
سوا دوی تو تفسیر جاعل العظلمات  
بہاں روی تو تبیان فائق الاصلاح  
تیرے ہاؤن کی سیاہی بیان شبن تار یکا ہری  
تیری چہ کی سفیدی صلح کو ظاہر کرنیوالی کی ہے  
فائق یعنی شگاف کرنیوالا (اسم فاعل) اصلاح جمع صبح فائق الاصلاح یعنی صبح۔ مطلب یہ کہ  
تیری زلف تار یک ہے۔ اور جیرا رخ شل آفتاب کے روشن۔ اصلاح کا الف اگر زیر سے پڑنا ہوا  
تو ادا اور اگر زیر سے پڑین تو جمع کے معنی دیتا ہے۔

زودیدہ ام شد صد شہ در کنار روان  
بریں آنکھوں سے سوچنے آسے جاری ہوتے  
کہ خود شناسنہ دصیان آن طلاح  
کہ خود طلاح بھی اونکے دریا شیان دریں پرت کھنکا  
رجح آجیات توست قوت روح  
لب بر شل آجیات کے قوت روح کی ہے  
زخک لف کندت کی نیافت خلاص  
نیز کی کند زلف کے چنگل کے کسی نے خلاص کیا  
بیا کہ خون دل خویشین بجل کردم  
آگاہی دل کا خون تیرے تجھے معاف کر دیا  
نداد قل لبش بوسہ بصد تبیس  
اوس کو لبش سے سو فیروز ہو اپنا بوسہ نہ دیا  
صلح و توبہ تقویٰ سے زما مجوزا ہد  
ای ناہم کہ بہ ہر کاری اور توبہ تقویٰ نہ ڈھونڈا  
نہ از کما چہ ابرو و تیر غمرہ بجلح  
نہ کما چہ ابرو اور غمرہ سے کچھ دہائی نصیب ہوئی  
اگر بہ مذہب خون عاشق است مباح  
اگر تیرے مذہب میں عاشق کا خون کرنا درست ہے  
نیافت کا قمر میں اندو بصلح  
اوس سے دیکھا تھکھ سکھوں زاری سے بھی بھلا  
ز زہد عاشق و مجنون کی سخت صلاح  
زہد عاشق اور مجنون کی سختی پر نہ گامی ہن ہائی

چراہمی شکنی جان میں سنگدلی دل ضعیف کہ بہت او بنار کی چوچ

اگر جان میں سنگدلی سے کس واسطے توڑی ڈالتی؟ دل ضعیف کو جویش کی طرح نازک ہے  
زنجار کچ کے شیف کو کہتے ہیں جو بہت نازک ہوتا ہے اور کچے تشیمہ دل سے دی گئی ہے  
اور سنگدلی معشوق کی صفت ہے۔ سنگ اور شیشہ کی رعایت ظاہر ہے۔

واضح ہو کہ معشوق نمواسے عاشقوں کے غیر عاشق کے لئے سنگدل نہیں ہوتا۔ معشوق میں چاند والی  
بہت سی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں مگر اونکے ایک خوبی سنگدلی کی ہی ہے ہمارا مطلب ہے کہ ہر شخص جس شخص سے محبت  
اپنے محب کے لئے سنگدل ہو جائے اگر اوس میں یہ صفت نہیں تو وہ معشوق نہیں چونکہ انسان کا  
انسان سے بوجہ ایک ہی اصل ہونے کے ازلی تعلق ہے اسلئے ڈھل محبت کرتا ہے اپنی محبوب  
دل کو صرف اس وجہ سے کہ اوکے افعال اور اسکی حسب خواہش نہیں ہوتے ہمیشہ ستمگار  
جفاکیشن دشمن جان سنگدل ظالم بے رحم وغیرہ خطابوں سے مخاطب بناتا ہے  
اگر انصاف سے دیکھا جائے یعنی عاشق کے سوا کوئی غیر عاشق شخص معشوق کی ان صفات کا  
استحسان کرے تو شاید انہیں سے ایک ہی اوس میں موجود نہ پائے گا۔

یہ عاشق دل کی کمزوری تھی کہ او سنے باوجود ایک اصل اور ایک ہی جنس سے  
ہونے کے کسی کو اپنے سے زیادہ سچو لیا اور او سکو اپنی تمناؤں کا مرکز یا مراد  
قرار دیکر مرید ہو گیا ورنہ دونوں برابر ہیں اور ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں مگر چونکہ  
عشق و محبت کا سلسلہ آسمان کے نیچے بہت وسیع ہے اسلئے عاشق کی سب شکایتیں بجا اور  
معشوق کے سب افعال سراسر ظلم و جور سے پُر ہوتی ہیں جسم انسانی کے تمام اعضاؤں میں عشق کا  
تعلق زیادہ تر دل سے ہوا اسلئے بسا اوقات کوئی شخص ایسے آدمی پر ہی عاشق ہو جاتا ہے جو غیر  
ذرا ہی خوبصورت نہیں ہوتا ہر عاشق زلیخا کی طرح یوسف سے ہی خوبصورت پر عاشق نہیں ہوتا  
بلکہ بہت سی مخلوق مجنون کی طرح ایسے سیاہ فام پر ہی ذریعہ ہونے دیکھے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ  
عشق محبت صرف اسی تعلق ازلی اور روحانی بنا پر نہیں۔ انسان کو اگر اسواہ انسان کو کوئی اور چیز  
اچھی معلوم ہوتی ہو تو اسکو نہ ملے پر بے اختیار ہو گا اور معشوق کے بحر میں کیسا نیچیں اور ازکار رفتہ ہو جائیگا  
یہی دلیل ہے کہ ہر محبت عشق کو ازلی تعلق بتلا رہی ہیں۔

مکسٹا۔ پس اگر تو اپنے کام سے قائل و جائز ہو چھوٹے خوف ہی کہ شاید تیرے لئے درمراہ باز نہ ہو۔

بہار بادہ کہ رویش بجز خواب و بیدار  
آنکہ جامہ چوشت بہار ترخ صبح  
نثراب لاکہ اورنگ دن بجز تمام  
نثراب لاکہ اورنگ دن بجز تمام  
جرع صبح سے سورج مراد ہی یہ خطاب یہ کہ جس کے نام صبح کی کتاب کے ساتھ رکھا یعنی  
صبح کے وقت نثراب پی اور کتا دن بجز خواب و بیدار پس اسے ماتی بچھے ہی شراب دیو آواز  
علی الصبح بیکرنا دن تمام سے گزرا۔

کہ نام طاعت شامیہ کہ طاعت صبح  
محبوبت اسے کوئی طاعت پسندیدہ ہو  
فائق الا صبح چہرے والا صبح کا نام کوئی نہ ہو  
حال معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ اس پر کیا فرما کرے۔ اور نہیں معلوم ہے کہ اس میں عبادت و رند  
سے کوئی طاعت پسند کی جائے۔ مگر اصرار یہ کہ انجام کا حال کیسے ہی معلوم نہیں۔

زمان شاہ شجاع ست و دو حکمت شرح  
براحت ایو دل جان کوش و صبح  
شاہ شجاع کا عہد ہی اور حکمت شروع کا زمانہ  
اے دل و جان صبح و شام راحت میں کوش کر تو کم  
شاہ شجاع ایک بادشاہ کا نام تھا۔ مگر انجملہ اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا مرشد کامل ہیں۔  
یعنی اسے مخاطب بشریح محمدی کا دور دورہ ہی جو حکمت کا زمانہ سمجھا جاتا ہو پس تو صبح و شام دل جان کا  
راحت و آرام ہو بچانے کی کوشش کرو جا۔

بہار صبح جو حافظ شیبہ بروز آور  
کہ شگفتہ گل عیشیت رشعلہ مصباح  
صبح کی امید پر جب حافظ نے رات کو دن کہا  
جو سے صبح یعنی باسید و نسل شب بروز آور دن۔ رات کاٹ کر دن لانا۔ شعلہ مصباح سے مراد آفتاب ہی  
یعنی حافظ نے تیرے گل کی امید پر بھر کی رات کو کاٹ کر دن نکالا شاید کہ اس کے پھل میں  
پہول سورج کی روشنی سے ہی کہلے۔ خلاصہ یہ کہ اصل محبوب میر ہو۔ قاعدہ ہے کہ ہر قسم کے پہول  
سورج کی روشنی سے کہلے اور غلام صبح ہو پ کی گرمی سے بکتے ہیں۔

پیا کہ ہست کہ بریا تو کشیم مدام  
و خمر نشرب ستر با کذلک لا جداح  
بیا کہ کیا چیز ہے کہ تیری یاد میں کہشت  
ہم پیٹے کی چیز قدح کی طرح پیٹے ہیں  
بیا کہ کیا چیز ہے۔ یعنی بیا کہ بھر شراب کی اہل و مقیتہ بھی کیا ہے۔ مہو تیری یاد میں پیٹے کی چیز  
(شراب) قدح بھر بھر کہ پیٹے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اب پیا کہ وہ پیا کہ سے سیری نہیں ہوتی بلکہ قدح  
ہوتی ہے۔

دعا ہے جان تو روز زبان چا قضا  
دام تا کہ بود گردش سا و صبح  
تیری جان کی عافیت کے وہ زبان ہو جو  
مہوش جب تک کہ صبح و شام چکر لگاتے ہیں  
یعنی جب تک صبح و شام ہوتے رہیں یا دنیا قائم ہے اس وقت تک عافیت کی دعا تیری جان کی سزا  
کے لئے روز زبان رہی۔

بہین ہلال محرم نجومہ ساغریاح  
کہا ہ اس ماہ سن سال صلح و صلح  
محرم کا چاند دیکھ کر شراب کا پیا کہ پی  
کہ یہ مہینہ اسی ماہ کا ہے اور یہ برس صلح و صلح

جو تکہ نیا سال محرم کے چاند سے شروع ہوتا ہے لہذا فرماتے ہیں کہ یہ شروع سال محرم کا مہینہ اس  
و اماں کا ہے اور یہ سال صلح و صلح کا ہے تو شراب محبت پی اور عیش کر بعض نے لکھا ہے

کہ شروع سال سے مراد ابتدائی نیاں بیٹھے ہیں جب سال تک پر واردات کا ظہور ہونا شروع ہوتا ہے  
عزیز و ارنیاں سال کا مذم  
مقابل شب قدر است و روز شرف

زمنہ وصال کو عزیز کہہ کہ اس مذم  
۱۵ حبیب کا دن ۱۶ رمضان کے مقابل ہوتا ہے  
جو تکہ علماء کے ظن غالب میں شب قدر ۱۶ ذی قعدہ البیاض کو ہوتی ہے اس لئے شب قدر کے لئے  
یہ رات مقرر کی گئی ہے۔ استفہاح کا دن ۱۵ رجب کہ ہوتا ہے۔ باقی مطلب صاف ہے۔

نزع ہر روز دنیا و دوزخ کو نہ کند  
یہ آشتی بہر ای نور دیدہ گوئی طلاح  
دنیا کے معاملہ میں جیگر کوئی نہیں کیا کرتا  
صلح آشتی سے ای نور چشم بہتری میں سبقت لیا  
ولا تو فارغی تو کار خوشی می ترسم  
کہ کس درت نہ کشاید جو گم گئی مفضل  
ای دل تو اپنی کام ہی فلان خواہی دوزخ ہوں  
کہ جھکو کوئی دروازہ نہیں کہوں گا اگر کوئی گم کر دے

یعنی اگر تو اپنے معاملہ سے کبھی کہوں تو تیرے واسطے کوئی درمغصہ نہیں کہوں سنا یعنی مدد نہیں

ستیم شک تا تازی خجل کردیچہ شمیم موئے عنبر نوئے فرخ  
 شک تا گری کی ہو اکو شرمندہ کردیا زلف عنبر نوئے رخ کی مہک ہے  
 اگر میل دل سر کس جہانست بو و میل دل من سوئے فرخ  
 اگر کسی شخص کے دکھ میل کسی کی طرف ہو تلو نویرے دل کایل فرخ کی جانب ہے  
 یعنی اگر کسی کا دل کسی شخص کو پسند کر لیا کرتا ہے۔ یا ایسا ہو اگر تائب ہے کہ کوئی کسی پر عاشق ہوا  
 تو میں نے فرخ کو پسند کیا ہے۔ او میں ادھر پر عاشق ہوں۔

علامہ خاطرے آنم کہ باشد جو حافظ چاکری سہوی فرخ  
 میں اوسکی خاطر کا علامہ ہوں جو حافظ کی طرح زلفی کا نوکر ہو۔  
 یعنی میں اوسکی خاطر کا علامہ ہوں جو حافظ کی طرح فرخ کی زلف کا چاکر ہو۔ خلاصہ یہ کہ میں فرخ تو  
 فرخ بلکہ اوسکے علامہ کا بھی علامہ ہوں۔

ابر بخاری برآمد باد نوروزی وزید دور می سخنو ہم و مطرب کہ میگوید رسید  
 ابر بہار آیا اور ہوا نوروز کی حسلی شرب کا دور چاہتا ہوں اور مطرب کہو کہ آدمی  
 آفراسی سینہ کا نام ہے۔ باد نوروزی کا اشارہ شہادتِ قلیات کی ابتدا کی طرف مطرب سے  
 مراد مرشد کہ جو حالات حقائق اور معارف بیان کرتا ہے۔ یعنی شاہدہ قلیات کی تہا ہی میں  
 مرشد کمال کو اور شراب محبت کو چاہتا ہوں کہ حالت عشق و محبت میں مرشد کمال کی زبان سے  
 بیانات حقائق کی نغمہ سنجیان سنو۔

شاہد ان بجلوہ من شرمسا کیسے ام ای فلک این شرمساری تا کی بایک شہید  
 معشوق جو میں پر میری مہمانی خالی اسے فلک خالت کب تک ادھانی جائیگی  
 یعنی میرے پاس کچھ زلف بھی نہیں کہ جس سے معشوق کی خدمت کر سکوں۔ پس ای فلک ابھی جار  
 یہ شرمساری اور خجالت مجھے کب تک ادھانی پڑے گی۔ حقیقی اعتبار سے یہ معنی ہیں کہ شاہدہ  
 قلیات کا ظہور ہوتا ہے۔ میرے پاس کچھ نہیں کہ ادھر تار کران یعنی میں اسکی خوشی جو ہے  
 تہیہ سنتی کہ نہیں کر سکتا۔ اب زلف عشق میں ہیں۔ عشق اوی کا ہے کہ جسکے پاس کچھ نقدی معشوق پر  
 نثار کرنے کو ہو۔

دل میں رہو اسے روی فرخ بود آشفۃ سمجھوں موسے فرخ  
میرادل چہرہ معشوق کی ہوس میں ۴ مثل زلف فرخ مٹے آشفۃ و پریشان ہی  
فرخ حافظ صاحب کے معشوق کا نام ہے۔ لہذا فرماتے ہیں کہ میرادل روئے فرخ کی ہوس میں  
اوی فرخ کی زلف کی طرح پریشان ہے۔ چہرہ ظاہری طور سے عاشق تھے۔ اور یہ تمام غزلوں کے  
آخر تک اوی کے نام سے تصنیف ہوئی۔

بجہر مندوی زلفش سچ کس نیست کہ بر خوردار شد از روی فرخ  
سوا او سکی کا فرزند کوئی ایسا نہیں کہ فرخ کی چہرے سے خطا دٹھائی والا ہوا ہو  
سیاہ نیک بخت است آنکہ ایم بود ہمراز ہمراؤں سے فرخ  
و جھٹی نیک نصیب جو کہ ہمیشہ فرخ کا ہمراز اور ہمراؤں سے ہوتا ہو  
سیاہ بھٹی جھٹی جیسا اشارہ زلف کی طرح ہے۔ یعنی سوا کے کوئی ایسا نہیں کہ محبوب کا ہمیشہ  
ہمراز اور ہم بخت بلکہ ہم نسل رہتا ہو۔

شو و چون بید گزان سرو آزاد اگر بند قد و نحوے فرخ  
سرو آزاد بید کی طرح کلپنے لگے اگر فرخ کا قد دل بند دیکھ جائے  
بدہ ساقی شراب ارغوانی بیا و نرس جاوے سے فرخ  
اسے ساقی شراب ارغوانی لا فرخ کی نگر گیسیم جاوے کی یاد میں

ساتی سو مرشد کمال مراد ہے۔ صوفیوں کا کہم کا قاعدہ ہے کہ معشوق حقیقی سے عشق کرنے کے لئے ظاہری  
ظہر پر کسی معشوق مجازی کی صورت کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکال کر لے ہیں کہ جب صورت ایسی اچھی اور نفیس ہے  
تو اس کا بنانے والا کیا ہوگا۔ چنانچہ اسی خیال کو وہ اپنے عشق کا مرکز قرار دیتے ہیں۔ اور حقیقت  
عشق حقیقی پر پہنچنے کا ذریعہ ہی ہے لہذا خواجہ برج فرماتے ہیں کہ اسے مرشد کمال فرخ کی چشم  
عابد فریب کی یاد میں عشق حقیقی کا جام پلا تا کہ اس کا سرور زیادہ ہو اور ہم او کی صورت کی یاد سے  
یہ خیال کریں کہ ایسی اچھی صورت کا بنانے والا بھی ضرور اچھا ہوگا۔

دو تاشد قاسم سمجھوں کمانے ز غم بوسہ چوں ابروی فرخ  
ہر آنگہ گمان کی طرح آؤ ہر ہو گیا جب فرخ کی ابروؤں کے غم سے ملا



تیر عاشق کس نہاغم رد ل عافظ کہ زد  
این قدر اغم کہ از شعر ترش من سجد  
عاشق کس تیر من نہیں جانتا کہ کسے عافظ کو دلوار  
صرف اتنا جانتا ہوں کہ او کو شعر سے ترش ہو گیا تھا  
تیر عاشق کس سے عشق مراد ہی یعنی مجھے نہیں معلوم کہ عافظ کے دل پر عشق کا تیر کسے باران  
البتہ اتنا جانتا ہوں کہ اس کے اشعار اس کی حال کے گواہ ہیں یعنی ایسے اشعار اس کے زخمی  
دل کے اور کوئی نہیں پڑھ سکتا۔

اگر ان طایر قدسی ز درم باز آید  
عمر گزشتہ بہ پیرانہ سرم باز آید  
اگر وہ محبوب سے دروازہ ہی پھر آوے  
میری عمر گزشتہ پیرانہ سالی میں لوٹے  
طاہر قدسے مراد محبوب حقیقی۔ ز درم باز آید۔ یعنی مجھ پر ظہور فرمائے۔ تو تین ہزار پے من سے  
سرے جو ان ہواؤں۔

دارم امید بان شک جہ باران کہ مگر  
برق دولت کہ نیت از نظرم باز آمد  
میں اپنی اون امید بان شک جہ باران کہ شاید  
برق دولت جو میری نظر سے چلی گئی ہو پھر آجائے  
میرے آنسو کہ جو مینہ کی مثال کہتے ہیں اور کئی وجہ سے مجھے امید ہی کہ شاید برق دولت جو میری  
نظر سے مروپوش ہو گئی ہے پھر چھلنے لگے۔ یعنی آہ وزاری سے عشق کو اپنی طرف متوجہ کروں  
برق کا لفظ باران کی مناسبت سے لائق ہے۔

گر نثار قدم بار گرامی نہ کھم  
جو ہر جان بچہ کار و گرم باز آید  
اگر یار کے گرامی قدم نہ نثار نہ کردن  
تو میرا جو ہر جان دوست کہ نسبی کام میں آوے گا  
آنکہ تاج سرخ آں کفیا نیش بود  
از خدا کو طلبم تا لبسم باز آید  
اوس کو خاک کفیا جو سیر کاتانج ہی  
میں خدا سے چاہتا ہوں کہ میرے کمر پر آ جاوے  
کوین فو دولتی از باہم سعادت نہ ہم  
گر بہ بنیم کہ منہ تو بس مضم باز آید  
نور دولتی کا تقاب نام سعادت پر ہواؤں  
اگر میں یہ بچوں کہ سفر شب میرا نہ نولٹ آیا  
خواہم اندر عشق رقت جو باران غرر  
مختصم ار باز نیامد خرم باز آید  
یاروں عزیزوں کی طرح میں کی جچے جاوے گا  
جسم میرا اگر نہ بچے گا تو خبر تو اسے کہے گی۔  
یعنی میں عشق کی مشابعت میں اس کے چچے چچے بارہ سنوں کی طرح جاوے گا وہ سے ہرگز

مختار جو دست آبروی خود بینی باید فروخت  
 بخشش کرم کا قحطی اپنی آبرو چینی نہیں چاہئے  
 باوجود کل ازبہای خرد می باید خرید  
 نخریت اور کل کو خبیثہ کی تمیت منی خریدنا چاہئے  
 ایسے زندہ دین جبکہ قحط الرجال ہی یعنی عارف کامل یا صاحب کرم نظر نہیں آتا تو ہر کس نامکس سے  
 التجار کے اپنی آبرو دیرزی نہ کرنا چاہئے۔ لکہ خرقہ پارسائی کی تمیت میں عشق اور شاہ محبوب  
 حاصل کرنا چاہئے۔ خلاصہ یہ کہ پارسائی کو چھوڑ کر رندی اختیار کرنا مناسب ہے۔  
 غالباً خواہد بشود از دو بتمہ بکناہ دوش  
 من بھی سیکر دم دعا و صبح آمین مید مید  
 غالباً میری مراد حاصل ہوگی کہ کل  
 یعنی یقیناً میرا مطلب حاصل ہوگا من اعتبار ہی کہ کل حروف میں دعا لکھا تھا تو بھیج ہوتی آتی تھی  
 جو دعا کی احاطت کا وقت سمجھا جاتا ہے۔ گو با من دعا کرتا تھا اور صبح آمین کہہ ہی تھی۔  
 بالیو چہ صد ہزاران خندہ کل آند باغ  
 از کریمی کو تیرا انگوشتہ ہو میری شنید  
 تیرے لب و رسو بہار خندان کے ساتھ عشق و باغین آیا  
 گویا کہ کریم کریم کئی ہوشہ سے سنائی دی  
 جامہ درختی می نیز سے باید دید  
 بکنامی کا بھی جامہ ضرور بھاڑنا چاہئے  
 اگر حالت رندی میں اس عاک ہوا تو کیا خوف  
 یعنی اگر میں حالت رندی میں بدنام ہوا تو کیا فکر ہے اسلئے کہ بکنامی میں بھی شہرت ہوتی ہے۔  
 غوغا و سہن بھی نام ہوتا ہے اور سہن بھی نام ہی ہوا۔  
 این لطافت کو لب لعل تو من کفتم کہ گفت  
 وان لطاول کر زلف تو من دیدم کہ دید  
 یہ خفیہ جو کہ تیرے لب سے میں نے کہا اور سنی کہ کہی  
 اور وہ ظلم کہ جو میں نے تیری زلف دیکھا اور سنی کہ کہی  
 عدل سلطان کرنے سید حال مظلومان عتو  
 گوشہ گیران ترا ساس طبع باید سیرد  
 بادشاہ کا عدل اگر مظلومان عشق کا مان پوچھے  
 گوشہ میں بیٹھنے والوں کو آرام کی امید قطع کر دینی چاہئے  
 سلطان سے محبوب حقیقی مراد ہے اور طلب جناف یہی اگر محبوب حقیقی مظلومان عشق کی پرستش  
 نہ کرے تو عزت نشینوں کو آرام کی امید منقطع کر دینی چاہئے۔ آسائش جسم آسائش دل کے  
 متعلق ہے جب عشق کی بے توجہی سے دل چین ہوگا تو گویا جسم کو بھی کچھ میں راحت نصیب  
 نہ ہوگی۔

سب سے آبدیدہ و برسر کہ بگذرد  
کہ خود دوش ز شک بودیم ز چارود  
ہماری آنچو نگاہانی نہ چسبہ ہو کر کہ گذرے  
اگر خود دل او سکا تھر تو تھانہ سکی لہجے  
مطلب یہ کہ ہمارا سبب اشک ایسا تیز روی کہ جس شخص کے پاس ہو کر گذری اگر اس کا دل تھر نہا ہوا  
تب بھی جگہ سے ٹپکے۔ خلاصہ یہ کہ جو کوئی ہماری گریہ و زاری کو دیکھ لے تو چاہے وہ کیسا ہی  
شکل ہو مہربان ہو جائیگا۔

مارا یہ آب دیدہ شب و روز ماحر است  
زین رنگہ ز کہ بر سر کوش چارود  
بجھکوا شکوئے سب در روز جھکوا کرنا پڑتا ہی  
اس رنگہ زمین کہ خواؤ کی کوچہ کی ہو سو اٹھ جاتی ہو  
یعنی مجھ کو اپنے آنسوؤں سے رات دن لڑائی کرنی پڑتی ہی کہ تم اس رنگہ زمین جو کوچہ محبوب کو جاتی ہی  
نہ ہوا کرو۔ خلاصہ یہ کہ اس کے کوچہ میں جو مقام وصال ہی۔ گریہ و زاری کی کیا نتیجہ۔ یا یہ کہ مجھ کو جو  
محبوب میں اپنی گریہ و زاری سے معجب آتا ہے۔ علاوہ اسکے اس شعر میں مارتا۔ آب دیدہ۔ اور  
ماجر او سر کو۔ اور رنگہ ز کہ ان الفاظ قابل لحاظ ہیں کہ کس ترتیب سے نظم ہوئے ہیں

خورشید خاوری کند از شک چاہے چاک  
گر ماہ مہر پرور میں در شب ارود  
شاہ خاور ز شک کی کپڑے پہاڑ ڈالے  
اگر میرا مہر پرور ماہ لباس پہنے  
حافظ کوئے میکند و ایم نصبت دل  
چون صوفیان بصفتہ دار الصفا  
اس طرح جاتا ہے کہ حبیب صوفی لوگ عبادت خانہ خانقاہ  
حافظ میخانہ کی گلی میں صدق دل سے  
خلاصہ یہ کہ بطرح صوفی لوگ صدق دل سے خانقاہ کو عبادت کے لئے جاتے ہیں اسی طرح حافظ  
بھی عقیدہ تندی اور صفائی قلب سے میخانہ کو جایا کرتا ہی۔

از سر کوئے تو سر کو علالت برود  
نرود کارش و آخر نخالت برود  
جو کوئی کہ تیرے کوچہ کی لالہ کے نکلے  
اوسکا کام نہ چلے اور آخر کار شرمندگی کی لالہ  
یعنی جو سالک کہ تیرے کوچہ عشق سے اگر ملول ہو کر نکلیجے تو وہاں سے نکل کر اوسکا کہیں کام  
نہ لے گا اور نتیجہ میں شرمندہ ہو کر پھر تیرے کوچہ کو لوٹے گا۔  
سالک ان نور ہدایت طلبند راہ بدست  
کہ بجائے زسدر گریضدالت برود  
جو سالک کہ ہدایت کی روشنی کی راہ نہ ہونے  
اگر گمراہ جاوے گا تو نسل پرہیز ہو پختہ گا

دیگر

بچو و روٹھا۔ بالضرر اگر میرا جسم ان کا لطف سے نجات پا کر نہ لوٹا تو میری خبر تو آئے گی  
یعنی لوگ یہ تو کہیں گے کہ فلان کے فلان کے اور جان دیدی  
انکس غلغل حیل است و شکر خواب صبح ورنہ گریہ بند آہ سحرم باز آید  
خجک کی آواز کا شور و صبح کی بھی نیند اٹھوانے ورنہ اگر سنی تو پری آہ سحر کی آواز دہی آوے  
خجک سے عارف مراد ہی جسکی آواز صبح کو عاشقان الہی کی راحت افزائی کا باعث ہوتی ہے  
شکر خواب وہ نیند کہ جو بعد صبح کے ہوسنی ٹھہری نیند۔ مطلب یہ ہے کہ عارف کی موعود کا شور اور  
صبح کی خواب شیریں میری آواز محبوب کے کان تک نہیں پہنچنے دیتی۔ ورنہ اگر وہ میری آہ  
سحری سن لے تو ضرور واپس آ جائے یعنی میری طرف متوجہ ہونے لگے۔

آرزو مند بخ شاہ جو ماسم حافظ ہمہتی تا بسلاست زورم باز آید  
ای حافظ بن مرہ و شاہ کو دیدار کا آرزو مند ہوں انہی مدد کر تا کہ سلامتی سے میرے دروازہ میں پہنچاؤں  
حافظ کا خطاب لکھنوی ہے۔ اور دوسرے مصرعہ میں لفظ دل محذوف ہے۔ یعنی اسے دل  
میں اس سرود کے دیدار کا منتظر ہوں۔ پس تو میری مدد کر تا کہ وہ پھر بخیر و عافیت میری گھر آوے۔

از دیدہ خون دل ہمہ بروی مارود بر رویے ماز دیدہ ندامت چہا رود  
آنکھوں سے خون دل بکسر ہمارے چہرہ پر جاتا ہے نہیں معلوم کہ چہرے سے آنکھوں پر کیا ٹپکتا ہے یا  
اس میں آہ و زاری ہجران کا بیان کیا ہے کہ میری استغاری حالت ہجر محبوب میں حدی گزر گئی۔  
ما درون سینہ ہوا کی ہفتہ ایمم برباد اگر رود سرما زان ہوا رود  
جہنے سینہ میں ہوا عشق پوشیدہ کر رکھی ہے اگر ملہا سر برباد ہو جائے تو وہ ہوا بھی ٹپکتا ہے  
یعنی جہنے سینہ میں عشق کی ہوا بھر رکھی ہے۔ اگر ہمارا سر جاتا ہے تو شاید سودا کی شش  
بھی جاتا رہے۔ ورنہ نہیں۔

بر خاک راہ بار نہاد ہم روی خوش بر روی مارواست اگر اشتارود  
میں نے یار کی خاک راہ پر ہونہا رکھ دیتے اگر دوست چارے کو ہونہا پر قدم رکھی تو شکر ہے  
یعنی ہم نے اپنے ہونہا کو دوست کی راہ کا فرش کر دیا۔ اگر وہ ہمارے ہونہا پر پیر رکھ کر  
گذرے تو زہے نصیب۔

اس شعر کے مضمون سے مراد ہو یا سالک دو فون مراد ہو سکتے ہیں۔ یعنی مرشد یا سالک جو بھی معرفت حق کا جام ناخہ میں رکھتا ہے۔ وہ گویا اپنے وقت کا جمید ہے۔  
یعنی جام جمید اپنے جام میں دنیا کا حال دیکھ لیتا تھا۔ اسی طرح وہ بھی سب جمید  
علوم کر سکتا ہے ۛ

آپ کے حضور حیات ازویات      درمیکن جو کہ جام دارد  
وہ پانی کہ جس سے خضر و عمر جاودیدانی      سیخانہ میں ڈھونڈھ کہ جام موجود ہے  
سیخانہ یہ وہ ہی مقام عشق مراد ہے۔ یعنی وہ چیز کہ جس سے عمر جاوید ملتی ہے عشق کے  
جام میں ہے اور کہیں نہیں۔

سر رشته جان بجا بگذارد      کاین رشته از و کام دارد  
جان کا تعلق جام پر جوڑ دی ۛ      کہ یہ سلسلہ اس سے متعلق ہے  
بیرون ز لب ساقیانست      در دور کسی کہ کام دارد  
اس ساقی تیرے لب سے سوا نہیں ہے      زمانہ میں جو کوئی کہ کام رکھے ۛ  
یعنی جو کوئی کہ زمانہ میں کچھ مقصد رکھتا ہے وہ مقصد تیرے لب کے بغیر نیت یا ہمت  
نہیں ہو سکتا ۛ

ماوے زاهدان تقویٰ      تیار سر کد ام دارد ۛ  
ہم میں اور شریک ہر لوگ میں اور تقویٰ ۛ      دیکھیں کہ یا کس طرف متوجہ ہوتا ہے  
بر سینہ پیش درویشان      لعلت نکلے تمام دارد  
درویشان کے زخمی سینہ پر      تیرا لب تل تمام حق نمک رکھتا ہے  
نرگس ہم شیوہ مستی      ار حشیم خوش تو دوا دارد  
نرگس نے تمام مستی کو شیوہ      تیرا چشم خوش تو دوا دارد  
یعنی نرگس نے یہ مستی کے تمام شیوے تیری آنکھ کے مشاہدہ سے حاصل کئے ہیں۔ خلاصہ  
یہ کہ عاشق لوگ تیری آنکھوں کو دیکھ کر خود بھی مستی اور میاکی سیکھ گئے ۛ

خلاصہ یہ کہ سالک کو مادی مطلق کی ہدایت سے یا حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے یا مرشد کی ہدایت سے معشوق حقیقی کی راہ نہ ہونڈنا چاہیے اگر وہ خود بخود وہاں پہنچنا چاہے گا تو گمراہ ہو جائیگا۔ اور مقام عشق تک نہیں پہنچے گا۔

گروسی آخر عمر از می معشوق بچید خف اوقات کہ کیسے مطالبت برود  
آخر عمر کا حظ معشوق بیزاری سے حاصل کر اون اوقات پر افسوس کہ جو تجھ کو دل میں ہو جائے

ای دل گم گشتہ خدا را مدد سے کہ غریب رہنبر درہ ہدایت برود  
ای دل گم گشتہ کی دلیل خدا کے واسطے مدد کر کہ غریب اگر راہ پر نہ چل سکے تو دل سے چلا جائے

دلیل گم گشتہ کا اشارہ مرشد کامل کی طرف ہے۔ اور غریب کا اپنی جانب یعنی اسے غمگاہ برائے خدا مدد فرما۔ اور اس غریب گم کردہ راہ کو دل ہدایت سے راہ دکھانا کہ یہ گم گشتہ ماہ منزل مقصود پر پہنچ جائے۔

حکم مستوری و مستی ہمہ بر خاتمہ است کس نہ انست کہ آخر کچہ حالت برود  
طاعت اور معصیت کا حکم خاتمہ پر موقوف ہی کوئی نہیں جانتا کہ آخر میں کیا حالت گزرتی

یہ حال کہ فلان طاعت گذار اور فلان معصیت کا رہا نتیجہ میں معلوم ہوگا۔ اس وقت کسی کو خبر نہیں کہ آخر میں کیا پیش آئے۔

کاروانے کہ بود بدرقہ اش لطف خدا بہ نجل بہ نشیند بہ جلالت برود  
حکم فافکہ کار بہ نالطف الہی ہو۔ وہ شوکت کے ساتھ قیام کرنا اور شان کو چھٹا تا ہی

بصنون ظاہر ہے تو صنیع طلب نہیں۔

حافظ از چشمہ حکمت بخت آو جامی لکہ از لوح دلست نقش جہالت برود  
اے حافظ دریا کے حکمت کی پیالہ بھر لے شاید کہ تیرے لوح کو کسی جہالت کا نقش مل جائے

چشمہ حکمت سے مراد عشق محبت۔ یعنی اے حافظ تو عشق محبت کے دریا سے ساغر بھر لے

ناید کہ خود بینی اور جہالت کا نقش جو تیرے لوح دل پر منقوش ہے کا عدم ہو جائے۔

آئینہ کہ بدست جام وارد سلطانی چہرہ مدام واروہ  
جسکے ہاتھ میں جام ہے وہ ہمیشہ عیش کی حکومت رکھتا ہی



چشم من کردہ ہر گوشہ روان سل سہل  
بیری آنکھ نہ کوئی کو اسنو تھی جاری  
تا کہ تیرے سرو ہی کو پانی سو سیراب لکھ  
قاعدہ ہی کہ درخت پانی سو سرسبز رہا ہے لہذا حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ بیری آنکھوں نے  
آنسو نہ کی رو ہر طرف کو اسنو جاری کی ہے کہ تیرے قد کا درخت تارہ دوسرے رہے۔ اور صاف  
ظاہر ہے کہ عاشق کی گئیہ و فریاد معشوق کی رونق اور شہرت کا باعث ہوتی ہے۔

عمرہ شوخ تو خوں بختا میریزد  
تر اغمرہ شوخ میرا خون خطا سے بھوتا ہے  
فرصتیش یاد کہ خوش رای صوبائی دار  
نر صحتش یاد۔ یعنی تیرا عمرہ جو میرا خون کر کے خطا کرتا ہے اور اگر  
اس بات کوئی بیخ نہ ہوئے۔ کیونکہ وہ نیک راہ ہے۔

چشم محمور تو وار و زولم قصد جگر  
تیری چشم محمور جو میرے دس جگر کا قصد کہتی ہے  
ترک مست است مکرمل کیا ہے دار  
یہ ترک مست شاید کباب کی خواہش کہنا ہے  
جان بجا رہا نیست ز نور و می سوال  
میری جان ناتوان کو تجھے سوال کی مجال نہیں  
بیری جان ناتوان کو تجھے سوال کی مجال نہیں۔ وہ عاشق خوش قسمت ہے کہ جو معشوق  
سے سوال کرے اور جواب ہی مشرف ہو۔

کے کند سوئی احسنہ حافظ نظرے  
حافظ حستہ دل کب نظر کرتی ہے  
چشم مست کہ ہر گوشہ خرابے وارو  
تیری چشم مست کہ جسے ہر طرف خرابی پہلانی

چشم مست سے ذات سرا سر استغنا مراد ہے۔ باقی مطلب صاف۔

اگر زیادہ غم دل زیادہ ماہر و  
اگر شراب غم دل کو ہماری یاد ہی نہ پہلاوے  
نہیب حادثہ بنیاد ماہر جا بہرے  
تو حوادث کی غارتگری ہماری بیخ و بنیاد کو اکھڑے  
غم دل سے غم دنیا اور شراب سے عشق محبت مراد ہے۔ یعنی اگر عشق حقیقی ہماری یاد ہی  
تفکرات دنیا کو نہ محو کر دے تو حوادث کی غارتگری ہماری بیخ و بنیاد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔

و کمر رخ و زلف تو دلم را      وردست کہ صبح و شام دارد  
سیرے دکن تو بی رخ و زلف کا ذکر      صبح و شام کا وظیفہ ہو گیا ہے  
در چاہ دقن جو حافظا می جان      حسن تو دو صد غذا ہم دارد  
ای جان تیرے چاہ دقن میں حافظ کی طرح      تیرا حسن دو سو علام رکھتا ہے  
یعنی اسے دوست تیرا حسن حافظ سے دو سو علام اپنے چاہ دقن میں اسیر رکھتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ حافظ کی طرح تجھ بہت سی عاشق ہیں +

و یکیز

آنکہ از سنبل افعالہ ثابے دارد      باز بادل شدگان ناز و عتابی دارد  
وہ کہ حسن لعل سے غالبہ بھی سج ثاب کیا تا ہو      اس پر بھی عاشقوں سے ناز و عتاب رکھتا ہو  
از گزشتہ خود میگذرد و میچون باد      چہ توان کرد کہ عمرست و شبابی دارد  
اپنے عاشق کی پاس سے ہوا کی طرح گزر جاتا ہے      کیا کیا جاوے کہ عمر ہے جو جلدی کرتی ہے  
چونکہ معشوق اپنے گزشتہ عاشق کے پاس سے ہوا کی طرح جلد گزر جاتا ہے۔ اسلئے گویا وہ عمر  
کی مانند ہے کہ ادھر آئی اور ہر جگہ گئی معشوق کے آنے اور چلے جانے کو عمر کی آمد و رفت  
سے تشبیہ لگتی ہے +

ماہ خورشید عایش زین دہ زلف      آفتابی است کہ دیش سجایی دارد  
اوس کا رخورد شد نما زلف کے پس پر ن      آفتاب ہے کہ اپنے سلسلے بادل رکھتا ہو  
ماہ کا نا یا معشوق کے چہرہ کی طرف اور خورشید نما ہو کی صفت ہے۔ یغین کی ضمیر معشوق کی طرف  
سمجھنی چاہئے یعنی تیرا چہرہ زلف کے پس پر وہ طرح چہا ہوا ہے کہ جی طرح بادل میں آفتاب  
چہا ہوا ہو +

آب حیوان اگر نیست کہ در دل بیا      روشن است اینکہ خضر بہرہ سر آوار دارد  
آب حیات اگر ہی ہو جو کہ لب یار کے پاس ہو      قویہ صاف ظاہر ہے کہ خضر کو سر پہرہ وری قوی  
یعنی اگر آب حیات ہی ہے کہ جو لب معشوق میں ہے تو صاف ظاہر ہے کہ جو آب حیات خضر کو ملا وہ  
آب حیات نہیں تھا بلکہ سراب تھا + حقیقت میں اصل آب حیات میں حاصل ہو۔ علاوہ اس کی آب حیات  
نبا در روشن - سراب کے الفاظ خضر کی رہایت سے آئے ہیں

معتقی سے پاس ہو سچا دے۔

اگر روم پریشانت نہا برانگیزد  
اور از طلب پشیم بکیند بر خیزد

دیگر

اگر دے کے پہنچے حاتم ہون تو فتنے اٹھتے ہیں  
اور اگر طلب سے بچتا ہون کو لڑائی نہیں ہوتی  
یعنی اگر مین اوسکی محبت کا دم بھرتا ہون (عشق کرتا ہون) تو آفتون اور بلاؤں کا سامنا ہوتا ہے  
اور اگر اوس کی طلب سے باز ہو کر کسی دوسرے سے التفات کرتا ہون تو وہ خطا ہو جاتا ہے۔

غرض کہ مین عیبِ صیبت میں گرفتار ہون ہے۔

وگر بر بکندری بکدم از وفا داری  
چو گویش کہ چاہا کسان بیامیزی

اور اگر کسی فتنہ رگتہ میں وفا داری سے  
چو گویش کہ چاہا کسان بیامیزی  
جو اوس کی کہون کہ تو آدمیوں کی کیون ملتا ہے

یعنی اگر مین اپنے معشوق سے کہدوں کہ تو عیون کی کیون رابطہ ضبط رکھتا ہے تو وہ میرے ساتھ  
یہ سب کو کرے کہ میری آنکھوں سے جیسے اشک کے خون رلاوے۔ خلاصہ یہ کہ اتنا کہنے سے  
وہ جو روستہ اور زیادہ کر گیا۔

وگر کہم طلب نیم بوسہ صد افسوس  
اور اگر مین آدہ بوسہ بھی طلب کروں تو سیکڑوں افسوس

نیم کا لفظ قلت کے لئے آتا ہے جسے کہ ایک آدہ بوسہ اردو کا محاورہ ہے۔ اور طلبت ہی  
کہ اگر مین اوس سے ایک کبا بلکہ نصف بوسہ بھی طلب کرتا ہوں تو اوس کے موندہ ہی سیکڑوں افسوس  
شکر کی طرح چھڑتے ہیں یا افسوس کے معنی کلمات سخت مثل گالی وغیرہ کے ہوں۔ اور شاید

اسی رعایت سے شکر کا لفظ لایا ہے۔

من آن فرب کہ در گسوق می منم  
مین وہ فرب کہ جوتری گریں شیم مین بکینا ہون

فراز و شیب بیا بان جنق دام ملک  
بیا بان عشق بر نانیست بہت دام بچو اور بڑے

بیں آہ سے کہ در خاک بہ ضرور یزد  
بہت ہی آہوں گدراہ میں برباد کرتا ہے۔

وگرہ عقل مستی فروخت نہ کر  
اور جو عقل مستی کا سنگ نڈال دے

مضمون بشعر بلال کی توضیح ہے یعنی اگر عقل مستی کا سنگ اس حوادث دنیا کے دریا سے  
نابیدا کا زمین نہ ڈالے تو کشتی جو کہ سیطرہ اس بہنور سے پار نہیں ہو سکتی۔

طیب عشق منم بادہ خور کہ این مجون  
مین عشق کا طیب ہوں شراب پی کہ مجون

یعنی اے عاشق درد مندین اس عشق کا حکیم ہوں اور میری تجویز میرے واسطے یہ ہے کہ تو شراب  
پی یہ شراب محبت و طرفہ مجون ہے کہ تمام جھگڑے کے بھڑیوں سے فارغ کرتی اور سب فکروں  
اور بلاؤں کو دور کرتی ہے۔

دل صغیفہ از ان میکشد لطف چین  
سیر صغیفہ دل اسلے محکم کج طرف لٹ جاتا ہے

چمن سے بکلیں شد مراد ہے اور مطلب یہ کہ مرشد کمال کی ولداری بن میری جان مرگ کے بچے  
سبوح جاہلی اسلے بیدار دل جھک و مان لٹو جاتا ہے۔

گزار ظلمات است خضر را ہے جو  
گزار ظلمات کی طرف ہے خضر سے راہ بونہو

ظلمات سے راہ عشق اور خضر سے مرشد کمال مقصود ہے یعنی اس تاریکیاہ عشق نہیں مرشد سے  
راستہ معلوم کرنا چاہئے کہین ایسا نہو کہ محرومی کی آگ ہمارے ال آب خود کو سوختہ کر دے۔

فتان کہ با ہم کس زند کینہ ہا فلک  
زیادہ کہ سب نے فلک کینہ ہو رہی بازی لاری

سوخ حافظوں حال و بیا بخت  
حافظ مل گیا اور کسی نے اسکا حال رسی نکھا

حفاظت کے لئے خدا یا برائے خدا یعنی حافظ آتش عشق میں سوختہ ہو گیا اور کسی نے اسکا  
حال دیکھا ہے نہ کہا ہے باد صبا تو ہی مہربانی کر اور خدا کے واسطے حافظ کا پیام محبوب

دلبر کہ جان فرسود کام دلم نکشود از د  
نوسیدہ توان بود از و باشد کہ دل داری کند

دلبر کہ جس جان تباہ ہوئی او مقصد دل کا پس ہوا  
اوس سے نا امید نہ نا چاہئے شاید کہ دل داری کرے

لا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللّٰهِ

گفتم گر نکشودہ از آن طرہ تامل دہم  
گفتا من فرمودہ ام تا با تو طاری کند

میں نے کہا کہ میں نے اوس طرہ نگہ نہ کر کولہ کہ جب ہو کہ  
فرمایا کہ میں نے اوس حکم دیا ہے کہ تیرے ساتھ عبارتیں کرے

فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اوس محبوب میں نے جب سے تیرا عشق کیا ہے شائد و بلیات عشق سے راحت

نہیں ملی جو اہل فرمایا کہ میں نے اوس کو حکم دیا ہے کہ تیرے ساتھ جالا کی کر کے تھک کو مصیبت ہجرین گرفتار

رکھو خلاصہ یہ کہ ربخ و مصیبت تیرے نام زد ہو چکے ہیں

پشیمینہ پوش تند خو کر عشق نشینہ  
از مستیش مرغی بگو تا ترک ہشیاری کند

اوس پشیمینہ پوش تند خو کہ جو عشق کی پٹی پہنچے  
اوس کی سنی کا ذرا سا حال کہو تاکہ ہشیاری چھوڑ دے

پشیمینہ پوش زانہ خوش لباس عطا عت ریائی کرتا ہو بیخ زانہ خوش لباس سے کہ جسے عشق و محبت

کی کہنیں پائی ہو عشق کی مستی کا ذرا سا حال بیان کر دو تاکہ ہشیاری چھوڑ کر مست لا یعقل بن جائے۔

چون من گدا و پندشان شکل بود باطلان  
سلطان کجا عیش نہاں باند بازار می کند

مجھے ہنسان گدا کو فلان محبوب باری کرنا مشکل ہے  
رند بازار می کیسا ہنسان باو شاہ غنیمت عیش کیا کرتا ہے

زان طرہ پرچ و خم سہلست اگر بنیم ستم  
از بند و زنجیرش چہ غم آنکس کہ عیاری کند

اوس طرہ پرچ و خم دار سو میری ستم دیکھنا آسان ہے  
جو شخص کہ عیاری کرتا ہو اوس کو قید و پیری ہو کیا غم

یعنی ہنسان اوس طرہ پرچ دار کے جو رستم کی کچھ پروا نہیں اس لئے کہ جو شخص کہ عادی جرم ہو اوس کو قید و

ہند کی کچھ فکر نہیں ہوتی۔

شد لشکر غم بعد از رخت میخو اہم مدد  
تا فخر دین عبدالصمد باشد کہ غمخواری کند

غم کا لشکر ہشیار ہوا پٹی قسمت سے مدد چاہتا ہوں  
جب تک کہ فخر دین عبدالصمد غمخواری کرے

عبدالصمد کا اشارہ مرشد کی طرف ہے یا خواجہ صاحب کے مرشد کا نام ہے ہر حال مطلب اس سے زیادہ توضیح نہیں چاہتا

با چشم پر نیزنگ او حافظ مکن آہنگ  
کان طرہ شہزنگ او بسیار کاری کند

اٹھا اوس کی چشم پر نیزنگ سو اوس کی پاس کا قصہ کر  
کہ اوس کا طرہ شہزنگ بہت مکاری کرتا ہے



تو عمر خواہ صوری کہ رخ شہید باز ہزار مازی بن طرفہ تر ہر گیسو

تو عمر کا طالب ہو اور صبر کر کہ فلک شہید باز ہزار فطرتین طرفہ تراوٹھائے گا

طرفہ تر یعنی ایک سے ایک زیادہ عجیب یعنی تو اپنی زندگی چاہ اور صبر کر۔ اگر تو زندہ رہا تو

دیکھنا یہ فلک شہید باز کیسی عجیب جالین چلتا ہے۔

برآستانہ تسلیم سربہ حافظ اگر ستین کئی روز کا بستیزد

اے حافظ آستانہ تسلیم پر ہر جہکا دے اگر جھکا کر گیا تو زمانہ تجھ سے آمادہ خاک ہو جائیگا

یعنی اے حافظ تو آستانہ تسلیم پر سر نیاز نہ کیا دے۔ اگر مڑی کر گیا تو زمانہ تجھ سے برسر نیاز

ہوگا۔ اور تجھ کو چین نہیں لینے دے گا۔

آن کیست کر زوی کرم ہا مین فاداری محمد

وہ کون ہے کہ از روی کرم مجھے وفاداری کرتے

اول بانگ ناری و فی گوید مین پیغام وے

اول نئے کے ساز و نمہ سوا دے کا پیغام سنائے

یعنی ایسا کون شخص ہے کہ اپنے کرم کے خیال سے میرے ساتھ وفاداری کرے۔ گو

مین بدکار ہوں مگر وہ مجھے بدکار کے ساتھ پہلانی و احسان سے پیش آئے کہ اول تو مجھ کو ہتھی

نے کے نمہ کی آواز سے دوست کا پیغام پہنچائے۔ پھر پالہ بھر شراب اپنے خیم معرفت سے

پلائے۔ واضح ہو کہ یہ خطاب مرشد کی طرف ہے۔ چونکہ مرشد کمال اول سخاوت و تعاقب و معارف

طالب حقیقت کو شام بعد از ان اسرار معرفت سوا آگاہ کرتا ہے ایسی حالتیں طالب پروردہ کی کیفیت طاری

ہوتی ہے اور نئے عرفان کا نشہ اس کی رگے بی میں ساری ہو کر عجیب سرور و بختا ہے وہ ایسا سرور ہے

کہ جسکی تشبیہ اس مجازی شراب و نشہ سے بالکل نہیں دیجا سکتی۔ کیونکہ اس میں کیفیت کے موخار کا نام

نہیں ہوتا اور نہ اسکی اثر سے نفوس حیوانیہ کو متحرک ہوتی ہے جو اس نشہ کی طالب انھیں صفت ہے

غرض کہ وہ ایسی حالت ہے جسکا بذریعہ حرف و صوت کے ظاہر کرنا ممکن نہیں۔ قاعدہ ہے کہ اہل کمال

ضمونی زیادہ تر ہتھی کی آواز سے متاثر ہوتے ہیں اور اس معنی سے حافظ صاحب نے اول ہتھی کی

آواز سے دوست کا پیغام سنائے کی طرف اشارہ کیا ہے۔



اپنی جان قربان کروں۔ حافظ تو ترک غم نہ ہوئے شیک  
 دانی کیا ہے۔ تو خوارزم یا محمد  
 کیا تو بھاتا ہو تیری جگہ کیں ہو خوارزم یا محمد  
 خجندہ بھم خوارزم و خجندہ بھم دو قصبے میں جو سینوں کے لئے مشہور ہیں۔ لہذا  
 فرماتے ہیں کہ اسے حافظ تو معشوقوں کے غم و فکر خیال کو نہیں ترک کرنا اگر ترک نہیں کرے گا تو سب  
 خوارزم و خجندہ کو بھیجا جائیگا جہاں کے حسین ستم پیشہ ہو تو ہیں اور عاشقوں کو خوب ستانا جانتی ہیں۔  
 اگر کوئی تو بوی میں رسا نہ باد بجز وہاں بہانہ ربا و خواہم داد  
 اگر تیری کوچہ ہو امیری پاس خوشبو ہو پیادہ تو اس خوش طبری میں جہاں کی جان نثار کروں  
 بباد کا لفظ مراد ہے یعنی اگر ہوا تیری بوسہ ہو پیادہ تو میں اپنی نوا اپنی بلکہ سارے جہاں  
 کی جان اس خوش خبری میں قربان کروں بالوں پاس خوش خبری کے بدلہ میں جہاں کی جان  
 ہوا کو دیدار ملے۔

اگرچہ گرد برا نیچتے رہتے من غباری از من خاک پدا منت مقنا د  
 اگرچہ تو نے میری ہستے کو ہا میں اڑا دیا لیکن میری خاک کا غبار تیری دامن پر نہ پڑے  
 گرد برا نکینت برباد کردن۔ خلاصہ یہ کہ اگرچہ تو نے میری ہستی کو برباد کر ڈالا لیکن میں یہ بھی نہیں  
 چاہتا کہ میری خاک کا غبار تیری دامن پر پڑے اور اس سے تجھے تکلیف پہنچے۔  
 تو تیرے دامن میں ای نور دیدہ در بستے دگر جہاں در شادی بروی من نکشاد  
 ای نور چشم ہے کہ تو مجھ پر خوشی کا دروازہ بند کیا اور کسی نے بھی در شادی میرے لئے نہ کھولا  
 خیال و تو ام دیدہ میکند پر خون ہوا کی زلف تو ام عمر مسید ہر برباد  
 تیری کا خیال آنکھوں میں خون کر دیتا ہے اور تیری زلف کی خاموشی کو کارت کی ڈالتی ہے  
 نہ در برابر چشمی نہ غائب از نظری نیاد میکنی از من تیرے دامن میں از یاد  
 تو نے آنکھوں کو سامنے ہے نہ نظروں سے غائب نہ تو مجھ کو یاد ہی کرتا ہے اور نہ میری یاد کو فراموش ہوتا ہے  
 میرے محبوب حقیقی نہ تو تو میری آنکھوں کے سامنے ہے اور نہ اوسے غائب نہ تو مجھے یاد فرماتا ہے  
 (ہلا تہے) اور نہ میری یاد ہی سے جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ تیرا حضور غائب یکساں ہے۔ عبادہ اس کے

ہے، یا غلط اور سکو چشم عابد فریب کرو چہ سے اور سکر محبت کا دہیان نہ کر اس لئے کہ طرہ شہر نگاہ بہت سی  
مکاری کرنی چاہتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ دلاور ہندی میں چھانسن لیتا ہے۔

ای پستہ تو خندہ زوہ وہان قند  
مشتاقم از ہوا خند ایک شکر بخند  
ایک تیر کو پستہ دین نے قند کا موندہ چڑھایا  
بن مشتاق ہوں خند کیلئے ایک شکر  
جائیکہ یار مالشکر خندہ دم زند  
ای پستہ کیلئے تو خدا را دگر مخند  
جس جگہ کہ ہمارا یار تبسم کرتا ہو  
یعنی جہان کہ ہمارا معشوق تبسم فرماتا ہو اور پستہ تو خدا کیلئے وہاں مست نہیں کیونکہ تیرا خندہ اور سکر  
تبسم کو سامنے محض بے حقیقت ہے۔

خواہی کہ برنجیزت از دیدہ رود خون  
دل ہوا سے صحبت رو و کسان بلند  
اگر تو چاہتا ہو کہ تیری آنکھوں کی زندگی جاری ہو  
تو دل انسان زادوں کی ہوا سے صحبت میں نہ رہی  
یعنی اگر تو چاہتا ہو کہ تجھ کو مصیبت میں خون کی آنسو نہ بہانا پڑے تو تو معشوق کا عشق کا ایک عشق الہی  
جو قابلیت وغیرہ سے پاک ہے۔

کہ طرہ مینمای و گہ طعنہ میزنی  
ما یستقیم معفت مرد خود پسند  
کبھی تو طرہ دکھاتا ہو اور کبھی طعنہ مارتا ہے  
ہم خود پسند شخص کے معفت نہ ہنیں ہیں  
طوبی ز قامت تو نیارو کہ دم زند  
زین قصہ بگذرم کہ سخن میشود بلند  
طوبی کی کیا طاقت کہ تیرے قد کی برابر کیا دیکھے  
اس قصہ پر در گذر کر تا ہوں کہ بات بڑی طاقی ہے  
نیارہ یعنی تو اندھے طوبی کی طاقت نہیں کہ تیرے قد کی ہم سہری کر سکے لہذا میں اس قصہ پر در گذر  
کر تا ہوں ورنہ بحث کو طول ہوا جاتا ہے۔

زائستہ حال میں آگاہ کے شود  
آزاد کہ دل نگشت گرفتار این کند  
میری پریشان حالی کب خبردار ہو سکتا ہو  
وہ شخص کہ جس کا دل اس کند میں گرفتار نہیں ہوا  
بازار شوق گرم شد آن شمع کجاست  
تاجان خود بر آتش رویش کتم پسند  
بازار شوق گرم ہوا وہ شمع کجاست  
تاکہ اپنی جان اور سکر آتش رخ پر پسند کروں  
سبب نہ کردن بمعنی نثار کروں۔ یعنی بازار شوق گرم ہو رہا ہے معشوق کمان ہو تاکہ او سکر چہرہ پر

بیا بمیکہ وضع و سرب خاہم بین اگر چہ چشم با واعظ از حقارت کرد  
شراب خانہ میں آمیر اقرب و مرتبہ دیکھو اگر چہ واعظ نے ہمارے طرف حقارت کی نظر کی ہے

میکہ سے مقام عشق یا عالم جبروت مراد ہے یعنی اس مخاطب عالم عشق یا عالم جبروت میں آ اور  
اوس جگہ ہمارا مرتبہ محبوب حقیقی کے نزدیک دیکھنا کہ ہم کو حقیقت معلوم ہو جائے اگر چہ عالم ناسوت میں  
ظاہر میں واعظ ہمو ذلیل و خوار سمجھتا اور ہم پر حقارت کی نظر میں ڈالتا ہے۔

نشان ہر محبت جان عاشق جوئی اگر چہ خانہ دل محنت تو غارت کرد  
محبت و وفا کا نشان عاشق کی جان پر ڈھونڈو اگر چہ تیری محنت نے خانہ دل کو برباد کر دیا ہے

یعنی امی محبوب کو تیری ہجر کی محنت اور مصیبت نے عاشق کا خانہ دل ویران کر ڈالا تاہم اگر ہجر ہی  
تو نہ وفا کا نشان پانا چاہتا ہو تو اوسکو جان سے ڈھونڈو۔

اگر امام جماعت تجو اندیش امروز خبر و مہید کہ حافظ می طہارت کرد  
اگر آج بھی جماعت کا امام بلائے تو اس سے کہہ دو کہ حافظ نے شراب سے وضو کیا

خلاصہ یہ کہ حافظ شراب سے صحت بھری ہوئی ہے اور تمنا یہ بھی ہے کہ وہ آج نماز نفل پکھ  
نہیں پڑھے گا۔

بستر جام جم آنکہ نظر تو نے کرد کہ خاک میکہ کل بھر تو نے کرد  
جام جم کر ہید پر اسوقت نظر کی جاسکتی ہے کہ جب میکہ کی خاک کو آنکھ سے ہٹا لیا جاوے

جم سے مراد اور جام سے سناغ عشق و محبت مراد ہو اور مطلب یہ کہ مرشد کر جام کا راز اسوقت  
دیکھا جاسکتا یا سمجھا جاتا ہے کہ جب میخانہ کی خاک جس سے مقام عشق متصور ہے بجائے

سر سے کے آنکھوں میں لگائی جاتی ورنہ ان آنکھوں سے وہ راز کبھی دکھائی نہ دیگا  
گدائی در میخانہ طرفہ اکبر نیست گرین علی بقی خاک زر تو نے کرد

میخانہ کوہ کی فقیر کی طرفہ اکبر ہے اگر تو اس پر عمل کرے تو ناکر سکتا ہے  
مباش بی می و مطرب یز حیرت خود کزین ترانہ غم ازول پد توانی کرد

خیلہ آسمان کو نیچر بلا شرب مطرب کوست رہ اسلئے کہ یہ ترانہ غم کو دل سے باہر نکال دے تاکہ  
میں سے عشق بے مطرب ہو مرشد باعتبار اسلئے کہ وہ مخالف اور معارف کو بیانات کر کے منہ بند کر دے

نان سے مخلوق کا تعلق ایسا زبردست ہے کہ تودہ سوہول سکون پہنچاؤ اور سہیل ہو چکی اجازت پاتے ہیں۔

بجای طعنہ اگر تیغ میسر زند دشمن

طعنہ کی بجائے اگر دشمن تلوار ہی مارے

ز دوست عشق تو جان راغیر و حافظا

حافظ تیرے عشق کو ہاتھ سے جان سلا نہیں لیا گیا

یعنی جب فرہاد عشق میں اپنی جان شیریں باوجود محنت کو بھی سلامت نہ لیگیا تو حافظ تیرے عشق کے

ہاتھ سے کیسے جان برہو سکیگا۔

باب روشن می عارفی طہارت کرد

اوس عارف نے شراب کے چمکدار پانی سے غسل کیا

آب روشن می معاذ افت بیا نیہ یعنی عشق و محبت ہے۔ اور میخانہ سو مراد عالم عشق یعنی جس

عارف نے کہ صبح کیوقت عالم عشق کی زیارت کر لی اوسنے گویا عشق اسی کے پانی سے وضو یا

غسل کیا اور جو کچھ ملوثات اوسکے دل میں تھیں وہ سب دھو ڈالی۔ بعض نے علی الصباح سے

روز ازل مراد لیا ہے یعنی طالبان حق اور عارفان کامل کو عشق آج سے نہیں ہوا بلکہ و زائل

میں ہی اونی کا قرعہ عشق بازی پر پڑا تھا جنہوں نے کہ چشمہ عشق سے طہارت کی۔

ہمیں کہ ساغر زین خورشیدان کروند

ہلال ابرو سانی بھی اشارت کرد

جیسے ہی کہ سورج کو زین ساع کو پوشیدہ کیا

یعنی جیسے ہی کہ سورج چہا مرشد کامل نے طالبوں کو می محبت پیکر مست ہونے اور بوجھ

کرنے کا اشارہ کیا۔

خوشا نماز و نیاز کسے کہ از سر و

کسی نماز و نیاز اچھی کہ درد سر کو جہ سے

ہما کی بادہ خون لعل حبیب جو عقل

بیا کہ سو کسی پر و کین تجارت کرد

لعل کبریا سحر شراب کی قیمت کیا ہو جو عقل سے

اگر اوس نے نفع اوٹھایا جنی تجارت کی

یعنی اول اگر تو ریاضت کو فائدہ سے آگاہ ہو جائے تو اپنا سرا سطر ح دیدے کہ جس طرح شمع  
بھٹی کیلئے اپنا سر کٹا دیتی ہے۔

ولی تو غالب معشوق و جام می خواہ : طمع بدار کہ کار دگر تو اسنے کرد

تو جب تک لب معشوق اور جام شراب کا خواہ : امیدت رکھ کہ دوسرا کام کر سکے گا

گرامین نصیحت شاہانہ نشنوی حافظ : بشاہراہ طس برقیقت گذر توانی کرد

اگر حافظ اس شاہانہ نصیحت کو سنے : تو طریققت کی شاہ راہ ہو گذر کر سکتا ہو

جنم اشعار اس غزل میں ہیں وہ سب شش معرفت کی ہدایت ہو کر ہو رہے ہیں لہذا مقطع میں حسب

قاعدہ اپنی طرف خطاب کے فرما رہے ہیں کہ اگر حافظ اگر تو یہ نہ کہو رہے نصیحتیں جمع ایک اعتبار سے شاہانہ طور

رکھتی ہیں خوب گوش دل سوئے گا تو طریققت کی شاہ راہ میں آسانی ہو پونج جائیگا۔

بیا کہ ترک فلک خوان روزہ غارت کرد : ہلال عید بدو قدح اشارت کرد

اگر ترک فلک روزہ کو خوان کو غارت کر دالا : عید کو چاند نے قدح شراب کو دو کھڑکھٹا اشارہ کیا

مرحانی اگر روزہ کو تمام ہوئے اور عید کے چاند نے قدح شراب کی اجازت دی علاوہ اس کے

پہلے مصرع میں ترک فلک کا خوان روزہ کو غارت کرنا اس اعتبار سے بھی کہ ترک لوگ اپنی

رسو کو موافق خوان بنما کو لوٹا کرنے میں بہت ہی پر معنی ہے۔ اصطلاح میں ترک فلک میرٹج

کہتے ہیں جس سے یہاں عشق مراد ہو۔ روزہ سے زہد و ورع ہلال سے جذبہ محبت منظور کرنا چاہو

یعنی عشق نے ہم سے پرہیز گاری کو لوٹ لیا اور جذبہ محبت نے قدح شراب معرفت ہنی کی طرف اشارہ

کیا پس اگر ساقی مرشد کامل آتا کہ می عشق پیکر خوبست ہوں اور نشہ و فان کو مزے لوٹیں۔

نواب روزہ ورج قبول آنکس برد : کہ خاک میکدہ عشق را زاریت کرد

روزہ اور ورج قبول شدہ کا نواب دوسرا چل ہوا : جسے میخانہ عشق کی خاک کی زبانت کر لی

مقام اصلی ما گوشہ خرابات است : خداش خیر دہا و انکہ این عمارت کرد

ہمارا اصلی مقام گوشہ خرابات ہے : خدا او سونیک اجر دے جو جنکو یہ عمارت بنائی

گوشہ خرابات سے وہی مقام عشق مراد ہے یعنی مرشد کامل کو خدا نیک چھٹے جسے یہ عمارت بنائی

سرسر شد و نکر دل میں بنائو عشق اتسی قائم کی۔

وجد و سرور میں لاتا ہے۔ پس مطلب یہ ہے کہ اسو مغالب تو دنیا میں بغیر عشق الہی اور رشد کامل کے نہ کسے کہ یہ دونوں دل کو دنیا کے غم سے پاک و صاف کر کے رجوع الی اللہ کر دیتی ہیں۔  
 بعزم مرحلہ عشق پیش نہ قدمے کہ سودا ہا بری ارا میں سفر تو اسے نہ کرد  
 مرحلہ عشق طے کر نیکر ارادہ سوت دم بڑا کیونکہ تو فائدہ اوٹھائے گا اگر اس سفر کو کر سکو گا  
 بیا کہ چارہ ذوق حضور و نظم امور فیض بخشی اہل نظر تو اسے نہ کرد  
 آکہ ذوق حضور اور انتظام امور کا علاج اہل نظر کی فیض بخشی سے کیا جاسکتا ہے  
 ذوق حضور یعنی ذوق حضور می محبوب حقیقی۔ اہل نظر سے عارفان کامل مراد ہیں۔ یعنی محبوب حقیقی کی حضور می کا شوق اور جلد امور کا انتظام عارفان کامل کے فیض صحبت یا کرم بخشی سے پورا ہو سکتا ہے۔

گل مراد تو انکہ نعت اب بکشاید کہ خدش چو نیم سحر تو اسے نہ کرد  
 نیری مراد کہ پہل اس وقت نقاب اوٹھاؤ (کسے) کہ اسکو خدمت نیم سحر کی طرح سکھ کرنا  
 تو کر سرائی طبیعت نیری بیرون کجا بوی حقیقت گذر تو اسے نہ کرد  
 تو کہ طبیعت کر سرائی سے باہر نہیں جاتا تو کو چہ حقیقت میں کس طرح پہنچ سائے گا  
 سرائی طبیعت یعنی خواہش نفس یا ہوا و ہوس۔ یعنی جب تو ہوا و ہوس کو مقام سے باہر نہیں نکلتا (ہوس دنیا نہیں چھوڑتا) تو حقیقت کو چہ میں تیرا گذر کیسے ہوگا۔

جمال یار مدار و نقاب و پردہ ولی غبار رہ نشان تا نظر تو اسے نہ کرد  
 یار کا جمال پردہ و نقاب نہیں رکھتا و لیکن راہ غبار کو صاف کرتا کہ نظر آسکے  
 غبار رہ کا کنا یہ تعلقات دنیا اور جسم افساتی یا مستی ظاہری سے ہے مطلب یہ کہ جمال یار پر پردہ مقنع کچھ نہیں ہے لیکن پہلے تو ظاہری ہستی اور قید جسمانی سے قطع تعلق کر دی ہوا ہو  
 شوق ہو دیکھ کر جب تک نیری نظر تو کر سامنے یہ پردہ رہے گا اس وقت تک جمال یار دکھائی نہ دے گا چنانچہ حافظ صاحب  
 دوسری جگہ فرماتے ہیں سے حجاب چہرہ جان میشود غبار تنم خوشامد ہو کہ ازین چہرہ پردہ بردارم +  
 دلاز نور ریاضت گراگے یا بی چو شمع خندہ زنان ترک سر توانی کرد  
 او دل اگر تو نور ریاضت ہو آگاہی پائے تو شمع کی طرح ہنستے ہو تو ترک سر کر سکتا ہو



قرۃ العین من آن میوه دل یادش بود کہ خود آسان بشد و کار مشکل کرد  
 میرا قرۃ العین جسکی یاد میری دل کا میوه ہو جو خود تو سبکبار ہو گیا اور میری کام کو مشکل کر گیا  
 سبکبار ہونا دنیا کے ہنگام سے چوٹنا جسم کے بار سے ہلکا ہو جانا میرا کام مشکل کر گیا یعنی میری  
 زندگی کو تلخ کر دیا۔ یاد کو دل کا میوه کہنہ سوچ یہ مراد ہے کہ اوسکی یاد دل کو اچھی معلوم ہوتی ہے  
 ساربان یار من افتاد خدا را مدد کر کہ امید کر محم ہمرہ این محمل کرد  
 اوستہر بان میرا جو جہ گر پڑا خدا کیلئے مدد کر کہ مجھے کرم کی امید دے اس محمل کو ہمراہ کیا ہو  
 شتر بان سے مرشد مراد ہے۔ جو جہ گر پڑنا منے مقلاتے تفکرات ہو جانا۔ خلاصہ یہ کہ اوستہر کمال  
 میں ہر کلام میں گرفتار ہوں خدا کیلئے میری مدد فرما اور مجھ کو ان غمون سے ہٹا کیونکہ میں نے  
 کرم کی امید پر تیرا دامن پکڑا ہے۔

روی خاکی و خم چشم مرا خوار مدار چرخ فیروزہ طرخانہ انون کہ گل کرد  
 میری خاک نیچ اور تیری آنکھ کو خوار و ذلیل نہ سمجھ بیلگون آسمان کی طرب خانہ کو اس سے گل کیا کیا ہو  
 مطلب یہ کہ میری وجہ کی مٹی اور آنکھوں کے پانی کو ذلیل نہ سمجھنا چاہئے اس واسطے کہ آسمان کا  
 طرخانہ جس سے عاف ملکوت مراد ہے اسی گارہ سے لسا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ عارف کی ذات  
 مدار علی تک کو زینت بخشی ہے۔

آہ و فرباد کہ از چشم حسود مس و مہر در لحد ماہ کمان ابرو من منزل کرد  
 آہ و فرباد کہ ماہ مہر کی حسد آنکھ سے میری چاند کمان ابرو کو گورین مقام کیا  
 نزدی شاہ رخ و فوت شد کمان چاقا چکنم بازی ایام مرا غافل کرد  
 اوستہر تو شاہ رخ نماز اور امان کا تار با کیا کروں کہ بازی ایام نے مجھے غافل کو دیا

شاہ رخ نے اپنے کا مطلب شاہ شریح کو کشت دینا اور رخ کے مارنے سے ہوتا ہر فارسی محاورہ  
 شاہ رخ سے کشت دینا کو کشت دینا کے لئے جو کچھ تجھے کرنا چاہئے نہادہ نہیں کیا مصروف تانی  
 اس جواب پر کہ بازی ایام نے مجھے غافل کر کے میری اصل فعل سے مجھے باز رکھا۔

نخست از وہان باز شام نمیدہر دولت خیر راز منم نمیدہر  
 نصیب بار کردہن کا نشان نہیں دیتا دولت طالع مجھ پر پوشیدہ راز نہیں بکھاتا

نماز و رخصت آن ابرو ان محرابے کسی کند کہ بخون جگر طہارت کرد  
 وہ شخص ابرو انکی ہمین نماز و اگر کرد جسے کہ خون جگر سے وضو کیا ہو  
 امام شہر کہ سجادہ یکشید بدوش بخون دختر زر جامہ افسارت کرد  
 شہر کا امام کہ جو سجدہ کند ہی پر تہہ پرتا تھا او سنو دختر زر کے خون سے خرقہ کو چڑک لیا  
 دختر زر شہر اب انگوری یعنی شہر کے امام صاحب جو بہانک متقی تھے کہ جانی نماز کند ہی پر تہہ پرتا تھا  
 اوہون نے شہر اب انگوری سے خرقہ زہر پر داغ لگائے خلاصہ یہ کہ عشق کرنے لگے  
 فغان کہ زکس جماش شیخ شہر امروز نظر بدرد کشان از سر حقارت کرد  
 فغان کہ شیخ شہر کی ڈہیٹہ آنکہ نے آج عاشقون پر حقارت سے نظر کی  
 حدیث عشق ز حافظ شونہ از غلط اگر چہ صنعت بسیار در عبارت کرد  
 عشق کی حکایت چافظ سے سنونہ و اغظ سو اگر چہ او سنو اسکی عبارت میں بڑی ستادی کیا  
 یسے عشق کی حکایت مافظ ہی انچی بیان کر سکتا ہے اگر چہ و اغظ از سین کتنا ہی شک ج ملانے  
 تب ہی نہیں بیان کر سکتا اسلی کہ وہ حالت خود او سپہنین گذری اور مافظ پر گذری ہے۔  
 بلبلی خون جگر خورد و گلی حاصل کرد باو غیرت بصدرش حال پریشان دل کرد  
 بلبلی نے خون جگر کما کر گل حاصل کیا تھا باو غیرت و سوطر سوا و سکا دل پریشان کیا  
 یہ غزل خواجہ صاحب نے اپنی فرزند کی انتقال میں لکھی ہے۔ یعنی میں نے خون جگر کما کر فرزند پائیاتا  
 افسوس کہ باری تعالیٰ میرا دل سوطر سے پریشان کیا۔ خلاصہ یہ لخت جگر کے صد مون میں میں  
 سیکڑون طور سے پریشان ہوں۔  
 طوطی ابھو امی شکرین دل خوش باد ناگش سیل فنا نقش اہل باطل کرد  
 طوطی کا دل شکرین ہوا سے خوش رہتا تھا ناگاہ سیل فنا نو اسکر نفس اہل باطل کر دیا  
 طوطی سے خود اذ رہو اسے شکرین بنے مافظ صاحب کا نور نظر مراد ہے۔ سیل فنا کا  
 اشارہ موت کی طرف سے میرا دل اپنے نور نظر کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوا کرتا تھا  
 لیکن موت سیل امبدون کے تمام نقوش کو کا لعدم کر دیا۔ اہل بھی زندگی نقش سیل  
 باطل کرتا یعنی زندگی کو خوب کر دینا۔

اگر از ہر دل زراہد خود بین بستند      دل قوی دار کہ از بہر خدا بکشایند  
اگر از ہر خود بین دل کیلید کر لیا ہے      تو دل مضبوط رکھ کہ خدا کیلید کو لدین گے  
در میخانہ بہشتیہ حب ایا پسند      کہ در خانہ تزویر وریا بکشایند  
ای خدا میخانہ کو در کو بند کرنا پسند نہ کر      کہ ریا و فریب کا دروازہ کھول لیا ہو  
یسنے اے اللہ تعالیٰ تو عالم عشق کے در کو بند کر لینا پسند نہ فرما اسلئے کہ اگر ہیچ بند رہا تو ظاہری  
عاید کر و فریب کر گھر کا دروازہ کھول لین گرا وراوسین مخلوق کس جانیگی۔  
گیسو چنگ سیرید ہر گ می ناب      ماہمہ معجگان زلف و دوا بکشایند  
چنگ گیسو می ناب کر ماتم بین کاٹ ڈالو      تاکہ تمام معجز زلف دونا کو کھول لین  
یعنی می ناب کر ماتم بین چنگ کا گیسو کاٹ دو تاکہ اور معجزہ ہی اپنی اپنی زلفین او سکوما تمیز کھولید  
مرگ می ناب باعتبار پنی کی ممانعت کر لائے ہیں۔

بصفا می دل زندان صبوحی زدگان      بس در بستہ بمقتاج دعا بکشایند  
صبوحی پنی والہ زندون کے دلکی صفائی کر      بہت سربستہ درد خانیگی کو کھلیا نی میں  
نامہ تعزیت دختر زر بنو سید      تاحر لیان ہمہ محون از فرما بکشایند  
دختر زر کو لئے نامہ تعزیت ملکو      تاکہ تمام حریف اپنی ہلکون سو خون ٹپکا دیں  
خلاصہ یہ کہ اے یاران طریقت شراب کر ماتم بین تعزیت نامی لکو تاکہ تمام عاشق اون کو بڑھیں  
اور روئیں۔

حافظ این خرقہ پوش شینہ بہ بنی فردا      کہ چہ زنا رز زرش بخفا بکشایند  
حافظ تو اس خرقہ پوش تین کو کل دیکر گا      کہ کیسے زنا راو سکریچر سوز و کا جلتے ہیں۔  
خرقہ شینہ سے لباس عریانی مراد ہے چونکہ خرقہ اسلام کی علامت ہے اور زنا کفر کی  
اسلئے یہ دونوں الفاظ ضد ہیں۔ مطلب یہ کہ اے حافظ تو فردا بے قیامت کو دیکر گا  
کہ کتنے مدعی اسلام جو ظاہر میں خرقہ عبادت پہنے ہوئے تھے لعل میں زنا چسپاں  
ہوئے تھے یعنی اس خرقہ کیچے زنا نکلا جو اسکا اصل سلک تھا اوپر خرقہ نیچے زنا رہا ہے  
ظاہری اسلام اور دلی کفر مراد ہے۔

از بہر بوسہ زبانش جان ہمید ہم  
 او سکر بوسہ لب کر لہر میں جان دیتا ہوں  
 ایتم نمی ستاند و آنم نمید ہد  
 (دگر وہ) نہ تیرے محسوس دیتا ہو اور نہ وہ تجھ کو دیتا ہو  
 میں چاہتا ہوں کہ او سکر بوسہ لب کی غیوض میں جان دیدون مگر بار ایسا مستغنی ہو کہ نہ جان  
 لیتا ہو اور نہ بوسہ دیتا ہے۔ غرض کہ وہ اس قسم کا تقابض البدن ہی نہیں کرتا۔  
 مردم را انتظار و درین پردہ را نیست  
 یا ہست پردہ دار نشا آنم نمید ہد  
 میں انتظار میں مگر کیا اور پردہ کی راہ پناہی  
 یا پردہ ہے مگر پردہ دار نشان نہیں بلاتا  
 پردہ کا کیا یہ معرفت کی طرف اور پردہ دار سے عارف کامل مراد ہے یعنی میں انتظار میں مردہ  
 ہو رہا ہوں پس یا تو معرفت الہی کے پردہ کی کوئی راہ نہیں یا مرشد کامل مجھے نہیں بتلاتا۔  
 شکر بے حد و عاقبت شکر  
 بد عہدی ز ما شدہ انم نمید ہد  
 آخر کار صبر و شکر ہی مدد کرتا ہے لیکن  
 زمانہ کی بد عہدی مجھے چین نہیں پہنچتی  
 خلاصہ یہ کہ صبر اور شکر سے کام تو چلے گا یعنی گوہر مقصود ہاتھ آئے گا لیکن تنہا نہ کی بد عہدی ہی چین لیتی ہے  
 ز نفس کشید باد صبا چرخ سفندہ میں  
 کا بنجا سجال باد و ذرا آنم نمید ہد  
 او سکی زلف باد صبا کو کہولی مگر چرخ سفندہ میں  
 ایسے جگہ جگہ باد کو برابر ہی وہ غل نہیں دیتا  
 یعنی اس چرخ سفندہ پر در گرد و زمین باد صبا کو اتنی قدرت ہی کہ وہ زلف محبوب کہول سبکی کی اتنی ہی مجال نہیں  
 چند آنکہ بر کنار چو پر کار میروم  
 دوران چو لفظ رہے بیامم نمید ہد  
 ہم کنارہ پر پر کار کی طرح پھر رہے ہیں  
 گردش زمانہ لفظ کی مانند دریا میں جگہ نہیں دیتی  
 گفتارم بخواب کہ ہمیں جمال یار  
 حافظ ز آہ و نالہ اما نم نمید ہد  
 میں تو گمانا سو جان ناکہ جمال یار دیکھوں  
 مگر حافظ اپنی آہ و نالہ سے مجھ کو چین نہیں لیتی دیتا  
 حافظ سے دل مراد ہو اور گفتار کی تفسیر کلم حافظ صاحب کی طرف پھرتی ہو یعنی میں نے بہتر اچا ہا کہ سو جاؤں  
 اور خواب میں جمال یار دیکھوں مگر دل کی آہ و زاری کہاں سونے دیتی ہے۔  
 بود آیا کہ در سیکر ہا بکشاہند  
 گرہ از کار فرو بستہ ما بکشاہند  
 شاید ایسا ہو کہ میخانہ کرد کو کہول دین  
 ہمارے کرہ کی ہو کر کام کی گرہ کو کہولین  
 یہ غزل حالت فضا میں لکھی گئی ہے اور ربط چاہتی ہے۔

اور نے شخص بلند مراد کیسے پاسکتا ہے۔

آہ ازین دل کہ بصد بند نمیکیرد پند

خبر برفت تو ندارد دل عاشق میل

اس لہر سوسن سو بند شو کی با و جو ہی نصیحت نہیں بکڑتا

سوا می تیری زلف کو عاشق کا دل کوئی خواہش نہیں کرتا

کہ مینا دہی قامتت از دہر گزرتند

شرع و روزت عا عاشق بیدل گوید

کہ تیرا سہی قد زانہ سہی کوئی نقصان نہ دیکے

رات دن عاشق بیدل مانا نگتا ہے

زانکہ دیوانہ ہمان بہ کہ باند در بند

بازستان دل زان گیسو مشکین حافظ

اس واسطے کہ دیوانہ وہی بہتر جو قید میں رہے

امی حافظ او س گیسو مشکین سوز دل و ایش کر

مطلب صاف تشریح طلب نہیں۔

ہمارا غرض خط و بخون ارغوان دارد

تمی دارم کہ گرد گل ز سنبل سلسلانی دارد

اوسکو عارض کی بہار خط خون ارغوان کا کرتی ہے

میں ایسا معشوق رکشا ہوں کہ گل گرد سنبل کا سلسلانی

یعنی میں ایسا معشوق رکشا ہوں کہ جو عارض کے گرد گل کی طرح زلف سنبل سے سائبان رکشا ہے اور عارض کی بہار اوسکو خط رنگین سے خون کی طرح ارغوانی ہے خط بخون کسوداشتن محاورہ فارسی اوسکی قتل کا سامان مہیا رکشا۔

حیات جاودانش وہ کہ حسن جاودان دارد

غبار خط نہوشا یند خورشید رخسار یارب

اوسکو ہمیشگی زندگی دی کہ وہ حسن جاودانی رکشا کر

یا اللہ خط کا غبار اوسکو خورشید زخونہ دہا نئے

خلاصہ یہ کہ یا اللہ خط کا غبار اوسکو چہرہ خورشید کونہ ڈکے اور اوسکو ہمیشہ کی زندگی عطا فرما کہ وہ لا اوائ حسن رکشا ہے۔

ندستم کہ این دریا چہ موج بکیران دارد

چو عاشق بیشدم گفتم کہ بردم گوہر مقصود

مگر یہ نہ جانتا تھا کہ یہ دریا بہت ہی بڑی موج رکشا کر

جبین عاشق ہوا تھا تو کہا تھا کہ میں گوہر مقصود ہا لوں گا

دریا سے دریائے عشق مراد ہے باقی مطلب صاف۔

کہ ہر گل اعتمادی نسبت گوشتن جوان دارد

چو درویش بخت و گل مشورہ شرابی بلبل

کہ ہر گل اعتبار نہیں ہو گو وہ پورا حسن رکشا ہے

چو گل تیرے شاہین ہو تو بلبل تو اوسکو دام مینہ پیش

خلاصہ یہ کہ امی عاشق اپنا گوشتا نہی معشوق پر زلفیہ نکلا واسطے کہ حین بڑا اعتبار ہے۔

بعد ازین دست من و دامن آن سرو بلند  
کہ بالا ای چمان ازین و چین سر کنند  
اسکے بعد میرا ہاتھ اور اس سرو بلند کا دامن ہوگا  
کہ جسکی خرام ناز و فیسری بیخ و بنیاد کو او کھینچ دیا  
بیخ و بنیاد کو او کھینچنا تباہ و برباد کر ڈالنا یا عنان صبر ہاتھ سے چھوڑ دینا واضح ہو کہ حافظ علیہ الرحمۃ  
شاہ مجنوں کی بڑی پر عاشق ہو گئے تھے۔ جب حالت ہجرین صبر و قرار نہ پا تو یہ غزل لکھ کر بطور غرض  
کے اوسکر پاس پہنچی تھی۔ یعنی ابکہ مجھے ضبط نہیں ہو سکتا پس تمہارا دامن ہوگا اور میرا ہاتھ کیونکہ تمہاری  
طرز خرام نے مجھے تباہ کر دیا ہے۔

حاجت مطرب می نیست تو برقع بکشای  
کہ برقص ورم آتش رویت چو سپند  
مطرب می کی حاجت نہیں ہے تو برقع کھول دے  
کہ بھکتو میری چہرہ کی تاب مثل سپند کے دھن بھولا سکتی ہو  
یعنی میری دست ہو کر ناچو کو دڑو کہ مطرب اور شراب کی ضرورت نہیں صرف تو بخ سے برقع ہٹا دو میں  
سپند کی طرح اوسکر تاب سو قص کرنے لگوں گا۔

بمع رومی نشود آئینہ چہرہ نخت  
مگر آن رومی کہ مالند بران سم سمند  
کوئی چہرہ نصیب کے موند کا آئینہ نہیں  
مگر وہ چہرہ جسپر سمند محبوب کا سم رگڑا جائے  
خلاصہ یہ کہ کوئی چہرہ ایسا روشن نہیں کہ جہین میری نصیب کا عکس نظر آئے البتہ اوس میں  
نظر آسکتا ہو کہ جو معشوق کے گھوڑے کرسم سرگڑ کر صاف کیا گیا ہو۔

گفت اسرار غمت ہرچہ کو بیامش  
صبر ازین پیش ندام چکنم تا کی و چند  
تیری غم کا حال بیان کرتا ہوں جو کچھ ہو کہ تو بجا کر  
میں کیا کروں کہ اس سے زیادہ طبع نہیں ہو سکتا  
نکش آن آہو مشکین مرا اسے صیاد  
شمر از ان چشم سید ارغندش بکمند  
اوس سیاح انگہ کی شمر کر اور اسکو کند سے نہ باندھ  
آہوے مشکین سے معشوق اور صیاد سے اجل مرا ہے باقی مطلب صاف کنایہ اسکا حالت  
مجاز کی طرف سمجھنا چاہئے۔

من خلکی کہ ازین درتوا غم بر جاست  
از کجا بوسہ نم بر لب آن قصر بلند  
میں خلکی کہ ازین درتوا غم بر جاست  
اوس قصر بلند کو گناہ پر کسے بوسہ دوں  
مطلب یہ کہ میں خلکی تیرا وجود در معشوق پر پڑا ہوں۔ اس بلند مرا دیا اعلیٰ مقصد کو نہیں پہنچ سکتا



قاعدہ ہے کہ سر کے درخت کو جو سیار کے کنارہ نصیب کیا کرتے ہیں پس مطلب یہ ہے کہ میری آنکھیں جو کثرتِ گریہ سے پانی کا چشمہ جاری رکھتی ہیں تو اپنے سر و قد کو اب و نکر قریب نصبِ خلاصہ یہ کہ میری آنکھوں سے دوزخ نہیں ہے۔

ز چشم جان نشاید بد که هر دو می بینم  
 ز رخ چشم سو جان مستانین نج سکنی گستاخون که بر آید  
 بیفتن آن جرم چو خاک حال اهل شکست مین  
 تنور می خاک بر آید اهل شکست که جان پر خورند

کین از گوشه کردست تیراند ز کمان دارد  
 از شمشیر گویات لگالی هوا و نیزه کوکمان مین رکنی هر  
 که از پیش و کنج هر هزاران داستان دارد  
 که جیش و کنج هر یک هزارون داستان مین

موسئور ہے کہ شراب میں جو کچھ تموثری، زمیں پر گر گیا ہوتا ہے، لہذا حفاظہ صاحب فرماتے ہیں کہ حسب دستور تموثری شراب میں اور غور کر کے بڑے بڑے اہل شوکت مثل کھنجر اور پیچھے کے دنیا پر نہ رہی مبروت اور غلیظ خیالی ہیں۔ اور انہوں نے کہتے تھے کیا بلکہ آپسے ایسے بادشاہوں کے ہزاروں تھے دنیا میں مشہور ہیں۔ خلاصہ یہ کہ دنیا سے ثبات ہے۔

چہ غم از کج خلق و گویم کہ ان نیات نہ شوب  
از نصیب کے کیا از خوشی کہ ان کا سر عیاں نہ شوب

ایسی ہی میری نصیب کی برائی ہو کہ مجھ کو باوجود شک ومان ہونیکے مجھے تلخی (استغناء) سے قتل کیا۔

بہ حسن خلق و وفا کس بیارنازند  
 ترا درین سخن انکار کارمانزسد  
 خلق و فاکوئی بن کوئی بہار یار کو نہیں ہو نچا  
 اس بات میں تیرا انکار ہمارے کامین کیا ملل انداز ہو سکنا  
 اگرچہ حسن فروشان بجلوہ آمدہ اند  
 کسے بحسن و لطافت بیارنازند  
 اگرچہ بن فروش بجلوہ و کملائے آئے ہیں  
 لیکن کوئی بہار کی حسن کی لطافت کو نہیں ہو نچا

یہ نخل حضور سرور کائنات کی شان میں ہے پہلے شعر کا یہ مطلب ہے کہ کوئی خلق و فایں آپ کو برابر نہیں ہوا پس اگر  
منکر ہو یا انکار ہو ہمارے اعتقاد میں کچھ خلیل واقع نہ ہوگا۔ دوسرے شعر میں حسن و شونسا اور انبیاء علیہ السلام مراد ہیں یعنی  
گنہگار، ستمگر، دانا، نازاں ہو، مگر آپ کو حسن و خلق کو کوئی بھی نہیں پہونچا۔

بقی صحبت دیرین کہ پہنچ محرم راز  
 پیارنی صحبت کے حق بھی کوئی محرم راز  
 ہمارے یار صحبت حق گذار کو نہ پہونچا  
 پیار صحبت حق گزار ارباب نہ

خدا را دامن بستان از شمع مجلس کہ می باد گیران رده است بلبل گران ارد

ای شمع مجلس خدا کے لئے اوس سے میرا فیصلہ کر کہ اوس کو دوسرے کو ساتھ لے کر آئی اور مجھ کو گران ہے  
ازد کی ضمیر محبوب کی طرف ہے جس سے شاید مقصود اور شمع مجلس سے مرشد کامل مراد ہے  
باقی مطلب تشریح طلب نہیں۔

چو دام طرہ افشان ز گرد خاطر عاشق بغماز صبا گوید کہ راز من نہان دارد

جو دام کا ہال خاطر عاشق کی گرد سے بھاٹے تو جھل خور صبا گو کہ میرا ہیڈ پوشیدہ رکھو  
یعنی اگر معشوق اپنی زلف کو ہال سے عاشق کی گرد کو بھاڑے تو ہوا سے کھدو کہ وہ دوسرے  
غبار کو اوڑھے نہ پہرے سے کہ میری عشق کا حال معلوم ہو جائیگا۔ گویا گرد کو اوڑھنا  
بھی ہوا کی جھل خوری ہو کہ وہ عاشق کا راز افشا کر دیتی ہے۔

ز خوف ہجر امین کن اگر امید آن دارد کہ از چشم بداندیشان بخت در امان دارد

بھوکہ کی اندیشہ سے بیکار کر دی اگر تو یہ امید رکھتا ہے کہ دشمنوں کی چشم بدسوخدا تجھے محفوظ رکھے  
چہ افتادہ است دلین کہ ہر سلطان معنی را درین درگاہ می بینم کہ سر آستان دارد  
اس آہن کیا افتاد ہو گیا شاہ معنوی کو بن دیکھنا ہوں کہ اس درگاہ کی آستان پر سر رکھتا ہے

سلطان معنی یعنی عارف کامل و عاشق صادق۔ درگاہ سے مراد درگاہ محبوب حقیقی ہے یعنی  
کیا بات ہے کہ درگاہ محبوب پر ہر عارف و عاشق بعد نیا ز سر تسلیم جبکا می ہو می رہتا ہے

بغیر اک الہی بندی خدا را زود صمیم کن کہ آفتماست تاخیر مطالب بیان دارد

جو محبوب اک سی باند تھا ہی تو خدا کو جلد شکار کر کہ تاخیر میں آتین میں جو طالب نقصان ہو چائی ہیں

فزاک تسبیہ کو کہتے ہیں جو گھوڑی کی زین میں ماری ہو شکار کے باند بننے کو لگا ہوتا  
ہے۔ خلاصہ مطلب یہ کہ اسے مرشد توفیے اگر بے ارادت کے فزاک میں باندھا

ہے۔ تو میرا شکار بھی عشق الہی میں جلد کر لے کیونکہ دیر میں آتین میں جو طالب نقصان ہو چائی ہیں

ز سر قد بلویت کن محروم چشم را بدین سر چشمہ اسٹیشن خوشتراب ان دارد

اپنے سر قد بلو سے میری آنکھ کو محروم کر اس سر چشمہ پر قائم کر کہ کیا اچھا آب دوان رکھتا ہے

بسوخت حافظ و ترسم کہ شرح قصہ او بسمع بادشہ کامگار مانرسد  
حافظ جل گیا اور مینا ڈرتا ہوں کہ بوسکا قصہ ہمارے شہ کامگار کے کان تک نہ پہنچے  
نہیں ایسا نہو کہ حافظ کے آتش عشق میں جل جائے کا حال معشوق کو معلوم ہو جائے کہ حافظ  
رے عشق میں جلا سوخت ہو گیا ہے۔

بیاک زایت منصور یاوشاہ رسید نوید فتح و بشارت بہر وہاب رسید  
آگشتہ کی نصرت کا پہنچا پہنچا فتح و بشارت کی خوشخبری چاہو سوچ کی پہنچ  
ہے مین کہ غزل تہیت میں لکھی ہے اور اپنی آپکو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ آ اور سیر تفریح کر کے  
تعمد بادشاہ کا جہنڈا فتح کر کے پہرا اور خوشخبری فتح و بشارت بہر وہاب تک پہنچی

جمال بخت ز روی ظفر نقاب انداخت کمال عدل بفریاد داوخواہ رسید  
جمال بخت نے ظفر کے سب نقاب اوٹھائی کمال انصاف داوخواہ کی فریاد کو پہنچا  
پہرہ و خوش کنون زند کہ ماہ آمد جہان بکام ذل کنون رسید  
اب پہرے دورا چہا کیا کہ چاند نکلا اب جہان دل کے مقصد کو پہنچی گا کہ شاہ اب پہنچا  
ز قاطعان طریق آن زبان شنودا مین قوافل و دانش کہ مرد راہ رسید  
راہ لوٹنے والوں سے او سوت بفلکوں کے قوافل و دانش کے قافلے کہ مرد راہ سپاہ پہنچا

قاطعان طریق سے شیطان بوفض آراہ اور مرد راہ سے راستہ کا محافظ مرشد مقصود ہی یعنی دل  
و دانش کے قافلے اب نہیں لوٹے جائیں گے اسلئے کہ مرشد وقت پہنچا مجازاً شعر کا اشارہ شاہ  
لی طرف کو ہو گا کہ جو اس غزل کا سر مضمون ہے۔

عزیز مصر بزم عم برادران غیور ز قعر چاہ برآمد باوج ماہ رسید  
شاہ مصر برادران غیور کے زعم کے خلاف قعر چاہ سے نکل کر چاند کی بلندی پر پہنچے  
عزیز مصر حضرت یوسف علیہ السلام کو کہتے ہیں یعنی آپ کے پیانیوں نے تو کنوئیں کے قعر میں ڈالا تھا  
مگر یوسف علیہ السلام اس پستی کے خلاف رتبہ میں چاند تک پہنچے یعنی مصر کے بادشاہ ہو گئے ایسی طرح  
ہمارا احمد و دشمنوں کے خلاف فتاح فتح ظفر حاصل کر کے پہرا حالانکہ وہ اسکا ظفر بایاب ہونا نہیں  
چاہتے تھے۔

صحبت دیرین اوس صحبت کیلئے آیا ہے کہ جو عالم اطلاق میں میسر تھی۔ یکجہت یا رحت گذر کا اشارہ  
سور انبار کی طرف ہی یعنی باوجودیکہ اور انبیاء مرسلین ہی عالم اطلاق میں ہم صحبت و محرم راڈ تھی  
مگر یہی وہ آپ کی رتبہ کو نہیں پہونچے

ہزار نفٹ پر بازار کائنات اترند  
ہزار ون نفٹ کائنات کو بازار میں لائے  
دریغ قافلہ عمر آچنان فرستند  
افسوس قافلہ عمر کو اس طرح چلے سے جاتے ہیں  
کیا بسکہ صاحب عیار مانرند  
لیکن کوئی ہی ہمارے صاحب کی طرح کہہ نہ اترے  
کہ گردشان ہوا کی دیار مانرند  
کہ اونگر گرد کی ہوا ہی ہمارے دیار تک نہیں پہونچے  
قافلہ عمر سے ایام عمر مراد ہیں یعنی افسوس ہے کہ عمر کو دن برابر گزرتے چلو جا رہے ہیں اور یہ کو معلوم ہی نہیں  
ہوتا کہ ہمارے عمر کو ایام یوں کم ہو رہے ہیں۔

ہزار نقش بر آئینہ کلک و صنم کیے  
صانع کو قلم و ہزار نقش نکلتے ہیں لیکن ایک ہی  
بدلیزیر نقش نگار مانرند  
ہمارے نقش کی دلپذیری کو نہیں پہونچتا  
اس میں پہلا مصرع دوسرے کو تابع ہے جبکہ منی و دو طرح ہو سکتی ہیں۔ اول تو یہ کہ ہمارے نقش نگار کی دلپذیری  
کوئی نقش نہیں پہونچتا یعنی جتنا ہمارا معشوق دلپذیر ہو اس کوئی نقش صانع کو قلم نہ پہونچتا۔ ثانیاً۔ اگر اس  
صورت میں نقش نگار محبوب کی صفت ہوگی جس سے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوئے گئے۔ دوم  
یہ کہ اگر نقش نگار کے معنی نقش بنایا اور اگر لیں تو یہ مطلب ہے کہ صانع کو قلم نے ہزار سالہ نقش بنائے ہوئے ہو  
کوئی دلپذیر نہ ہوا جیسا کہ منشی امیر احمد امیر مینائی لکھتے ہیں۔ یہ شبیہ نظر ہی کسلی کہ کوئی  
پوری نہیں اور ترقی + مٹاؤ کو صانع ازل نے ہزاروں نقش بنائے۔

ولا زطن حسودان مرغ و امین باسش  
ایلا حسودوں کو طعنوں پر بنیاد نہوا اور بیفکر رہ  
کہ بدخاطر امیدوار مانرند  
کہ ہمارے خاطر امیدوار میں بدی کو دخل نہیں  
چنان بزمی کہ اگر خاک رہ شوی کہن را  
اس طرح ہی کہ اگر خاک رہ ہی ہو جاوے  
نوی کسی کی خاطر کو ہماری رہ گزیر غبار ہو چو  
یعنی اسطوری زندگی کہ اگر رفتنی سیراہ کی خاک ہی ہو جائے تو کسی کی خاطر پر غبار اور گزرنے پہونچے  
خلاصہ یہ کہ اپنی زندگی میں کسی پر بار خاطر نہوا اور کس کو مرغ نہ ہو چکا۔

حالت ذوق میں اسرار الہی کے راز کو افشاں کر دے۔

شکستہ وار پند رگاہت آدم کہ طبیب . بمومیائی لطف تو ام نشانی داد

ٹوٹے ہوئے کی طرح تیری درگاہ میں آیا ہوں نظربینہ تیرے لطف کی مومیائی کا پتہ بتلایا ہے  
ٹوٹے ہوئے عضو کو مومیائی جوڑتی ہے اسلئے یہاں ٹوٹے ہوئے سے ٹوٹے ہوئے عضو کی مراد لینا چاہیے

شب کی خمیر خمبوب کی طوط اور طبیب کا استار ہر شد کی جانب ہی مطلب ظاہر۔

برو معالجہ خود کن ای نصیحت گوئی شراب و شہاد و ساقی کر از یانی داد

ای نصیحت گو جا اور اپنا علاج کر شراب معشوق اور ساقی نے کیسے نقصان پہنچایا

یعنی ای دعا عطا جاتو اپنا علاج انہیں تین سے طالب رکھو کہ شراب اور معشوق و ساقی ایسی چیزیں ہیں جنہوں نے کسی کو کبھی نقصان نہیں پہنچایا۔

شہر و دست و دلش شاد و باد و خاطر خوش کہ دست داد و دہش و ادنا توانی داد

تو اسکا صحیح و سالم دل اسکا شاد و خاطر اور اسکی خوشی کہ داد و دہش کے ہاتھ نے دادنا توانی کی دی  
گشت بر من مسکین و بار قیہاں ہفت در یخ عاشق مسکین من کہ جانی داد  
میرے عاشق مسکین پر افسوس لاؤ سب جان دید کہ

مہر ناتوان کے پاس ہو کر گذر اور قیہوں کو نہا۔  
خزینہ دل حافظ ز گوہر اسرار

دل حافظ کے خزانہ نے گوہر اسرار کا

چونکہ حافظ کا دل عشق محبوب حقیقی کی برکت سے گوہر اسرار کا خزانہ تھا اسلئے اسنے تمام جہان کو سربلایہ عشق و محبت سے بھر دیا۔

پیرانہ سرم عشق جوانی بسر افتاد وان راز کہ در دل بنہنقم بدر افتاد

پیرانہ مری میں ایک جوان کا عشق پیدا ہوا وہ راز کہ جو میں نے دل میں چھپایا تھا ظاہر ہو گیا

از راہ نظر مرغ دم گشت ہو گیر اسی دیدہ نظر کن کہ بدام کہ در افتاد

از راہ نظر میری دل کا مرغ ہو گیا اے آنکہ غور کر کہ کسکے جال میں پھنسا

خلاصہ یہ کہ میرا دل ایک نظر میں ماتہ سے جاتا رہا اور بے اختیار ہو گیا اے آنکہ تو نہیں دیکھتی کہ کس شخص کے جال میں پھنس گیا ہے۔

کیا است صوفی و جالِ چشم ملی شکل  
بگو بسوز کہ مہدی دین پناہ رسید  
دجالِ چشم اور ملحد شکل صوفی کہاں ہے  
کہو جلجائے کہ دین کی پناہ مہدی آپہونچا  
ملحد راہ حق سے پر نیوالے بیدین اور فاسق کو کہتے ہیں۔ صوفی سے مکار صوفی مراد ہے۔ مہدی  
دین پناہ مرشد۔ باقی مطلب صاف ہے۔

ز آتشِ دل سوزان و برقِ آہ رسید  
دل سوزان کی آگ اور آہ کی بجلی سے پہونچو گا  
صبا بگو کہ چہا برسِ درین غم عشق  
صبا بتاؤ کہ سیر و سر کیا کچھ اس غم عشق میں  
ز شوقِ روی تو جانان بریں سہ فراق  
ای جانان تیری چہرہ کے شوق میں اس فراق کو سیر  
یعنی جسطح آگ گہاس کے تنکے کو ایک لپٹ میں جلا دیتی ہے اسی طرح تیری فراق دید نے عاشق زار کو  
ایک لپٹ میں جلا کر خاکستر کر دیا۔

مرو بخواب کہ حافظِ مبارک گاہ قبول  
سم بخاک حافظِ بارگاہِ قبولیت میں  
ز درِ نیم شبِ درِ صبح گاہ رسید  
وظیفہ نیم شبی اور درِ صبح گاہ سے پہونچاؤ  
خلاصہ یہ کہ ای مخاطب تو غافل نہو شیارہ کیونکہ حافظِ وظیفہ نیم شبی اور درِ صبح کی وجہ سے  
بارگاہِ قبولیت میں پہونچا ہے اگر تو یہ کریگا تو یہی مقبول ہو جائیگا۔ ہندی مثل ہے سو یا سو کہو یا  
جاگا سو پایا۔

بنفشہ روشن بگل گفت و خوش نشانی دا  
کل بنفشہ نے گل سے کہا اوجا پاتہ بتلایا  
کہ تاب من بکھان طرہ فلانی داو  
کہ مجکو جہان میں تاب فلان کے طرہ نے دی تھی  
فلان کا اشارہ محبوب کی طرف بنفشہ سے عاشق اور گل سے مرشد مراد ہے یعنی کل عاشق نے مرشد  
کہا کہ مجکو جہان میں رلف محبوب نے پیچ و تاب میں ڈالا ہے خلاصہ یہ کہ اپنا اسیر بنا لیا ہے۔  
دل کہ مخزنِ اسرار بود دستِ قضا  
میرادل کہ خزانہ اسرار کا تہا دستِ قضا  
دشمنِ بہت و کلیدِ شنِ لسانی داو  
دروازہ اوسکا بند کر کے کنجی محبوب کو دیدی

دستان سے محبوب حقیقی مراد ہے۔ اور مطلب یہ کہ میرادل اسرار الہی کا خزانہ تھا چونکہ اسرار الہی ظاہر  
ہیں کی جاتے اس وجہ سے قضا و قدر نے اوسکا دروازہ بند کر کے کنجی محبوب کو دیدی تاکہ عاشق



گر جان بدہ سنگ سید لعل نکر دو باطینت اصلی چکن بد گہر افتاد  
 اگر جان ہی دید و تو سید پتر لعل نہیں ہوتا طینت اصلی کا کیا علاج کیا جاوے کہ بد گہر واقع ہووے  
 یعنی جس طرح جان کہو دینے سے ہی سنگ سید لعل نہیں ہوتا اس طرح بد طینت دہ گہر کی افتاد مزاح کا  
 علاج نہیں ہو سکتا۔  
 حافظ کہ سرف بہان و خوشنود بس طرفہ حریفی ست کش اکون لبس افتاد  
 حافظ کہ جو معشوق کی زلف کا عاشق تھا اب ایک طرفہ حریف او سکے پائے پڑا ہی  
 خلاصہ یہ کہ حافظ ہمیشہ معشوق کا عشق کیا کرتا تھا مگر اب جو معشوق او سکے پائے پڑا ہے وہ غضب کا  
 حریف ہے۔

برید باد صبا دوشم آگہی آورد کہ روز محنت و غم رو بکوہ تی آورد  
 باد صبا کا فاضل میری باغ کشتجری لایا کہ محنت و غم کے دن اب رو بکوی رکھتے ہیں  
 بمطربان صبحی و صبحی جامہ پاک بدین نوید کہ باد بھر گہی آورد  
 ہم اپنا جامہ پاک مطربان صبحی کو دیتی ہیں اس خوشجری پر کہ باد سحر نے سنائی ہے  
 یعنی کل مجھے مرشد نے یہ بات کہی کہ ای طالب خوش ہو جا کیونکہ محنت و فراق کے دن اب آخر  
 ہو چکے اور تجھ پر مشاہدہ جمال ہو نوالا ہے۔ لہذا میں اس خوشجری کی خوشی میں جو مرشد نے سنائی ہے  
 اپنے کپڑے تک مطربان صبحی کو اوتار دوں گا۔ اتنی خوشی کروں گا۔  
 نسیم زلف تو شد خضر اسم اند عشق نہ ہی رفیق کہ ختم بہم رہی آورد  
 تیری زلف کی نسیم عشق میں میری خضر رہی ہے میری نصیب ہے اچھا رفیق میری ہمراہی میں دیا  
 مطلب یہ کہ خود تیری ہی زلف کی نسیم راہ عشق میں میری خضر بن گئی ہے مجھے اپنی نصیب پر نیاز ہو کہ  
 جسکی مدد سے ایسا عجیب راستہ بتا نوالا خضر میرا رفیق رہتا ہے۔

بیابان کہ تو جو بہشت را رضوان درین جہان تیرا ہی دل ہی آورد  
 آ آ کہ تجھ جو بہشتی کو رضوان نے اس جہان میں بندہ کے دل کے لٹی بھیجا ہے  
 چونکہ معشوق کو جو بہشتی قرار دیا اور بہشت کا مالک رضوان ہے اسلئے یوں کہا گیا کہ تجکو رضوان نے  
 دنیا میں بندہ کے دل کی خاطر بھیجا ہے ورنہ رضوان سے خدا تعالیٰ مراد ہے جس سب چیزوں کا دنیا میں

درد اکہ از ان آہوی مشکین سید چشم  
چون نافہ بسی خون جگر در دم افتاد  
حیف کہ اوس آہوی مشکین سید چشم سے  
نافہ کی طرح بہت سی خون پیری جگر میں ہو گئی  
معتوق کی آنکھ کو سیاہی کی تعریف میں ہرن کی آنکھ سے تشبیہ دیا کرتے ہیں اسلئے آہوی مشکین  
اور سید چشم صفت کی صفت ہی نافہ ہی سیاہ ہوتا ہے اور چونکہ ہرن کی ناف سے نافہ ملتا ہے اسلئے  
آہوی کے لئے ناف کا لفظ لائے ہیں۔ مطلب کچھ ایسا پیچیدہ نہیں۔

بار غم از دھن بہر کس کہ نمودم  
عاجز شد و این قرعہ بنا تم ز سر افتاد  
جس کسی ہے کہ اوسکے بار غم کا حال عرض کیا  
عاجز ہوا اور اس قرعہ کو میری نام پر ڈالا  
از رگد ز خاک سر کوی شہا بود  
ہر نافہ کہ در دست نسیم سحر افتاد  
تمہاری کوچہ کی رہ گزری خاک تھا  
جو نافہ کہ نسیم سحر کے ماتھے آیا  
یعنی جو خوشبو کہ نسیم سحر کے ماتھے آئی تھی وہ تیرے کوچہ کی خاک کی تھی۔ خلاصہ یہ کہ محبوب کی رگد زری  
خاک ہی معطر ہوتی ہے۔

شرگان تو تا تیغ جہانگیر بر آورد  
بس ششہ دل زندہ کہ بر یکہ گرا افتاد  
جب تک تیری شرگان کی تیغ جہانگیر کھی ہے  
بہت سی زندہ دل ایک دوسری پر زری پڑی ہیں  
زندہ دل بمعنی عاشق صادق۔ یعنی جب سے تیری شرگان کی جہانگیر تلوار کھی ہے بہت سی عاشق کشتہ ہو چکے  
یکے بر دیگرے گری پڑے ہیں۔

این بادہ کہ پرورد کہ خمار خرابات  
از موی ہشتیش ز خود پیا بر افتاد  
یہ شراب کئے کبھی کہ میخانہ کامی فروش  
اوسکی ہشتی بو سے خود خود پیا ہو کر گر پڑا  
شراب سے عشق اور خمار خرابات سے مراد ہی یعنی یہ شراب محبت کئے بنایا ہے کہ جسکی ہشتی  
خوشبو سے مرشد خود ہستی ہو کر گر پڑا۔

بس تجربہ کو دیم درین دار مکافات  
بادر و کشان ہر کہ در اناد بر افتاد  
جئے بہت تجربہ کر لیا کہ اس دار مکافات میں  
جو کوئی درد کشوں سے اور بجا خراب خستہ ہوا  
دار مکافات دنیا۔ اور درد کشوں سے عشاق الہی مراد ہیں۔ یعنی جس کسی نے عاشقان الہی  
مرحمت کی دہ خستہ و برباد ہو گیا۔

مباحثی کہ دران حلقہ جنون میرفت و رانی مدرسہ وقیل و قال مسئلہ بود

وہ بحث کہ جو اوس جنون کے حلقہ میں ہوتے تھے علاوہ مدرسہ کے اور مسئلہ کی گفتگو کے تھی  
یعنی جو باتیں کہ محبوں جنون کے حلقہ میں کہی جاتی تھیں وہ ظاہری مباحثوں اور مدرسہ کی گفتگوؤں کے  
علاوہ تھیں خلاصہ یہ کہ وہاں حقیقت کے مسئلے بیان ہوتے تھے۔

دل از کرشمہ ساقی بشکر بود ولی زنا مساعت بخش اند کی گلہ بود

دل ساقی کے کرشمہ کا شکر گزار تھا لیکن اپنی نصیب کی ناسبار کی سوسکیت پر گلہ کرتا تھا  
قیاس کر دم از ان چشم جادو آنہ مست ہزار ساحر چون سامر شد رگلہ بود  
میں نے اندازہ کر لیا اوس چشم جادو ساں سامری جیسے ہزاروں ساحر روینوالے تھے۔

خلاصہ یہ کہ محبوب کی آنکھ ایسی مست اور جادو کنندہ تھی کہ سامری جیسے ہزاروں جادوگر اوس کی مقابلہ میں  
روئے دیتے تھے سامری ایک جادوگر کا نام ہے جو موسیقی علیہ السلام کے زمانہ میں تھا اور فرعون  
کی طرف سے آپ کے معجزوں کے مقابلہ میں سو کیا کرتا تھا۔

پگھلے شبنم بوسہ حوالہ کن بخندہ گفت کیت با من این معال بود

میں نے اوس کو کہا کہ میری لک اپنا بوسہ حوالہ کر  
معاملہ معنی لین دین آتا ہے یعنی جب میں نے اوس سے بوسہ طلب کیا تو جواب میں ہنسر کہا کہ میرا تیرا کوئی  
لین دین نہیں ہے تو کیسا بوسہ مانگتا ہے

ز آخر تم نظر سعد در رہ است کہ دگر میان ما رخ یار من مقابلہ بود

میرے آخر کی لک نظر سعد تھی کہ کل چاند اور میرے یار کے چہرہ کو در میان مقابلہ ہوا  
جب در میان چاند اور اس ستارہ کے جو سعد ہو مقابلہ ہو جاتا ہے تو اس کو نظر سعد بولتے ہیں لہذا  
فرماتے ہیں کہ میرے آخر کی نظر سعد تھی اسلئے کہ چاند سے اور چہرہ یار سے کل مقابلہ ہو گیا تھا۔

وہاں یار کہ در مان در محافظ و اشت فغان کہ وقت مروت حد تنگ حوصلہ بود

وہاں یار کہ جو حافظ کے درد کا علاج رکھتا تھا افسوس ہے کہ مروت کو وقت کی بھی تنگ حوصلہ نکلا  
وہاں کے واسطے تنگ حوصلہ کا لفظ پر مبنی ہے یعنی افسوس کہ یار کا دہن مروت میں بھی تنگ حوصلہ  
نکلا جبکہ اوس کی پاس حافظ کے درد کا علاج تھا تو اس نے عاشق کی دلجوئی نہ کر دی۔

پیدا کر نیوالا اور بھیجنے والا ہے خلاصہ یہ کہ اسے جو رنٹر ادھانے تجوہ نیامین میری دل لگی کیوا <sup>سط</sup>  
پیدا کیا ہے۔

بخیر خاطر ماکوش کین کلاہ مند بسی شکست کہ برافس شہی آورد  
ہماری خاطر کے ساتھ نیکی کی کوشش کر کیہ منہ کی فنی بہت پھٹ گئی ہے کہ جو تاج شہی بھی جاتی تھی  
چہ ناہا کہ رسید از دلم بخر کہ ماہ چو یاد عارض ان ماہ خرگہی آورد  
کیا کچھ نالے میری دل سے چاند کی خرگاہ تک پہنچ کر جب اس ماہ پردہ نشین کے عارض کی یاد آئی  
خرگہ بمعنی ڈیرہ خیمہ خرگہ ماہ مسکن چاند۔ ان ماہ خرگہی کے معنی اس محبوب پر وہ نشین لگی گئی ہیں  
باقی مطلب صاف ہے۔

رساند رایت منصور بر فلک حافظ چو التاج جناب شہنشی آورد  
حافظ فتح و نصرت کے جہنڈے کو فلک پر پہنچاؤ جو شہنشاہ کی جناب میں التاج کرے  
یعنی عاشق اگر خدا کے حضور میں التاج کرے تو اپنی مقبولیت کے جہنڈے کو بام فلک تک اونچا  
کرالے۔

بکوی میکدہ یارب سحر چہ مشغلہ بود کہ جوش شاد و ساقی و شمع مشعلہ بود  
یارب میخانہ کی گلی میں صبح کیا مشغلہ تھا کہ شاد اور ساقی شمع و چراغ کا جوش شاد  
کوئی میکدہ سے گوشہ دل سحر سے ابتداء میری یا شاہدہ کی دریافت کا اول روز مراد ہے شاہد  
ساقی کا کتنا یفتش امید کی جانب ہی کہ جسکو بتدی ذکر کے وقت پیش نظر کہتا ہے شمع و مشعلہ سے انوار  
الہی عبارت میں یعنی میری مدین ابتدا و مشاہدت کو کسی ذکر و اشغال پہ نقش نمید دل میں جوش زن تھا اور  
انوار الہی کے نزول کا فیض حالت سرور میں پہنچاتا تھا۔

حدیث عشق کہ از حرف و صوت مستغنی بنالہ دف و نی و درخوش و دلولہ بود  
عشق کی حکایت جو آواز اور حرف و مستغنی ہے دف و نی کے نالہ سے شور و غوغا میں ہے  
حرف و صوت سے مستغنی ہونا بمعنی تحریر و تقریر سے باہر ہونا۔ دف کا کتنا یہ بیدل عاشق کی فکر  
اور سنہ کا اشارہ ذکر الہی کی جانب ہی یعنی گوشت کی حکایت تحریر و تقریر سے باہر ہی میکدہ بیدل  
عاشق اور ذکر الہی کے جوش و خوش ہے شور و غوغا میں تھی۔

با باده زیر خرقہ نہ امروز می کشیم  
صد بار پیر میکہ این باجر شنید  
ہم نے جبہ کے نیچے شراب آج ہی نہیں چھپائی ہو  
بلکہ پیر میکہ نے سو بار اس ماجری کو سنایا ہے  
یارب کجا سب محرم رازی کہ یکن زبان  
دل شرح آن وہ کہ چہ دید و چہ شنید  
یارب محرم راز کہ بان ہے کہ تہوڑی دیر  
جو دیکھا اور جو کچھ سنایا دل اوسکو بیان کر دی  
یعنی میرا محرم راز عاشق کہان ہے کہ جس سے دل کچھ وہ باتیں بیان کرے جو عشق محبوب میں

سنی یاد کی ہو میں  
مامی بیا ناک جنگ امروز می کشیم  
بے جنگ کی آواز پر شراب آج ہی نہیں پی  
بس دیر شد کہ گنبد چرخ این صد شنید  
بے جنگ کی آواز پر شراب آج ہی نہیں پی  
آنکس کہ گفت قصہ ما ہم زما شنید  
اوس سے کہنے کہا ہمارا قصہ ہم ہی ہی سنایا ہے  
خلاہ یہ کہ جو شخص ہمارے باتیں کہتا ہے یعنی عشق کی باتیں معرض بیان میں لاتا ہے یہ اوس کا ہم ہی  
تو سنی ہیں۔

پندر حکیم عین جنواب محض خیر  
فرخندہ بخت آنکہ نسیم رضا شنید  
حکیم کی نصیحت عین جنواب اور محض نیک ہے  
وہ شخص فرخندہ بخت ہے کہ جو رضا کے کانوں سے سنی  
پندر حکیم ہے، مرشد کی نصیحت مراد ہی یعنی جسے مرشد کی نصیحت رضا کے کانوں سے سنی اور اوس پر عمل کیا وہ  
بڑا مبارک نصیب ہے۔

حافظ و وظیفہ تو دعا گفتن بہت بس  
در بند آن مباحث کشنید یا شنید  
حافظ اور وظیفہ دعا کر نیکا ہی اور بس  
اس فکر میں نہ پڑ کہ کسی نے سنایا سنا  
یعنی ای حافظ و تیرا کام معشوق کو دعا کر نیکا ہے تجھے اس فکر سے کیا غرض کہ وہ اوسکو سنایا ہی نہیں  
بندہ کو بندگی سے کام ہی اس سے بحث نہیں کہ خالق اوستے قبول نہ کر گیا یا کر گیا۔  
بر سر آئیم کہ گرز دست بر آید  
دست بجاری زخم کہ غصہ سراید  
اس فکر میں ہوں کہ اگر ہاتھ آوے  
تو اوس کام کو ہاتھ لگاؤں کہ جس سے غصہ دور ہو  
غصہ یعنی رنج پہن ہمارا ارادہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو وہ کام کروں جسکو رنج و غصہ سے نجات پائوں

بوی خوش تو ہر کہ ز باد صبا شنید از یار آشنا سخن آشنائید  
 جس کسی نے کہ تری بوی خوش باد صبا سو گلی یار دوستوں سے بات دوست کی سنی  
 باد صبا سے مرشد اور یار و آشنا سے پی مرشد ہی مراد ہے۔ کہ شنائے مقصود عشوق باقی  
 مطلب صاف۔

اینش سزا بنو دل حق گذارن کز غمگسار خود سخن ناسزا شنید  
 اے میری حق گذار دل یہ اوسکی سزا نہیں کہ غمگسار اپنے سے نالائقی باتیں سنیں  
 اسی شاہ حسن چشم بحال لدا فکن کین گوش بس حکایت شاہ و گدا شنید  
 اے بادشاہ حسن فقیر کے حال پر نظر ڈال کہ ان کا نون سے بہت سی باتیں شاہ و گدا کی سنی  
 یعنی اسے حسن کے بادشاہ مجید فقیر کے حال پر توجہ کر اور رحم فرما اس واسطے کہ میں نے بہت سی روایتیں  
 بادشاہوں اور فقروں کی سنی ہیں کہ بادشاہوں نے فقروں پر رحم فرمایا ہے۔

خوش میکنم بیادہ مشکین شام جان کز دلوق پوش صنوعہ بوی ریاض شنید  
 میں بادہ مشکین سے شام جا کو خوش کرتا رہتا ہوں کہ صنوعہ کو دلوق پوش سے مکر کی بوسلوم ہوئی  
 صنوعہ کے دلوق پوش سے ظاہری ریاض کار صوفی مراد ہے یعنی مجھے صوفی کی ریاض کاری معلوم ہوئی ہے اسلئے  
 میں شراب پیتا ہوں اور شام جان کو خوش کرتا ہوں ایسی عبادت ریاضی سے شراب بہتر ہے۔  
 سر خدا کہ عارف سالک نکست در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید  
 خدا کے راز کہ عارف و سالک کو کسی سے نہ کہے میں حیران ہوں کہ بادہ فروش نے کہاں سے لیا

عارف سالک سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بادہ فروش سے مرشد کامل مراد ہیں۔ لکھا کہ  
 معراج کو جب محبوب خدا خلوت سرا و خاص میں پہنچے تو حق تعالیٰ نے نوے ہزار باتیں بتلائی  
 جنہیں سے تیس ہزار کے واسطے فرمایا کہ اے محمد انکو خاص عام سب سے کہہ دینا۔ اور تیس ہزار کے لئے  
 حکم دیا کہ انکو امت کے اہل لوگوں سے کہنا اور نا اہلوں سے مخفی رکھنا۔ اور تیس ہزار کے لئے قطعی  
 ممانعت کر دی کہ انکو کسی سے نہ کہنا کیونکہ یہ ہمارے سر کے خاص اسرار ہیں لہذا حافظ صاحب  
 کہتے ہیں کہ میں حیران ہوں مرشد کامل نے وہ خاص خدا کے راز کہاں سے معلوم کر لئے جو  
 رسول خدا نے کسی کو نہ بتلائے تھے۔



خواہم شدن بیکدہ گریان و آوازه	گردست غم خلاص دل آنجا مگر شود
مین بنجان بنین گریان او بد او خواه ہون گا	کہ او بس جگہ دل کو بونگے ماتہ سے خلاص ہو جاتی ہے
این سرکشی کہ در سر سر زبانت	کی بات و دست کوتہ مادر مگر شود
یہ سرکشی جو تیر و قامت بلند کے خیال میں	ہمارا کوتاہ ماتہ تیری کرین کہ بڑھتا ہے
این قصہ سادگنت کہ تو آتش راہ نظر	سر پائیر آستانہ او خاک در شود
یہ قصہ سادگنت کہ تیر کا تو ماتہ منظر ہے	بہت سے سراو کے آستانہ در کی خاک ہو تین
از ہر کثرت تیر دعا کردہ ام روان	باشد کرین میانہ یکی کار گر شود
میں نے ہر طرف سے دعا کی تیر زوانہ کو میں	شاید کہ کوئی اونین سے کار گر ہو جائے
از کیمیائی مہر تو ز گشت روحی من	آری ہمین ہمت تو خاک زہر شود
تیری کیمیائی محبت سے میرا مونہ زہر ہو گیا ہر	مان ان تیری ہمت کی برکت فال کو گزند بناتی ہر
تیری کیمیائی محبت سے میرا مونہ زہر ہو گیا ہے یعنی جب سے میں نے تیرا عشق کیا ہے او سوقت سے میرا اعتبار	
انگے کے مونہ مثل سونے کے ہے اور یہ ٹھیک یہی ہے اسلئے کہ تیری ہمت کی برکت سے خاک ہونا	

ہو جاتی ہے۔

ایدل حدیث ما بردلدار عرضہ کن	لیکن چنان مکن کہ صبار اخیر شود
اؤ دل ہمارا حال دلدار سے عرض کرنا	لیکن اس طور پر کہنا کہ صبار کو ختم ہو نہ

خلاصہ یہ کہ اس طور پر ہمارا حال محبوب پر روشن ہو جائے کہ کسی دوسرے کو اسکی غیرت و درت اٹھائے عشق کا لطف جاتا رہے گا۔

روزی اگر غمی رسد تنگ دل مباح	روشن کرین مباح کہ از بدتر شود
کسی دن اگر تجھے غم پہنچے تو آزرده ہو	جاشکر کر کہین ایسا ہو کہ بدی ہی بدتر ہو جا
یعنی اگر تجھے کسی روز غم و فکر سے سابقہ پڑے تو آزرده مت ہو اور شکر کر کہین ایسا ہو کہ تو ناشکری کی	
علت میں بڑی سے ہی زیادہ بڑا ہو جائے۔	یعنی شکر نہ شکر کا دینا شکم
ایدل صبور باش مخور غم کہ عاقبت	از شام صبح گرد و از شب صبح شود
ایدل غم نہ کہا اور صبر کر کہ آخر کار	شام سے صبح اور صبح سے شام ہو کرتی ہر

وہ کام عشق ہے اور رنج و مصیبت سے حوادث دنیا مراد ہیں۔

منظر دل نیست جای صحبت اغیار دیو چو پروں رو و فرشتہ در آید

دل کا منظر صحبت اغیار کی جگہ نہیں ہے دیو باہر نکلے تو فرشتہ اندر آوے

صحبت اغیار بمعنی اندیشہ ماسوا اللہ۔ دیو کنایہ شیطان یا نفس امارہ کی طرف اور فرشتہ کا اشارہ صفات حسنہ کی جانب ہے یعنی منظر دل سوا اللہ کے اور کسی کی فکر کہنی کی جا نہیں ہے اگرچہ میں نے شیطان نکلے تو رحمن اندر کہے۔

صحبت حکام ظلمت شب یلدا نوز خورشید خواہ بوکہ بر آید

اہل دنیا کی صحبت اندھیری رات کی ظلمت ہے خورشید سورہ شنی مانگ شاید کہ امید بر آید

حکام سے اہل دنیا خورشید سے مرشد کامل مراد ہے نور سے نور عرفان مقصود ہے یعنی اگر تو قلبی نور حاصل کرنا چاہتا ہے تو مرشد سے مانگ شاید کہ تیری مراد بر آوے۔ ورنہ اہل دنیا کی صحبت تو اندھیری رات زیادہ تاریک ہے۔

بر درارباب بی مروت دنیا چند نشینی کہ خواجہ کی بدر آید

بے مروت اہل دنیا کے دروازہ پر کب تک بیٹھے گا کہ صاحب کب نکلیں گے

یعنی ارباب دنیا کے دروازہ پر جو سخت بی مروت ہیں تو کب تک اس میدان میں بیٹھا رہے گا کہ کب صاحب خانہ نکلیں گے تاکہ میں اونسے کچھ طلب کروں۔ خلاصہ یہ کہ اہل دنیا سے کچھ طلب نہ کرے بے مروت ہیں نہ کچھ تجھے دیکھتے ہیں اور نہ کچھ انکی پاس ہی ہے لہذا تو اہل دنیا کو چھوڑ پھاڑ اللہ والوں سے ملو اور ان ہی سے مانگ وہ تجکو سب کچھ دیکھتے ہیں۔

بگذر ازین روزگار تلخ تر از زہر بار و گر روزگار چون شکر آید

اس زمانہ سے جو زہر ہے۔ بے ہی زیادہ کڑوا ہے۔ کیونکہ دوسرا زمانہ شکر کی طرح میٹھا آئے ہے

یعنی یہ زمانہ دنیا جو باعتبار حوادث و ہلیات کے زہر سے ہی زیادہ تلخ ہے اس سے جلد گزر جا۔

دوسرا زمانہ جس سے عالم موت مراد ہے بے غل و غش۔ یعنی شکر کی طرح میٹھا آئے والا ہے۔ اور ممکن ہے

کہ تلخ روزگار سے ابتداء عشق اور مٹنے زمانہ سے انتہاء عشق الہی مراد ہو اور اسکو بوجہ ناکامی تلخ

اور اسکو بوجہ کامیابی شیرین قرار دیا گیا ہو۔

صالح و طالح متاع خویش نمودند تا کہ قبول افتد و چہ در نظر آید

نیک بخت و بد بخت نے اپنا اپنا مال کھلایا تا کہ جو نظر پر چڑھ جائے قبول ہو

یعنی زہاد اور عاشق دونوں نے اپنی اپنی پوہی منظور ہو جائیگا تو پیش کین میں اب جو ہی پسند آجائے وہ ہی مقبول ہے۔

بلبل عاشق تو عمر خواہ کہ آخر باغ شود سبز و سرخ گل بدر آید

ای عاشق بلبل تو عمر تو مانگ کہ آخر الامر باغ سبز ہو جائی اور او سین سرخ ہوا آوین

خلاصہ کہ سالک کو عمر درازی طلب کر کے معرفت میں کوشش کرنی چاہئے قاعدہ ہے کہ سرخ سرخ ہوا سبز باغ میں آئے ہیں اس طرح عمر کے سبز باغ میں معرفت کے پھول لگنے ممکن ہیں جسے مشاہدہ محبوب حقیقی مراد ہے۔

ضمیر و ظفر ہر دو دوستان قدیم اند پیر اثر صبر نوبت ظفر آید

صبر و ظفر دونوں قدیم دوست ہیں مگر صبر کے اثر سے ظفر کی بازی آتی ہے

اَلصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَتْحِ کے مصداق پر یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ مگر پہلے صبر کرنا چاہئے تاکہ نتیجہ میں ظفر حاصل ہو۔

عفلت حافظ درین سراچہ عجیب ہر کجا میخانہ رفت بے خبر آید

اس سراچہ میں حافظ کی عفلت عجیب نہیں ہے جو کوئی میخانہ میں جاسے بے خبر ہو جاتا ہے

سراچہ اور میخانہ یہ دونوں لفظ اس شعر میں دنیا کے لئے آئے ہیں یعنی اگر حافظ دنیا میں اگر نہ بچر ہو گیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں اسلئے کہ جو کوئی شراب خانہ میں جائے گا وہ بے خبر دست ہوگا۔

پیش ازینیت پیش ازین عجمی عشاق بود مہر ورزی تو باماشہرہ آفاق بود

اس سے پہلے تجھے عاشقوں کی عجمی زیادہ تھی ہمارے ساتھ تیری محبت ورزی مشہور عالم رہی

مشتوق سے یا مرشد کامل ہے خطاب ہے۔ باقی مطلب صاف تشریح طلب نہیں۔

یاد باد این صحبت شبہا کہ بازلف تمام بحث سر عشق و ذکر حلقہ عشاق بود

وہ صحبت یاد ہوگی کہ انوکھ تیری زلف سے اور مجھے سر عشق کی بحث اور حلقہ عشاق کا ذکر رہتا تھا

حسن مہر و یان مجلس گر حیل میر و وزیر عشق ما بر لطف و طبع و خوبی اخلاق بود

اگرچہ مجلس کے خوب رویوں کا حسن میر و وزیر میں یکساں نام ملکہ لطف طبع اور خوبی اخلاق کا عشق تھا

خلاصہ یہ کہ جب زمانہ ایکساں نہیں رہتا یعنی کہی صبح ہوتی ہے کہی شام تو ہمیشہ غم ہی نہیں  
رہے گا شام سے اگر غم مراد لین تو وہ بھی مدام نہیں رہتی اور صبح سے اگر خوشی تصور کریں تو  
اوسکو بھی ہمیشگی نہیں۔

در تنگنای حیرت قمیخت رقیب یارب مباد آنکہ گدا معتبر شود  
مین رقیب کی نخوت سے حیرت کو غار میں ہو یارب کہیں ایسا ہو کہ وہ معتبر ہو جائے  
یعنی رقیب سعد و متکبر و معجب ہو کہ مجھے حیرت آتی ہے یا خدا فقیر کو اعتبار کا موقع یہ نہ ہونے دیکو  
کیونکہ جب آدمی کو اوسکی حیثیت پر کچھ زیادہ رتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو وہ ہوش میں نہیں رہتا۔ اوسکی  
مثالی فقیر کی سی ہو کہ اگر فقیر کو بہت سا نقد مل جائے تو وہ پر فقیر نہیں رہے گا بلکہ امیر ہو جائیگا یہ صفت  
ہیک منگ گدا کی ہے مجھے محاورہ کی مطابق گدا کا ترجمہ فقیر کیا ہے ورنہ فقیر اور ہوتا ہے اور گدا اگر اور۔

بس نکتہ غیر حسن بیاید کہ تا کسی مقبول طبع مردم صاحب نظر شود  
بس یہ باریکی ہو کہ بغیر حسن کے کوئی چاہے کہ کسی صاحب نظر کی مقبول طبع ہو جائے (تو نہیں سکتا)  
مہر تو در در و غم و عشق تو در سرم با شیر در در و نشد و با جان بدود  
میر دل میں تیری محبت ہو اور میر سر میں تیرا سود دودہ کی ساتھ اندر گیا ہے اور جان کی ساتھ باہر گیا  
حافظ سر از کد بدر آرد پیامی بوس گر خاک او پیامی شہابی پتیر شود  
حافظ پا بوسی کے لئے قبر سے سر نکالے اگر اوسکی خاک تمہاری پای بوس اور مددگار ہو جائے

خلاصہ یہ کہ اگر حافظ کو مرنے کے بعد ہی تمہاری قدیم بوسی نصیب ہو تو وہ قبر میں سے سر نکالے اور اپنی  
خاک کو تمہاری قدیم بوسی کے نیچے پا مال ہونے کے لئے ڈال دے۔

تحت بنای طیبیان نیاز مند مباد وجود نازکت آزرده گزند مباد  
تن تیرا طیبیوں کے ناز کا نیاز مند نہ ہو جو تیرا وجود نازک نقصان سے آزرده نہ ہو جو  
خلاصہ یہ کہ ای محبوب خدا اگر نہ تو کہی بیمار ہو اور نہ تیرے وجود کو کسی قسم کا نقصان پہنچے۔

واضح ہو کہ یہ تمام غزل دہائیہ ہے۔ سلامت ہمہ اتفاق و سلامت  
سلامتی تمام جہان کی تیری سلامتی سے ہے  
پیش عارضہ شخص تو در و مند مباد کسی عارضہ سے تیرا جسم در و مند نہ ہو جو

یعنی حافظ کے اشعار جو معرفت کی دولت سے پر ہیں آدم علیہ السلام کے زمانہ میں باغ بہشت کے پہلوں یعنی گل نسرين و نسترین کے پتوں پر لکھے ہوئے تھے۔ خلاصہ یہ کہ ہمارے جد امجد آدم علیہ السلام ہی معرفت الہی سے خوب واقف تھے کیونکہ اسرار معرفت نسرین کے پھول کی پنکھڑیوں پر جا بجا اونکو لکھے ہوئے ملتے تھے۔

تاز میخانہ و فی نام و نشان خواہد بود      سرما خاک ہر پیر میخانہ خواہد بود  
جب تک میخانہ اور می کا نام و نشان رہیگا      ہمارا سربراہ پیر میخانہ کی خاک بنارہے گا  
میخانہ سے مقام عشق اور می سے محبت مراد ہے پیر میخانہ مرشد یعنی جب تک دنیا میں عشق و محبت قائم ہیں اور انکا نام و نشان ہے اسوقت تک ہمارا سربراہ پیر میخانہ کی خاک بنارہے گا۔  
حلقہ پیر میخانہ ز ازل در گوش است      ماہ سیم کہ بودیم بہان خواہد بود  
ازل سے حلقہ پیر میخانہ میری کان میں ہے      ہم وضہا میں جوہی اور وہ ہی ہوا حائیں سے  
حلقہ بگوشت ہونا غلام نہوتا یعنی ہم ازل سے پیر میخانہ کے حلقہ بگوشت میں۔ اور ہمارا اعتقاد اسپر ہے کہ جسکی ہم اہل ہیں اول سوا حسین شامل ہے اور آخر حسین ہی پیر ملجائیں گے۔ خلاصہ یہ نہ کوئی ظن واقع ہوا ہے اور نہ واقع ہوگا۔

بر سر تربت ما چون گذری تہمت خواہ      کہ زیارتگہ زندان جہان خواہد بود  
جب تو ہماری مزار پر ہو کر گزرے تہمت کر      کہ جہان کے زندوں کی زیارتگہ ہو جائیگا  
یعنی میرے مرنے کے بعد جب تو مزار پر ہو کر گزرے تو وہاں کہڑے ہو کر فاتحہ پڑھنا اگر ایسا کنیگا تو ہماری قبر جہان کے عاشقوں کی زیارت گاہ بن جائیگی۔

سز ز منی کہ نشانی کف پائی تو بود      سالہا سجدہ صاحب نظران خواہد بود  
جس زمین پر کہ تیری کف پا کا نشان پڑ جائے      وہ برسوں تک صاحب نظر و نکاح سجدہ گاہ بن جائے  
برو ای ز اہد خود میں کہ چشم من تو      راز این پردہ نھان ست نہان خواہد بود  
ای ز اہد خود میں جا کہ میری آنکھوں سے      اس پردہ کا راز پوشیدہ رکھا گیا ہے اور پوشیدہ ہی رہیگا

خلاصہ یہ کہ ز اہد جانا اپنا کام دیکھ اور اس خیال باطل سے باز آ کیونکہ عالم سلوک کا راز میری اور تیری آنکھوں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے اور پوشیدہ ہی رہیگا اگر تو اسکو دیکھنے کی کوشش کری تو یہ فضول ہے۔

یعنی اگرچہ مجلس کے مہر دیون کا حسن میرادل و دین دونوں لیجا تا ہے تاہم مجھے زیادہ تر لطیفہ طبعیت اور اخلاق پر عشق زیادہ ہوتا ہے نہ کہ ظاہری حسن پر محبت دلانے کے لئے صرف خوبصورتی ہی کافی نہیں ہوتی بلکہ عبادت و مزاج ہی اچھے ہونے چاہئیں۔

از دم صبح ازل تا آخر شام ابد دوستی مہر بریک عہد و یک مشتاق بود  
صبح ازل کی ابتدا سے شام ابد کے آخر تک دوستی و محبت دونوں یک عہد و یمان پر تین  
سایہ معشوق اگر افتاد بر عاشق چہ شبہ بابا و محتاج بودیم او بہا مشتاق بود  
معشوق کا سایہ اگر عاشق پر پڑا تو کیا ہوا ہم اوسکے محتاج تھی اور وہ ہمارا مشتاق ہوا  
معشوق سے مراد حق تعالیٰ ہے اور اوسکے ساتھ بندوں کی احتیاج ظاہر مگر اوسکا مشتاق ہونا باعتبار  
ایسکے کہ ہم اوسکے مظاہر قدرت میں سے ایک مظہر تھے صحیح ہے علاوہ برین یہ ہی قاعدہ ہے کہ مصالح  
اپنی صفت کو دوست رکھتا ہی اسلئے اللہ تعالیٰ ہی اپنی مصنوعات کا مشتاق سمجھا جائیگا۔  
پیش ازین کہن بیوقوف سبز و طاق مینا کشید منظر چشم مرا بروی جانان طاق بود  
اس سے پہلے کہ یہ سبز چیت اور مینا کا طاق بنایا بروی جانان کا طاق میری آنکھ کا منظر تھا  
یعنی قبل اسکے کہ یہ سبز رنگ آسمان بنا گیا ہو اور وہے محبوب حقیقی کا طاق میری چشم کا منظر رہتا تھا۔  
اس شعر میں عالم اطلاق کا بیان ہے۔

دستم اندر ساعد ساقی سیمین ساق بود رشتہ نسیج اگر بگست معذورم بدار  
کیونکہ میرا ہاتھ ساقی سیمین ساق کے ہاتھ سے دو ہاتھوں  
گفت بر سر خوان کہ بنستم خدا رزاق بود بر در شام کدائی نکتہ در کار کرد  
کہا کہ جس خوان پر کہ میں بیٹھا خدا رزاق تھا شاہ کو دروازہ پر ایک فقیر نے مجھے یہ نکتہ بیان کیا  
یعنی بادشاہ کے دروازہ پر ایک فقیر نے مجھے کیا اچھی بات بیان کی اوسنے کہا کہ جسکے خوان پر میں کہانا  
کہانے کو بیٹھا میں نے ہی سمجھا کہ رزق دینے والا خدا ہے نہ آقاے خوان۔ خلاصہ یہ کہ طلب فزی کی  
حاجت شاہ ہی نہیں کرتا جس جگہ جاتا ہوں میری قدر کا رزق مجھ کو خدا ہی بخاتا ہی کیونکہ وہ رزاق ہے۔  
شعر حافظ در زمان آدم اندر بانغ خلد دولت نسرين گل از نیت اوراق بود  
ما فظ کو شعر آدم علیہ السلام کو زمانہ میں بانغ خلد دولت نسرين گل از نیت اوراق کی نیت تھی



یعنی ای محبوب جب تمام دنیا کی سلامتی تیری سلامتی پر موقوف ہے تو خدا کرے کہ تیری جسم کو کوئی بیماری نہ پہنچے اور تو کسی عارضہ میں مبتلا نہ واسلئے کہ اگر تو درد مند ہو تو جانو کہ تمام عالم درد مند ہو گیا۔

درین چمن چو در آید خزان معنائی      ریش بسرو سہی قامت بلند مباد  
اگر اس باغ میں باد خزان غارتگری کو آوی      نواد سکی راہ تیری سرو سہی قد بلند کی طرف نہوجو  
در ان بساط کہ حسن تو جلوہ اندازد      مجال طعنہ بدین و بد پسند مباد  
اوس بساط میں کہ جہاں تیرا حسن جلوہ افروز      حاسد کو طعنہ کی اور بدخواہ کو مجال نہوجو  
مجال صورت معنی ہمیں بہت نیست      کہ ظاہر ت و ذرم و باطن ت نرند مباد  
مجال صورت و معنی کا تیری بہت کی برکت ہے      اسلئے تو ظاہر میں بیمار اور باطن میں مغموم نہوجو  
صورت بمعنی ظاہر اور معنی بمعنی باطن یعنی چونکہ تیری بہت کی برکت سے ظاہر و باطن کو رونق ہو اسلئے  
تیرا ظاہر بیمار اور باطن مغموم نہوجو۔

ہر آنکہ روی جو بہت بچشم بد بیند      بر آتش تو بجز چشم او پسند مباد  
چون شخص کہ تیرا کاندیا ملکہ آتش بد سے دیکھ      تیری آتش پر اوسکی آنکھ بجز پسند کا کام کی نہوجو  
یعنی جو شخص تیری چاندیا سے چہرہ کو بد نظر سے دیکھے اوسکی آنکھ تیری آتش پر وہ کام کرے کہ جو آگ پر  
پسند کیا کرتا ہے۔

شفا ز گفتہ شکر فشان حافظ جوئی      کہ حاجت بعلاج گلاب قند مباد  
حافظ کی شکر فشان باتوں سے شفا ڈھونڈ      کہ تجلو اپنی علاج کے لئے قند و گلاب کی چٹانہو  
یعنی ای طالب معرفت تیری صحت کے لئے حافظ کی شکر فشان باتیں کافی ہیں پس تجلو اپنے  
علاج کے لئے قند و گلاب کی کیا ضرورت ہے جبکہ حافظ کی باتیں خود شکر فشان ہیں۔

ترک من چون جعد مشکین گرد کا کل شکند      لالہ ز دل خون شود باز از سنبل شکند  
میرا معشوق جو جعد مشکین کا کل کے گرد چھوڑ دے      تو لالہ کا دل خون ہو اور سنبل کا بازار کہوتا  
جعد مشکین سیاہ چوٹی کا کل زلف یعنی اگر میرا محبوب چوٹی اور زلف کو آتر الٹہ کرے تو لالہ کا غم سے  
خون ہو جائے اور سنبل کو کوئی نہ پوچھے یہ تشبیہات میں جسے شاعری کی خوبی ہوید ای کا کل کو سنبل

ترک عاشق کش منہ بشت برون رفت تارک خون دل امروز روان خواهد بود

میرا عاشق کش ترک مست ہو کر آج باہر نکلا ہے دیکھئے کہ کس کا خون آج بہا یا جلے گا  
عجیب مستان کہیں آنچو اجہ کزین کہنہ با کس نہ انشت کہ رحلت بچہ سان خواهد بود

اگر وہ اجہ ستون کو عیث لگا کہ اس درینہ ساؤ خانہ کوئی نہیں جانتا کہ کس طرح رحلت ہوگی

خواجہ ہے، مراد زاد کہنہ رباط سے دنیا مقصود ہے مطلب یہ کہ ایوان غلط تو عاشقوں پر عجیب نہ لگا کر  
کہ یہ کسی کو نہیں معلوم کہ دنیا سے کون شخص کس حال میں اوہڑ گا یعنی کوئی نہیں جانتا کہ کس کا خاتمہ

کفر ہوگا اور کس شخص کا ایمان پڑے

چشم آن دم کہ ز شوق تو نہد سر یہ جدم تا دم صبح قیامت نگران خواهد بود

میری آنکھ کہ جب تیری شوق میں قبر میں سر نہ کہی صبح قیامت تک تیری نگران رہیگی

بخت حافظ گرا زین کو نہ مدد خواهد کرد زلف معشوق بدست دگران خواهد بود

حافظ کا نصیب اگر اس طرح یاوری کرتا رہے گا تو زلف معشوق کی دوسری کے ہاتھ پہنچ جائیگی

یہ استقام ہے یعنی اگر حافظ کا نصیب ایسی یاوری نہیں کریگا جیسی کہ او سکون کرنی چاہئے تو ضرور محبوب کی  
زلف دوسروں کے ہاتھ پڑ جائیگی اور حافظ محروم رہ جائیگا۔

ترسم کہ اشک در غم ما پرودہ در شود وین راز سر بھر بھرا عالم سحر شود

مجھے ڈر ہے کہ اشک ہمارے غم کا پرودہ در نہو جائے تاکہ یہ سر بستہ ہرید عالم میں مشہور ہو جائیگا

راز سر بھر سے راز عشق مراد ہے اور سحر کے معنی مشہور ہو جانے کے ہیں۔ یعنی کہیں ایسا نہو کہ ہمارے

اشک عشق کے پرودہ در ہو جاوین اور راز محبت جو پوشیدہ رہنا چاہئے عالم میں شہرت پا جائے۔

گویند سنگ لعل شود در مقام صبر آری شود ولیک بخون جگر شود

کہتے ہیں کہ مقام صبر میں پتھر لعل ہو جاتا ہے مان ہو تو جاتا ہے لیکن خون جگر کو ساتھ ملکر تہا

یعنی لوگ کہتے ہیں کہ صبر کا پتھر لعل ہو جاتا ہے۔ بیشک صبر ایسی ہی چیز ہے کہ لعل ہو جائے۔ مگر

اوسوقت تک نہیں ہوتا۔ جب تک جگر کو خون نہیں بنادیتا یعنی جب تک کہ طالب صبر سے جگر کو

خون نہیں کر ڈالتا اوسوقت تک مقصود کو نہیں پہنچتا تو اس اعتبار سے گویا پتھر لعل ہو جاتا ہے مگر

خون جگر کے ساتھ مل کر۔ لعل کے واسطے خون جگر کا لفظ بہت عمدہ رعایت ہے۔

باریچکس نشانی زبان لستان بیدم یاسن خبرندارم یا او نشان ندارد

کسی بین نشان اوس لستان کا سینے نہیں یا تو محکو خبر نہیں یا وہ نشان ہی نہیں کہتا

یعنی کسی معشوق کو میں نے اپنے بے نظیر معشوق کا نظیر نہیں پایا۔ پس یا تو میں خبر نہیں رکھتا یعنی میری آنکھوں میں اوس کا نظیر نہیں جھپتا یا درحقیقت وہ ہی اپنا ثانی نہیں رکھتا ہی پر مجھے اوس کا نظیر دکھائی دینا کیسے ممکن ہے۔

ہر شبہی درین ہر صدمہ موج آتشین درد اکہ این محما شرح و بیان ندارد

ہر شبہم اس راہ میں ہر موج آتشین کی باربری افسوس کہ یہ مما قابل شرح و بیان کے نہیں

یعنی راہ عشق میں ہر بے حقیقت قطرہ شبہم سو آتشین ہو چون کا حکم رکھتا ہی۔ پس افسوس کہ یہ معما و عشق بیان کرنیکی قابل نہیں اور نہ کسی پر ظاہر ہوا۔

سہ منزل قناعت نتوان دوست داشتن ای ساربان فروکش کلین کران ندارد

صبر کی منزل کو ہاتھ سے نہ سکے دینا ای شتربان ٹھہر جا کہ یہ راہ انتہا نہیں کہتی

ساربان سے سالک مراد ہی۔ یعنی ای سالک قناعت کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور منزل صبر پر آرام کر کے بڑھنے کی ہوس نہ کر کے یہ راہ حرص بے پایاں ہے اور اسکی انتہا نہیں۔ اگر تو قناعت کو چھوڑ کر آگے بڑھے گا تو راہ سے ہٹک جائیگا۔

چنگ خمیدہ قامت مخواند لبشیر بشنو کہ پذیران محبت زبان ندارد

چنگ خمیدہ قامت تجھ کو عشرت کی طرف بلاتا ہے سن کہ بڑھوں کی نصیحت تجھ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیگی

چنگ خمیدہ قد سے کہن سال مرشد اور عشرت سے عشق مراد ہی لہذا مطلب یہ ہے کہ ای فوجان تجھ کو مرشد بزرگوار راہ عشق کی طرف بلاتا ہی تو جا اور اوسکی سن کیونکہ بڑھوں کی نصیحت تیری کام آئیگی اور تجھ کوئی نقصان پہنچائیگی نہ دیگی۔ خمیدہ قامت کا لفظ پیر کے اعتبار سے لائے ہیں۔

گر خود قریب شمع است احوال از دیویشان کان شوخ سر بریدہ بند زبانا ندارد

اگر قریب خود شمع ہے تو اوس سے حال چپیا کہ یہ سر بریدہ شوخ اپنی زبان کو لگام نہیں کہتی

چونکہ شمع کا سر گلگیر سے کاٹ لیتی ہیں اسلئے اوسکو سر بریدہ شوخ کہا۔ باقی مطلب صاف ہے کہ شمع تک سے حال عشق چپانے کی ممانعت کی جا رہی ہے۔

تشبیہ دیا کرتے ہیں۔

درخرا مان سر و گلنازش کند میل جن  
 اور جوہ سر و گلنا خرا مان خرا مان باغ کی طرف رخ کرے  
 سرور از یاد راند از دل گل شکند  
 سرور کو ہوا کیستے ماری اور گل کی دلوں کو توڑ دی  
 تا خیال ابروی جانان ز چشم دور شد  
 اندرین رہے سلہا پاشد کہ صید بل شکند  
 جیسے کہ ابروی جانان کا خیال میری آنکھ سے دور ہوا  
 راہ میں اتنی روین ہیں کہ سوپلون کو توڑ دیں  
 یعنی جب سے کہ ابروی جانان میری آنکھوں سے دور ہوئی ہیں میں اس قدر رویا ہوں اور اتنی  
 کروین آنسوؤں کی جاری ہوئی ہیں کہ سوپلون کے توڑنے کو کافی ہوں۔

چون نسیم صبح گاہی پردہ گل بردرد  
 جب صبح کی ہوا گل کا پردہ پہاڑتی ہے  
 غم کا خار بلبل کے دل مجروح میں توڑتی ہے  
 یعنی جب صبح کی ہوا ہے پھول کھلتا اور تروتازہ ہو کر خوش و خندان ہوتا ہے تو بلبل کے دل مجروح میں  
 اس وجہ سے خار چبھتا ہے کہ اس کا معشوق کیسے جو بن پر ہے مگر اس کے حال زار کی طرف توجہ نہیں کرتا  
 اور اس کی طرف سے لاپرواہ ہے۔

حافظا این سر و وحدت راز دست خدیوہ  
 ای حافظ وحدت کا راز اپنے ہاتھ سے دے  
 تا خیال زہد و تقویٰ را توکل شکند  
 تاکہ زہد و تقویٰ کے خیال کو توکل توڑ ڈالے  
 خلاصہ یہ کہ ای حافظ یہ سر وحدت جو تو کہتا ہے ہاتھ سے پھوڑ۔ تاکہ زہد و تقویٰ کا خیال کہ میں ایسا  
 شفیق اور پرہیزگار ہوں اس توکل کو جو تو خالق حقیقی پر رکھتا ہے توڑ دے اور دور کر دے۔

جان بی جمال جانان میل جهان ندارد  
 جان بی جمال جانان کو بغیر جان کی خواہش نہیں کہتی  
 سر کس کہ این ندارد حق آں ندارد  
 جو شخص کہ یہ نہیں رکھتا قسم خدا کی وہ نہیں کہتا  
 یعنی اگر عالم میں دیدار جانان سے نہ ہو تو جان کو جہان میں سے کسی کی پروا نہیں اور خدا کی قسم  
 جس کو دیدار جانان سے نہیں اوس میں جان نہیں گویا وہ مردہ ہے۔ علاوہ اسکے چونکہ بیدار ایش  
 انسان کی نفس باطن کے لئے ہے اس لئے جان نے جو عالم لطیف سے عالم کشف کی طرف میل کیا ہے وہ  
 کیا حاصل کر سکتا ہے۔ پس انسان کو لازم ہے کہ دنیا میں کمال معرفت حاصل کر کے پہنچ کر  
 واصل ہو جائے۔

پس عید کے چاند کو ابرو سے یاد پر دیکھنا چاہئے تاکہ وہ ہی خوشی جو لوگوں کو غیہ کا چاند دیکھنے سے  
ہوئی ہو کہ ابرو ان یار کے دیکھنے سے ہو جو ہلال کی طرح ہیں۔

شکستہ گشت چو پشت ہلال قامت کمان ابروی یارم کہ بدر و نیمہ کشید

میری پشت ہلال قامت جو شکستہ ہوئی ہے میں کمان ابروی یارم کہ بار و سمہ کا کہی تیار ہو

مپوش رومی و شود خط از قفر جسن کہ خواند خط تو بروی و ان یگاؤ و سید

موناہ منت چہا اور نظارہ حسن سے غصہ نہو کہ تیرا خط تیری چہرہ پر آیت و ان یگاؤ پڑتا ہوا نکلا ہے

اس شعر میں آیت کریمہ و ان یگاؤ الذین کفرو الذین لقونک با بصادھو کے مضمون کی

تلمیح ہے اس آیت کو نظر بد کے واسطے باندھتے ہیں۔ لہذا مطلب یہ ہے کہ از محبوب اپنی موناہ کو مست

چہا اور نظارہ خلق سے درہم ہی نہو کیونکہ تیرا خط جو تیرے چہرہ پر نکلا ہے وہ گویا آیت و ان یگاؤ الذین

پڑتا ہوا نکلا ہے اسلئے مبادا کہ تجھ کو کسی کی نظر بد سے نقصان پہونچے۔ پس تجھ کو کسی چشم کے نظارہ

سے ہی خفت نہ کرنا چاہئے۔

مگر نیم منت صبح در چمن بگذشت کہ گل ہوئی خوشت سمجھ صبح جامہ درید

تجھ کی تیرے جسم کی ہو صبح کو چمن میں پہونچی کہ گل نے تیری خوشبو سے سمجھ کی طرح کڑی پیاری

بیا کہ باتو بلویم غم ملالت دل چرا کہ نی تو ندارم مجال گفت و شنید

آنا کہ تجھے دل کے غم و ملال کا حال کہوں کہسو اسلئے کہ سوا تیری کسی سے مجال گفت و شنید کی

یعنی اے محبوب تو آنا کہ تجھے ہجر کے غم و ملال کا حال بیان کروں کسلے کہ تیرے سوا اس غم و عشق کو

کسی اور سے بیان کر نیکی مجال نہیں رکھتا ہوں۔

نبود چنگ و رباب گل و بنید کہ بود گل جو دمن آغشتہ شراب و بنید

چنگ و رباب اور گل و شراب نہ تھے کہ میرے وجود کی گل آغشتہ شراب و رباب کی تھی

خلاصہ مطلب یہ کہ میں ہاوس و مست سے مست شراب عشق ہوں کہ جب نہ تو چنگ و رباب کا نغمہ بخان تھا اور شراب

معتوق ہی کا پتہ تھا یعنی میرا عشق ازلی ہے امروزہ نہیں۔

بہائی وصل تو گر جان بود خریداریم کہ جنس خوب مہر بہر چہوید خرید

اگر تیری وصل کی قیمت نقد جان ہو تو خریدار ہوں کہ اچھی چیز جس کسی بھرے دیکھی خریدنی

ذوقی چنان ندارد بی دوست زندگانی دوست زندگانی ذوقی چنان ندارد  
مجھے بغیر دوست کے زندہ رہنی کا کچھ ذوق نہیں کیونکہ بدوست زندگانی کچھ ذوق نہیں کہا کرتی  
احوال گنج قارون کا یام داد برباد درگوش گل فروش خان تازہ نہاں ندارد  
گنج قارون کا قصہ کہ جس کو زمانہ فی برباد کر دیا پہول کے کان میں کہوتا کہ وہ زہر کو پوشیدہ کر کر نہ کرے  
یعنی قارون کے خزانہ کا حال کہ کسطح او سکوا قارون نے چہاں چہاں کر رکھا تھا اور پھر کیسے زمانہ نے  
برباد کر دیا پہول سے کہہ دو تاکہ وہ اپنا زر (جون) جو چہاں کے رکھتا ہے صرف کر دے اور زمانہ کی  
دست برد سے آگاہ ہو جائے کہ اس میں سب کو زوال ہوتا ہے۔

آنرا کہ خواندی استاد گری تبحر صنعت گریست اطیع روان ندارد  
جس کو تو استاد کہتا ہے اگر غور سے دیکھے تو کارگیری رکھتا ہے لیکن طبع کی روانی نہیں کہتا  
یعنی اسی مطلب جس کو تو استاد کہہ رہا ہے اگر اسے بنظر تفحص دیکھے اور اصلیت پر غور کرے تو تجھ کو معلوم  
ہو جائے گا کہ یہ شخص صرف چالاک ہے اور طبیعت میں جوہر نہیں رکھتا اسکا اشارہ چھوٹے مدعی کی  
طرف ہے کہ جس میں کچھ ہنر تو نہوا اور طبعی فطرت سے پری مریدی کرتا ہے۔  
ایدل طریق رندی از محتسب بیاموز مست مست و در حق او کس گمان ندارد  
ایدل رندی کا طریقہ محتسب سے سیکھ کہ وہ مست تو ہی مگر اس کو حق میں کوئی یہ گمان نہیں کہتا  
محتسب ہی مرشد کامل مقصود ہے۔ اور خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ایدل رندی کا طریقہ محتسب سے سیکھ لے جو کہ باطن میں  
مست ہی مگر اپنی آپ کو مست نہیں کہتا گویا وہ اپنا حال چہاں ہے اسی طرح تجھ کو بھی خلق سے اپنا بید  
عشق چہاں ناچاہئے۔

کس در جہان ندارد یک بندہ چو حافظ زیر اک چوں تو شاہی کس جہان ندارد  
کوئی جہان میں ایک غلام ہی حافظ کی مانند نہیں اسوا سوا کہ تیری طرح بادشاہ ہی تو جہان میں کسی کو نہیں  
یعنی جب تجھ شاہ خلق میں کسی کو میر نہیں تو حافظ سا بندہ ہی جہان میں کسی کے پاس نہوگا۔  
جہان زار بروی عید از ہلال و سم کشید ہلال عید برابر وی یار باید دید  
جہان نے ابرو سے عید پر ہلال کا وسم لگایا عید کا ہلال ابرو کی یاد پر دیکھنا چاہئے  
خلاصہ یہ کہ جہان نے ہلال عید سے گویا ابرو سے عید پر وسم لگایا یعنی عید کو ہلال سے زینت بخشی



قاعدہ ہے کہ نظر کو سورج ہی سے روشنی ملتی ہے لہذا مطلب یہ ہے کہ تیرا جمال ہر نظر کے لیے روشنی ہو جو اور تیرا چہرہ باعتبار خوبی اور مشوقوں کے چہروں سے خوشتر ہو۔

ہمائی المیج شامین شہیرت را      دل شامان عالم زیر پر باد  
تیرے پاس المیج کے شامین کے سپہ کئے      شان عالم کا دل زیر پر کے ہو چو  
خلاصہ یہ ہے کہ تیرا عروج شان عالم کے عروج سے ہی بڑھ چڑھ کر رہے۔  
دلی کو بستہ زلفت نباشد      ہمیشہ غرقہ خون جگر باد  
وہ دل کہ جو تیری زلف کا اسیر نہ ہو      ہمیشہ خون جگر میں غرق رہے

یعنی جس دل کو تیری زلف کا نسوا نہ ہو ہمیشہ خون جگر میں غرق رہے تو اچھا۔ خلاصہ یہ کہ گلیاں دلشیمان رہے۔

بہتا چون غمرہ ات ناوک کشاید      دل مجروح من پیشش سپر باد  
اے صہم جب تیرا غمرہ تیرے نکالے      میرا دل زخمی ہو سکے آگے ڈوبال ہو چو  
چو لعل شکرت بوسہ بخشد      مذاق جان من زو پرشکر باد  
جو تیرا گیسہ شکرین بوسہ عطا کرے      اوس سے میری جان کا مذاق پرشکر ہو چو  
مرا از تست ہر دم تازہ عشقی      ترا ہر ساعتی حسن دگر باد  
مجھ کو تجھے ہر دم تازہ محبت ہے      تجھ کو ہر گھڑی نیسا حسن ہو چو  
بجان مشتاق روئی تست حفظ      ترا بر حال مشتاقان نظر باد  
تیرے چہرہ کا حافظ جان سے مشتاق ہی      تجھ کو مشتاقوں کے حال پر نظر کہنی چاہے

ان سب اشعار کا زیادہ مطلب تشریح نہیں چاہتا تھا اسلئے میں نے صرف ترجمہ پر اکتفا کیا ہے۔

چو رویت مہر و مہ تابان نباشد      چو قدرت سرور درستان نباشد  
تیری چہرہ کی مانند چاند سورج نہیں چمکتے      اور تیرے قد کی مثل نہ وہی باغ میں نہیں ہے  
چو لعل فلولوت درد لفروزی      در دریا و لعل کان نباشد  
تیری لعل اور موتیوں کی مانند دلفروزی میں      دریا کے موتی اور لعل کان کا لعل بھی نہیں ہے

چونکہ معشوق کے لب سرخ کو لعل ہے اور دندان آبدار کو موتیوں سے تشبیہ دیتی ہیں اسلئے پہلے مصرع میں

یعنی اگر تیری وصل کی قیمت جان ہی ہو تو میں خریدار ہوں اس واسطے کہ عمدہ جنس مسہر جس قیمت میں ملے لے پیتا ہے۔ کیونکہ وصل تیرا عمدہ جنس ہے اور میں اس کا مبصر ہوں۔

فریز آب ہر شکم کہ بی تو دور از تو چو باد میشد و در خاک راہ می غلطید

میرا سر شک آب مت بٹو کہ بغیر تیری تجھے دور جو ہوا ہوتا ہی تیری راہ کی خاک میں لوٹتا ہی ہے  
یعنی میرے اشک کی آبرو نہ بگاڑ اس واسطے کہ بغیر تیرے اس کا دال یہ ہو جاتا ہی کہ راہ کی خاک میں لوٹتا ہی ہے  
پس جب وہ تجھے ایسی محبت رکھتا ہی تو اس کی آبرو نہ بگاڑنی چاہئے۔

چو ماہ روئی تو در زیر زلف میدیدم شہم بروئی تو روشن چو روز میگردید

جب تیرا چاند سیاہرہ زلف کے نیچہ دیکھتا ہوں تو مجھ کو رات تیرے رخ پر دن کی طرح روشن ہو جاتی ہے  
بلکہ سید مرا جان و بر نیامد کام اسیر رسید امید و طلب بسیر رسید  
میرا دم لبوں پر یونچا اور مطلب نہ نکلا  
خلاصہ یہ کہ امید آخر ہو کر مبذل بہ یاس ہو گئی مگر طلب ختم نہ ہوئی اور نہ مطلب بر آیا۔

ز انقلاب زمانہ طمع مدارای جرح چو صبح بر رخ عالم ازین صفت خندید

اے مخاطب انقلاب زمانہ سی امید نہ کہہ کہ آسمان مشکل صبح کے رخ عالم پر اسی طرح سی ہنستا ہی گا

یعنی اسے مخاطب تو زمانہ کے انقلاب سے یہ طمع نہ کہہ کہ جس طرح آسمان عالم کے ساتھ اس وقت نیکی کو راہے اسی طرح ہمیشہ کئی جائیگا۔ اور صبح کی طرح دنیا پر ہنستا ہی گا۔

دلہ تو زلف تو شوریدہ ہو و میدانم کہ پیش روی تو بر خود چو برق می خندید

میں جانتا ہوں کہ میرا دل تیری زلف پریشان ہے کیونکہ تیری رخ کی سامنے اپنی اور پریشانی برق کی ہنستا

ز شوق لعل تو حافظ نوشت شعری چند بخوان تو نظم مشق و در گوش لہر چو مروارید

تیری لب لعل کے شوق میں حافظ نے چند شعر لکھ دیں تو اس کی نظم کو پڑھ اور قانون میں موتیوں کی طرح ڈال

خلاصہ مطلب یہ کہ حافظ نے یہ چند شعر تیرے لب لعل کے شوق میں تصنیف کئے ہیں تو ان کو پڑھ اور قانون میں موتی کی طرح ڈال دے۔

ز خوبی روی خوبت خو تر باد زجالت آفتاب ہند نظر باد

تیرا روی خوب خوبی سے ہی خوبتر ہو جو تیرا جمال ہند نظر کے لئے آفتاب ہو جو

چو آفتاب می از مشرق پیالہ بر آید      ز باغ عارضِ نیاقی ہزار لالہ بر آید

جومی آفتاب مشرق کے پیالہ سے نکلے      ساتی کے باغ عارض سے ہزار لالہ پیدا ہوں  
می سے شرابِ عشق مراد ہے اور بوجہ صفائی اور روشنی کے اسکو آفتاب سے تشبیہ دی گئی ہے پیکر  
وجود سالک ساتی سے مرشد لالہ سے تازگی و فرخندگی مقصود ہیں۔ اور مطلب یہ کہ جب آفتاب عشق کا  
وجود سالک پہ نظر آئے گا تو اس کے مرشد کو ہزاروں تازگیان اور مبارکیان حاصل ہوتی ہیں۔

نسیم و نسیم گل شکند کلالہ سنبل      چو در میانِ چین بومی آن کلالہ بر آید

نسیم کلالہ سنبل کو پسچ سمجھنے لگے      جو باغ کے درعیان خوشبودن لعل کی آوی  
نسیم اوس نرم و نازک ہو اگو کہتے ہیں جس سے ملکر ہولوں کی مہک آیا کرتی ہے۔ کلالہ کے معنی پھیرہ ہاں  
یا مکمل یا گلہ است کے ہیں اور یہ لفظ کلالہ بھی لکھا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ جب چین میں عشق کی لعل کی

نو آجائے تو نسیم سنبل کی لعل کو پسچ سمجھتی ہے اور زلفِ محبوب کے مقابلہ میں اوس کو کمینہ چلتی

حکایتِ شبِ بجران نہ آن شکایت      کہ شمعِ زیبائش بصدِ سالہ بر آید

شبِ بجران کی حکایت حال کی شکایت ہیں      کہ اوسکا تہوڑا سایا ہی سو سالوں میں سما جا  
زگوں خوانِ نگوں فلک مدارِ توقع      کہ بی طالت صد غصہ یک نوالہ بر آید  
اوندی آسمان کو خوان کو گرد سے تو تیر نہ کہہ      کہ بغیرِ رخ اور سو غصہ کے ایک نوالہ ہی بلیگا

یعنی خوانِ آسمان سے جو اوند یا خوان ہے بالکل یہ توقع مست رکھ کہ بغیرِ رخ اور سیکڑوں  
طرح کے غصہ کی بجگو ایک نوالہ ہی میسر ہو جائیگا خلاصہ یہ کہ خوانِ آسمان میں نوالہ کہا نیکی کو  
ہزاروں غم و غصہ ہی کہانی کی ضرورت پڑتی ہے۔

گرت چو نوح بنی صبر بہت در طوفان      بلا بگرد و کام ہزار سالہ بر آید

مگر تجھے حضرت نوح کی طرح غم کو طوفان میں صبر      تو بلاوٹ جائیگا راہِ ہزار سال کا خرابہ کام سنبل  
مطلب یہ کہ اگر تجھے حضرت نوح علیہ السلام کی طرح غم کے طوفان میں صبر ہے تو یاد رکھ کہ صبر کی ساری  
بلائیں اٹھائیں گی اور مدتوں کے بگڑی ہوئے کام درست ہو جائیں گے۔

تسلی خود نتوان برد پی بگو ہر مقصود      خیال باشد کاین کار بی حوالہ بر آید

اپنی خوشی سے گو ہر مقصود ناتہ نہیں آسکتا      یہ محض خیال ہے کہ یہ کام بغیرِ حوالہ سے مکمل ہو سکتا

صرف استعارہ کے طور پر لعل و لولو کے الفاظ بجائے لب و دندان کے لائے ہیں مگر ان سے مراد لب و دانت ہی سمجھنے چاہئیں مطلب یہ ہے کہ دریا کے موتی تیرے دانتوں سے اور کان کا لعل تیرے لب سے دلفروزی میں زیادہ نہیں۔

میان خط سبز ت لعل نوشین عجب گر چشمہ حیدر ان نباشد  
تیرے خط سبز کے درمیان سرخ ہو نہتہ تعجب ہے اگر آب حیات کا چشمہ نہوں  
خط سبز سے ظلمات کا اور لب سرخ سے آب حیات کا استعارہ دیا گیا ہے باقی مطلب صاف ہو کہ  
خط سبز کے درمیان آب حیات کا ہونا تعجب ہوتا مگر نہیں تعجب کی کوئی بات نہیں اس لئے کہ سیاہی خط کی  
درمیان سرخ ہو نہ گویا آب حیات کا چشمہ موجود ہیں۔

جو فندق پستہ اش خند و بجالم چرا بادام من گریان نباشد  
پستہ اوسکا مثل فنق کی میری حال پہنٹا ہی تو کسو اسطے میرا بادام گریان نہوں  
فندق ایک ولایتی میوے کا نام جو بیر کی برابر اونگلیوں کے اگلے پوروں کی مشابہ ہوتا ہی پستہ  
دہن معشوق مراد ہی۔ بادام کی تشبیہ آنکھوں سے دی جاتی ہے لہذا مطلب یہ ہو کہ آنکھیں کیوں گریان  
نہوں جبکہ اوسکا پستہ دہن فندق کی طرح میرے اوپر نہنٹا ہے۔

سوا و کفر زلف او کہ دل را بروی تو از ان ایمان نباشد  
اوسکی زلف کی سیاہی دل کے لئے کفر ہے تیری صورت کی قسم کہ ایمان نہیں ہے  
بتو نسبت نباشد یہ سچ تن را نہ تن باشد کہ مثلت جان نباشد  
نتجہ کسی تن کو نسبت نہیں تن کیا بلکہ خدا کی قسم کوئی جا تیری مثل نہوگی  
تن کشف چیز ہے اور جان لطیف اسلئے حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ تیری تن کی مانند کوئی تن نہیں اور  
تن کیا بلکہ خدا کی قسم کوئی جان ہی ایسی لطیف نہیں ہوگی جیسا کہ تیرا تن لطیف اور سبک ہے۔

اگرچہ ہست شیرین شعر حافظ چو لعل خسرو خوبان نباشد  
اگرچہ حافظ بھی شیرین شعر ہے لیکن مثل خسرو خوبان کے لعل کے نہیں  
خلاصہ یہ کہ گو حافظ کے اشعار شیرین ہیں مگر معشوق کے لب لعل حافظ کے اشعار سے زیادہ شیرین  
سمجھنے چاہئیں۔

کروں گا۔ اور عہد قدیم سے قالو ابلی کی طرف اشارہ ہے۔

نفاق و برقع نہایت صفائی دل حفظ طریق رندی و عشق اختیار خواہم کرد:

ای حافظ حسد و فریب دل کو صفائی نہیں بخشے تین۔ رندی و عشق کا طریق اختیار کرونگا میں  
خلاصہ یہ کہ کینہ فریب دل صفائی حاصل نہیں ہوتی عاشقی اور بیگانی سے ہوتی ہے لہذا میں  
وہ ہی طریقہ مطلق اختیار کروں گا جس سے کہ دل صاف ہو جائے۔

چہ مستی بہت ندامت کہ رو بہا آورد کہ بود ساقی درین بادہ از کجا آورد

نہیں جاتا ہوں میں کہ یہ کیا مستی جو جو ہمہ طاری ساقی کون تھا اور یہ شراب کہاں سے لایا تھا

یعنی نہیں معلوم کہ یہ کیسی مستی ہے جو ہمہ حاصل ہوئی ہے اور ساقی کون تھا اور ایسی بہت شراب  
کہاں سے لایا۔ واضح ہو کہ مستی سے مستی عشق اور شراب سے ہی موفقت مراد ہے۔ ساقی کا لکنا یہ مرشد

کامل کی طرف۔  
دل جو غنچہ شکایت ز بخت بستہ بکن کہ باد صبح نسیم گرہ کشا آورد

دل جو غنچہ کی طرح بخت بستہ سے شکایت نہ کر کہ ہوا صبح کی نسیم گرہ کہو لہذا والی کو لائی ہے

اور دل غنچہ کی طرح اپنے سر بستہ نصیب کی شکایت نہ کر کیونکہ ہوا صبح کی نسیم کو جسے مرشد کامل مراد ہے

تیری عقدہ کشائی کو لائی ہے۔

رسیدن گل انسرین بخیر و خوبی باد بنفشہ شاد و خوشامد سمن صفا آورد

گل انسرین کا پہنچنا خیر و خوبی کے ساتھ ہو جو بنفشہ خوش ہو اور سمن صاف کی خوشامد کرتی ہو

علاج ضعف دل الکرسمہ ساقی بہت ہمارے ضعف دل کا علاج ساقی کا کرسمہ ہے

صبا بخو شجری ہد ہد سلیمان بہت صبا بخو شجری میں سلیمان کا ہد ہد ہے

کہ مرزہ طرب از گلشن سبا آورد کہ مرزہ خوشی کا باغ شہر سبا سے لائی ہے

گلشن سبا سے کوئی محبوب مراد ہے جسکا اشارہ عالم لاہوت کی طرف سمجھا جائے۔ صبا بخو شجری جو بخا

ہد ہد سلیمان کی مانند ہے کہ جسے شہر سبا اور اسکی ملکہ بلقیس کے حال لیے حضرت سلیمان کو آگاہ کیا

لہذا اس موقع پر صبا سے مرشد کامل اور گلشن سبا سے عالم لاہوت مراد ہے جو مقام محبوب حقیقی کا ہے

یعنی یہ صرف خیال ہی خیال ہے کہ اپنی سسی سے کام پورا ہو گا یہ بات نہیں بلکہ بغیر عاقلہ تعذیر کے کوئی کام نہیں پورا ہو سکتا۔

نسیم وصل تو گر بکذر و تیربت حفا  
اگر ترچہ گل کی نسیم ہی حافظ کی قبر کے پاس ہو کر گزری  
مطلب صاف ہی کتبہ رخ طلب نہیں۔

چو بادِ عمرم سرکوی یار خواہم کرد  
ہوا کی مانند ارادہ کوئی یار کا کروں گا میں  
ہر ابروی کہ اندر ختم زدالش و دین  
جو ابرو کہ میں نے عقل اور دین پر جمع کی ہے  
بہر زہنی می و معشوق عمر میگذرد  
بغیر شراب اور معشوق کے عمر بچاؤ نہ گذرتی ہے

یعنی عمر بے شراب و معشوق کے بیکار گزری جاتی ہے بس اس قدر کافی ہے کہ آپکے روز سے می معشوق اختیار کروں گا۔

صبا بجاست کہ این جانِ گرفتہ چو گل  
فدا می نگہت گیسوی یار خواہم کرد  
صبا کہان ہو کہ اس جانِ خون گرفتہ کو شل گل کی  
گیسوی یار کی نگہت پر فدا کروں گا میں

صبا کا کنایہ ملک الموت کی طرف ہے۔ گیسوی یار پر جان قربان کرنا بمعنی جان جہان آفرین کو سپرد کر دینا  
یعنی ملک الموت کہان ہو کہ دوست کا پیغام دوست کو پہنچاؤ سے کہ عاشق اپنی جان خون گرفتہ کو دوست کے اوپر قربان کرنی چاہتا ہے اس میں موت کی تمنا کی گئی ہے۔

چو شمع صبحدم شد ز مہر اور روشن  
کہ عمر در سراپا کار و بار خواہم کرد  
اوسکی محبت سے روشن ہو کہ شمع صبحدم کی طرح  
عمر اس کار و بار میں گزاروں گا میں  
بیاد چشم تو خود را خراب خواہم کرد  
بنای عہد قدیم استوار خواہم کرد  
تیری چشم کی یاد میں اپنے کو خراب کر سکے  
عہد قدیم کی بنا کو مضبوط کروں گا میں

یعنی تیری چشم پر فریفتہ ہو کر اور تجھے عشق و محبت کر کے اوس عہد کو جو روز ازل میں کیا گیا ہے مضبوط



بہ تنگ چشمی ان ترک لشکری ہارم کہ حملہ بر من سکین یک قبا آورد  
 من اوس ترک سپاہی کی تنگ چشمی بفرار کرتا ہوں کہ جسے مجھے سکین اور کھڑکیر اپنے والی پر حملہ کر دیا  
 خلاصہ یہ کہ میں اوس ترک سپاہی کی تنگ چشمی کا قائل ہوں کہ جسے مجھ مستکین پر جبکہ میں نہ زور پہنچتا تھا  
 نہ چلتا اور نہ ہٹا بلکہ کھڑے کھڑے مجھے تنہا اپنی تلوار سے حملہ کر دیا گویا مجھ بیکس امید مجبور کھار ڈالا۔  
 فلک خلاصی حافظ کنون بطوع کند کہ التجا بدرد دولت شما آورد  
 اب حافظ فلک کی غلامی کی رغبت کرتا ہے کیونکہ وہ تیرے در دولت پر اپنی التجا لایا۔  
 یعنی اب حافظ فلک کی غلامی کی طرف راغب ہو گا کیونکہ وہ خود سری چھوڑ کر تیرے در دولت پر اپنی  
 التجا لایا ہے۔

چو دست بر سر زلفش زخم بتاب رود  
 اور جو آشتی طلبم بر سر عتاب رود  
 جو او سکی زین کو ماتہ سے پکڑتا ہوں تو بچ کھائی  
 اور جو آشتی سے طلب کرتا ہوں تو غصہ لاتی ہے۔  
 چو ماہ نورہ نظارگان بیچارہ  
 زندہ بگوشتہ ابرو و در نقاب رود  
 ماہ نو کی سلیم ہمارے دیکھنے والوں کا کواستہ  
 زندہ بگوشتہ ابرو سے لوثا ہی اور چھپ جاتا ہے۔  
 طریق عشق پر آشوب فتنہ است  
 نفقہ آنکہ درین راہ باشتاب رود  
 طریق عشق پر آشوب اور فتنہ ہے  
 نفقہ آنکہ درین راہ باشتاب رود  
 جو شخص کہ اس راستہ میں پڑے وہ جلد چلا جاتا ہے۔  
 یعنی راہ عشق وہ پر آشوب فتنہ کی راہ ہے کہ جو شخص اس راہ میں پڑتا ہے وہ جلد چل دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ  
 راہ عشق میں کوئی زندہ نہیں رہتا یہ زندہ نہ رہنا یا تو باعتبار او کے آیا ہی کہ دنیا کے مطلب کا نہیں رہتا  
 یا زندہ نہ رہنا بمعنی خودی سے بخود ہو جاتا ہے۔

گدائی در جانان بسلطنت مفروش  
 کسی ز سایہ ایمین در آفتاب رود  
 در جانان کی گدائی کو سلطنت سے نہ بدل  
 آدمی اس در کے سایہ سے آفتاب تک جاتا ہے  
 جناب را چو فتنہ باد نخوت اندر سر  
 کلاہ ذالیش اندر سر سرب رود  
 جب نخوت کی ہو احباب کے سر میں ہو پختی ہے  
 نواد سکی کلاہ داری سراب میں چلی جاتی ہے  
 چاہئے کہ دنیا میں نخوت کو اپنے سر میں راہ نہ دے چنانچہ جناب کے سر میں نخوت کی ہو ابھر جاتی ہے  
 نواد سکی کلاہ داری تھوڑی دیر میں برباد کر دیتی ہے۔ واضح ہو کہ جناب صرف ہوا ہوتی ہے جو پانی کے

خلاصہ یہ کہ مرشد کامل نے مقام محبوب کے حال سے آگاہ کر کے خوشخبری سنائی ہے۔  
 بچہ راہ میزند او مطرب مقام شناس کہ در میان غزل بقول آشنا آورد  
 وہ مطرب مقام شناس کیا اچھا گاتا ہے کہ غزل کے درمیان دوست کا قول لے آیا  
 مقام شناس مطرب کی صفت یہی یعنی مطرب گلنے کا موقع اور وقت خوب ہی جانتا ہے خلاصہ یہ کہ اپنی  
 فن میں کامل ہے مگر مطرب مقام شناس کا اشارہ مرشد کی طرف سمجھنا چاہئے اور مطلب یہ کہ  
 مطرب نے غزل خوانی کے درمیان حقائق و معارف کا بیان ہی کر دیا اور محبوب حقیقی کے قول  
 یہی عاشقوں کو غزل گوئی کے پیرایہ میں سناوئے یعنی جب ادنیٰ عاشقوں کے سامنے معرفت کی  
 غزل گائی تو اویسی کے سایہ دوست کے سلف کا بیان ہی کر دیا اس سے ثابت ہوا کہ ہمارا مرشد  
 کامل معلم شناس مطرب ہے کہ جو عاشقوں کے دلوں کو اپنی قبضہ میں کرنا خوب جانتا ہے۔

تو نیز بادہ بچنگ آید و راہ صحر اگیر کہ مرغ نغمہ سرا ساز و خوش نوا آورد  
 تو یہی شراب مانہ میں لے آوے جنگل کی راہ پکڑ کہ مرغ بولنے والا نغمہ سرا اور خوش الحانی کرے  
 مطلب یہ کہ اسی مخاطب بہار کا موسم ہے اور مرغ خوش نوا عمدہ عمدہ بولیاں بولتے ہیں تو یہی بلبل ہیں  
 شراب کی بوتل لیکر جنگل کو چلے اور عیش و عشرت میں سعی کر اس موسم بہار میں تجکو مرغ خوش نوا سے  
 پیچھے نہ رہنا چاہئے۔ بادہ بچنگ آری یعنی عشق حقیقی الہی کر راہ صحر اگیر یعنی سب الگ ہو کر مرغ نغمہ سرا  
 خوش الحان سے مرشد مراد ہے باقی مطلب مجھ میں آہی گیا۔

مرید پر مغالہ ز من مرغ ای شیخ چرا کہ وعدہ تو کردی و او بجا آورد  
 ادنیٰ شیخ مجھے رنجیدہ نہیں پر مغالہ کامرید ہو گیا ہو اسلئے کہ جبکہ تو نے وعدہ کیا ادنیٰ تو کی پوری کر دیا  
 یعنی اسے زائد تو مجھے رنجیدہ کیوں ہوتا ہے میں پر مغالہ کامرید ہو گیا ہوں اسلئے کہ تو نے شراب  
 پلہانے کا وعدہ جس سے شراب ظہور مراد ہے قیامت کے دن کو کیا تھا چونکہ پر مغالہ نے قیامت کو  
 نہیں مالا بلکہ یہیں پلوا دی اسلئے میں تجھے چوڑ چھاڑا دوں گا کامرید ہو گیا ہوں اور مرید ہو جانے کی  
 یہی وجہ ہے کہ شراب جو میری مطلوبہ شے تھی تو اس کے پلوان کا وعدہ قیامت کو کرتا تھا اور  
 پر مغالہ نے یہیں پلوا دی اور وعدہ کو مجھے پہلے وفا کر دیا۔ چونکہ وعدہ کے مقابلہ میں ادوار قابل  
 اعتبار نہیں اسلئے میں پر مغالہ کامرید ہوں۔

یعنی اور محبوب کہنے ہی دن ہوے کہ تو نے اپنی خیر و عاقبت لکھ کر نہ بھی میری پاس ایسا کونسا قاصد ہے  
کہ میں اوس کے ہاتھ چند کلمے اشتیاق تجھ کو کہلا بیوں۔

مابدان مقصد عالی تو اینم رسید ہم مگر پیش ہند لطف شما کامی چند

ہم اوس مقصد عالی کو نہ پہنچ سکیں گے البتہ اگر تیرا لطف چند قدم آگے بڑھ آئے  
اسکا خطاب مرشد کی طرف ہو یعنی ہم اوس مقصد عظمیٰ کو جو وصل محبوب حقیقی کے متعلق ہے نہ پہنچ سکتے  
البتہ اگر تیرا لطف ہماری آرزو کے استقبال میں دو ایک قدم آگے کو بڑھ آئے تو مقصد دلی پا جانا  
ممکن ہے ورنہ ہمیں خلاصہ یہ کہ مرشد کے ہی طفیل میں وصال محبوب حقیقی ہمیں ہو سکتا ہے۔

چون می از خم لبور و گل افکند نقاب دوست عیش نگہدار و بزن جامی چند

جب شراب شگس گہری میں پہنچی اچھلے نقاب دوست عیش کا خیال رکھ اور چند پیالے پی  
شراب کا شگس سے کہہ کر میں پہنچنا گویا چنے کی لالٹ ہو جانا اور گل کا نقاب گرانا یعنی کہلنا یا موسم  
بہار کا آجانا لفظ صبر کہ اس سالک عشق و محبت باطن سے تیز و جود میں آگئی ہیں اور تیرا دل جو غنچ کی طرح  
سر بستہ تھا گل کو شکستہ ہو گیا۔ پس تو فرصت عیش کے موقع کو نہ چھوڑ اور چند پیالے تو شراب کے  
پی ہی جاوے اسکے مشابہ تجلیات سے مسرور ہو۔

قد بیخستہ با گل رخ علاج دایمست بوسہ چند بیا میر بد شناسی چند

قد گل سے ملا ہو میرے دل کا علاج نہیں ہے بلکہ چند بوسے ایسے دی کہ جنہیں گالیان ملی ہوئی ہوں  
یعنی میرے دلی بیمار کا علاج گفت سے نہیں ہوگا۔ بلکہ اور محبوب میں اپنی اچھے ہو جانیکے لئے چند بوسے ایسے  
جاہتا مون کہ جنہیں گالیان ملی ہوئی ہوں۔

ای گدایان خرابات خدایار شہاست چشم انعام ندارد ید ز انعامی چند

اور خرابات کے فقیر و خدایار تمہارا ہے چند ان جو پالو نشی انعام کی اسید نہ رکھ  
ز اہداز کوچہ زندان سلا بگذر تا خرابت ننگد صحبت بدنامی چند  
اور اہداز کوچہ زندان سے بچ کر گذر جا تا کہ تجھ کو چند بدنامی کی صحبت خرابا نہ کر دی

چونکہ زند بجز رندی کے بدنام ہیں پس اسے زائد تو اس کے پاس سے بچ کر چلا جاتا کہ انکی صحبت میں  
تو ہی بدنام نہ ہو جائے۔

حلقہ میں پسند کر بلبلہ سان پٹرنے لگتی ہے جہاں ہوا کل گئی جناب ٹوٹا۔  
 شب شراب خراجم کند بہ بیداری و گریہ روز حکایت کیم بخت آب رود  
 رات کو شراب مجھے جگا کر خواب کرتی ہے اور جودن کو بات کرتا ہوں تو سوتی ہے  
 یعنی اگر ذات کو شراب پیتا ہوں تو وہ مجھے جگا کر خواب دہشتان کرتی ہے اور سو نہ نہیں دیتی اور  
 اگر دن کو مونہ لگا تا ہوں تو سوجاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو کچھ میری طبیعت اور وقت کے خلاف ہوتا ہے  
 شراب وہ ہی کرتی ہے۔

مرا تو عہد شکن خواندہومی ترسم کہ با تو روز قیامت ہمیں خطاب رود  
 تو مجھ کو عہد شکن کہتا ہے میں در تا ہوں کہ تجھ کو قیامت کے دن ہی خطاب نہ دیا جاوے  
 و لگا چو پیر شدی حسن ناز کی مفروش کہ این معاملہ با عالم شباب رود  
 اور دل جب تو بڑا ہوئے تو صغیر ناز کی نہ بیج کہ یہ معاملہ عالم جوانی میں اچھا معلوم ہوتا ہے  
 یعنی ایدل تو بڑا ہو کر غمزہ و نزاکت سے باز نہیں آتا یہ حسن و ناز کی جوانی ہی میں اچھی معلوم ہوتی ہے  
 بڑے غمزوں کو کوئی پسند نہیں کرتا۔

سوا و نامہ موی سیاہ چون شد طی بیاض کم نشود در صد انتخاب رود  
 سیاہ بالوں کا سوا و نامہ جب طے ہو گیا سپیدی کم نہیں ہوتی اگر سو بار انتخاب کیا جاوے  
 یعنی جب بالوں کی سیاہی زائل ہو کر سفیدی آگئی تو چاہے سو بار اوکھڑ کر سینگد وہ ہرگز سیاہ  
 نہیں گے بلکہ سفیدی جیسے آئین گے۔

تو خود حجاب خودی حافظ از میان خیز خوشا کیک درین راہ بی حجاب رود  
 او حافظ تو خود اپنا ہی حجاب در میان ہووٹھ کیا اچھا وہ شخص جو اس راہ میں بی حجاب جاوے  
 اسے حافظ چونکہ تو خودی کا گرفتار ہے اسلئے اپنا حجاب آپ ہی ہوتا ہے پس در میان سے اوٹھ  
 یعنی اپنی نفی کرے تاکہ طالب مطلوب کے در میان سے حجاب اوٹھ جائے اور کوئی روک ٹوک باقی  
 نہ رہے۔

حسب حالی نوشتنی و شد ایامی چند قاصدی کو کہ فرستم تو بیغای چند  
 کتنے ایک دن ہو کہ تو نے حسب حال کچھ تحریر کیا کون قاصد ہو کہ چند باتیں تیری پاس پہنچاؤں



عیب می جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو نفی حکمت کن از بہر دل عامی چند

تو نے شراب کی بہت سی عیب بیان کیں اب ہنر ہی کو چند جاہلون کے دل کے لئے حکمت کی نفی  
یعنی ایسی دوا عطا تو نہ جاہل لوگوں کی سلسلے سے شراب کو عیب تو بہت سی ظاہر کرتی مگر اوسکو ہنر ہی تو بیان کر دی اور دل عامی  
کے لئے حکمت الہی کی نفی نہ کر کیونکہ فعل الحکیم کا ماحول عن الحکمت حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا  
خدا حکیم ہے اوسکا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں اور جو چیز کہ کائنات میں تیرا وسیع اگر بہت سی ہوں بیان میں  
چند پہلا بیان ہی ضرور میں۔ اسی اعتبار سے شراب ہی بالکل عیب دانہیں بلکہ کچھ نہ کچھ ہنر بھی ضرور کہتی ہے۔  
پیر میخانہ چہ خوش گفت بدر و کش خویش کہ لگو حال دل سوختہ با خامی چند  
پیر میخانہ نے اپنی درد کش سے کیا اچھی بات کہی کہ دل سوختہ کا تھوڑا سا حال ہی کسی خام سے نہ

پیر میخانہ سے مرشد مراد ہی اور خام سے اہل ظاہر۔ خلاصہ کہ پیر نے اپنی درد کش سے کیا اچھی بات کہی کہ عشق کا راز کسی  
اہل ظاہر سے نہ کہو۔ کیونکہ جس دل پر عشق کی چوٹ نہ لگی تو وہ عاشق کا حال کیا جاسکے۔

حافظ آرتاب خ مہر فروغ تو سبوت کا ہکا نظری کن سوی ناکامی چند

ہری مہر فروغ رخ کی تاب سے حافظ جاہل گیا اے کامگار۔ کہی تو ناکام کی طرف نظر کر  
یعنی ترے رخ کی تاب سے جو مثل آفتاب کی فروغ رکھتا ہے حافظ سوختہ ہو گیا۔ اے کامگار محبوب دہرا  
ایک نظر ناکام کی طرف ہی ڈال دے۔ تاکہ اوسکا کام بن جائے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصّٰدِقِ

ت ح د

أَمَحْمَدُ لِلّٰهِ وَالْمَنَّةُ كَـ گلبین معرفت شرح دیوان حافظ کا

پہلا حصہ ماہ مئی ۱۹۰۲ء عیسوی میں مطابق

صفر المظفر ۱۳۲۲ھ ہجری قمریہ

تمام ہوا

فقط

اعلام۔ اس کتاب کا کالی راسخ مصنف محفوظ ہے کوئی صاحب طبع نفاہین









